

نوائین کے لیے صاف ستھرا انٹرنیٹ لوگ

آنکھ کراچی

aanchalpk.com aanchalnovel.com

قیمت = 70 روپے

آنچل

جلد نمبر 40
شمارہ نمبر 06
اکتوبر 2018

اشتہالات اور دیگر معلومات
0300-8264242

بان مہینہ
مدیر اعلیٰ
مدیرین
نائب مدیرین
گروپ ایڈیٹر
معاونین

زینب انشاء
شفاق احمد قریشی
قیس آزاد
سمیرہ مختار
طاہرہ قریشی
جیریہ بیگم
روشن اختر

رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹر
رکن چیئرمین آف کامرس

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
www.aanchalpk.com/blog
onlinemagazinepk.com/recipes
f /Nacyufaq Aanchal &
Hijab official group
i /women.magazine

BAKE
PARLOR

آج کل میں کیا ہے؟

ہم سب کا
Favourite
Bake Parlor Bihari Boti Macaroni



consumers@bakeparlor.com www.bakeparlor.com bakeparlor





سرورق: حمیرا منگل آرائش: روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: موی رضا

مستقل سلسلے

- | | | | | | |
|-----|----------------------|-----|--------------|--------------|-------------------|
| 207 | جویریہ الک | 192 | یادگار لمحے | طلعت نظامی | ہومیوکارنر |
| 210 | شہلا اعلم | 194 | آئینہ | میمونہ رحمان | بیاض دل |
| 219 | شائلہ کاشف | 194 | ہم سے پوچھیے | طلعت آغاز | دش مقابلہ |
| 222 | ہومیوڈاکٹر ہاشم مرزا | 199 | آپ کی صحت | ایمان وقار | نیرنگ خیال |
| 225 | حناء احمد | 203 | گاکی باتیں | ہما احمد | دوست کا پیغام آئے |

خط و کتابت کا پتہ: ”انچل“ پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے آفتاب پبلی کیشنز۔ ای میل: info@aanchal.com.pk

اس کی شہساز چھپیں

ابتدائیہ

- | | | |
|----|----------------|------------|
| 14 | مدیرہ | سرگوشیاں |
| 15 | ابراہیم | حمد |
| 15 | عبید رضا قادری | نعت |
| 16 | مدیرہ | در جواب آں |

دانش کدہ

- | | | |
|----|------------------|-------|
| 20 | مشتاق احمد قریشی | الکوش |
|----|------------------|-------|

ہمارا آنچل

- | | | |
|----|-------------|---------------------------|
| 23 | مائیجہ احمد | شائستہ یاسین / مہربان شاہ |
| | | کنزہ علی / انور حیدر |

سلسلہ وار ناول

- | | | |
|----|-----------------|------------------------|
| 26 | انقر صغیر احمد | تیری زلف کے سر ہونے تک |
| 78 | عشنا کوثر سردار | اکائی |

مکمل ناول

- | | | |
|-----|----------------|-----------------|
| 60 | نازینول نازی | عشق سفر کی دھول |
| 128 | سمیرا شریف طور | جنون عشق تک |
| 160 | ندا حسنین | چندارے چندا |

ناولٹ

- | | | |
|-----|------------|----------|
| 100 | شبانہ شوکت | محرم ذات |
|-----|------------|----------|

افسانے

- | | | |
|-----|-------------------|------------|
| 50 | راحت وفا | غلطی |
| 122 | ریحانہ آفتاب | آخری ٹپشیں |
| 152 | راشدہ فطرت | محاسبہ |
| 156 | شازیہ الطاف ہاشمی | طوفان |

پبلشر: مشتاق احمد ستریشی پرنسٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کاپت: 7 منیر پتہ چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مومن ایک سورج سے دوسرے نہیں ڈسا جاتا۔
(بخاری و مسلم)

گوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اکتوبر ۲۰۱۸ء کا آچل حاضر مطالعہ ہے۔

اسلامی سال نو کا آغاز ہو چکا ہے۔ تمام بہنوں کو نیا بھری سال مبارک ہو۔ قابلِ تَذَرُّبَات ہے کہ اسلامی سال کا اختتام بھی اللہ کے حضور سنت ابراہیمی کی پیروی میں قربانی کر کے ہوتا ہے اور ابتدا بھی خونِ عمر و حسینؑ سے رنگین ہے۔ میدانِ کربلا محض اطاعت و فرمایاں برداری کا مظہر ہی نہیں بلکہ جرأت و استقلال، ایثار و قربانی، عزم و شجاعت اور وفا و یقین کا استعارہ ہے۔ میدانِ کربلا کی پختی ریت پر پیاس سے جلتے بچے ہوں یا پادِ پردہ عفت مآبِ یبیاں، با وفا بھائی ہو یا جانثارانِ حسینؑ۔ تاریخ کی پیشانی پر یہ سارے نفوسِ قدسیہ اپنی سچائی، بے خوئی، جاں نثاری اور ایمان پر یقین کے باعث چمک رہے ہیں۔ شہِ خوش خصالؑ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی قربانی دے کر دنیا کو رخ کے ایک نئے مہبوم سے روشناس کروایا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مہر و رضا کی اس راہ پر چلنے کی توفیقِ عطا فرمائے جو بندگی کی معراج ہے۔ اس بار جس طرح عید الاضحیٰ پر امن طریقے سے منائی گئی، تبدیلی کا عمل بغیر کسی تنازع کے مکمل ہوا اسی طرح دعا ہے کہ محرم الحرام کا مہینہ بھی مذہبی، ہم آہنگی کے ساتھ بغیر خون و اختتام پذیر ہو کہ امن و اتحاد ہی وقت کا اہم تقاضا ہے۔ ہم ایک بار پھر اپنی تمام بہنوں کے شکر گزار ہیں کہ وہ اس مشکل گھڑی میں اوارے کا ساتھ دے رہی ہیں اور اپنے تعاون سے ہماری حوصلہ افزائی کا سبب بن رہی ہیں جس سے ہمیں ہمت و طاقت اور لگن، جوش و جذبے کی نئی جہت مل رہی ہے اور ہم سب مل کر بہتر سے بہتر بننے میں کوشاں ہیں اور ان شاء اللہ چند ماہ میں آپ کو بہت سی تبدیلیاں اور دلچسپی کا سامان نظر آئے گا جس کو آپ ضرور پسند کریں گی۔ جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے کہ نئی حکومت بننے کے بعد غیر محسوس طریقے سے مہنگائی کا ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے اور جیسا کہ ہم سب سمجھ رہے تھے کہ حالات میں کچھ بہتری آئے گی پر اب تک ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا اللہ خیر کرے اور وطن عزیز کے لیے بہتری کی کوئی تمہیل نکالے گا۔

اس ماہ کے ستارے

راحت و فائز شہادتِ شریعت، ریحانۃ قلوب، راشدہ رفعت، شازیہ الطاف، ندا حسین۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

قارئین نوٹ فرمائیں ہمارے ادارے کی ویب سائٹ کی ہوسٹنگ کمپنی کسی ناگزیر وجہ کے باعث اچانک بند ہو گئی ہے اس لیے ویب سائٹ اور تمام ای میل ایڈریس نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آپ سب کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ہمارے شعبہ ویب کے کارکنان کوشش کر رہے ہیں جلد از جلد اس ہی کمپنی سے رابطہ ہو جائے اور سب کام دوبارہ شروع کر دیا جائے یا پھر کسی نئی ہوسٹنگ کمپنی سے معاہدہ کر کے جلد از جلد ویب سائٹ اور وی ای میل ایڈریس یا نئے میل ایڈریس آپ کو سونپ دیے جائیں۔ ادارہ امید کرتا ہے کہ آپ کا تعاون ادارے کے ساتھ ہمیشہ کی طرح رہے گا۔ جزاک اللہ

حکایتِ دل

نعتِ پاک

اے خدائے پاک رب ذوالجلال

دو جہاں کی نعمتوں سے کربہال

ہاندہ، سورج، لہاں میں تیرا نور

یہ جہانِ رنگ و بو، تیرا جمال

تو نے پیدا کی ہے ساری کائنات

آسمانِ بے ستوں تیرا کمال

زلزلے، سیلاب اور بیماریاں

مجھ کو ان آفات سے یا رب نکال

یاد کرتا ہوں تجھے، دن رات میں

ذکر تیرا ہر گھڑی تیرا خیال

بجلیاں، طوفان اور باؤِ سموم

اہلِ عالم کے لیے تیرا جلال

کر لیا ہے مجھ کو دنیا نے اسیر

یا الہی اپنی الفت دل میں ڈال

ملے ہیں خاک سے لیکن بدن میلا نہیں ہوتا

فدایانِ محمد ﷺ کا کفن میلا نہیں ہوتا

محبتِ اہل بیتِ پاک کی جس دل میں پنہاں ہو

سدا شفاف رہتا ہے وہ من میلا نہیں ہوتا

ثنائے مصطفیٰ لکھو کہ ان کی مدح کرنے سے

قلم میلا نہیں ہوتا سخن میلا نہیں ہوتا

نبی کے دین کی خاطر جو بیتی ہے محبت سے

وہ دولت کم نہیں ہوتی وہ دھن میلا نہیں ہوتا

زباں تو جن کی رہتی ہے ثنائے شاہِ بطحا سے

عبید قادری ان کا دھن میلا نہیں ہوتا

جناب عبید رضا قادری

جناب ابراہام میر

درجہ اولیٰ

مدیرہ

ڈاکٹر تنویر انور خان..... کراچی
بہن تنویر! سدا سہاگن رہو۔ مجھی ناراضی اپنی جگہ کر
اے بھی کیا کہ تحریریں ارسال نہ کریں۔ ہم نہ سہی پر قارئین
تو آپ کے اپنے ہیں مانا کہ غلطی ہماری ہے کہ کتاب کی
رونمائی میں حاضر نہ ہو سکے۔ لیکن مجبوری بھی تو کوئی چیز
ہے۔ کام کا بوجھ ہی کچھ ایسا ہے کہ سب کو شکایت ہے آئے
نہیں فون نہیں کیا میسج نہیں پڑھا اب کیا کہیں اور کس کی
شکایت دور کریں۔ کوئی تھلائے کہ ہم بتائیں کیا آپ
سے رشتہ پرانا ہے اور امید ہے اتنا مضبوط بھی ہوگا اس لیے
ان باتوں کو دور کر کے تقریب کا احوال اور ایک عدد تحریر
بھی ارسال کر دیں حجاب کے لیے کیونکہ یہ بھی آپ کا ہی
پرچہ ہے اور پھر اب حجاب کی سالگرہ بھی آنے والی ہے اس
میں آپ کی شرکت ہماری اور قارئین کی خوشی کا باعث
ہوگی۔ پانچ کتابیں اب آپ کی منظر عام پر آ گئی ہیں۔ یہ
ہمارے لیے خوشی کی بات ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کے
قلم میں مزید نکھار پیدا کرے آمین۔ ہماری جانب سے
کتاب کی اشاعت پر مبارکباد قبول فرمائیں۔

نزہت حبیب ضیا..... کراچی
بیاری نزہت سدا سہاگن رہو۔ گو کہ خوشیاں انسان کی
زندگی کا اہم حصہ ہیں اور ایک ساتھ اتنی بڑی خوشی مل جانا
بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے جو کہ آپ کے آگن
میں معصوم بچوں کی مانند اتر کر آپ کو مسرت بخش رہی
ہے۔ ادارے کی جانب سے بھی آپ کو تو ام پوتے مبارک
ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کی خوشی اور بچوں کی عمر دراز
کرے اور انہیں نیک و صابر بنائے آمین۔

شمیم ناز صدیقی..... کراچی
بیاری شمیم! آپ کے شوہر کے ساتھ رونما ہونے

والے حادثے کے متعلق جان کر بے حد افسوس ہوا۔ اللہ
سبحانہ و تعالیٰ ایسی ناگہانی آفات و حادثات سے سب کو
محفوظ رکھے آمین۔ ایک معمولی سے حادثے نے آپ کی
ساری زندگی کا مفہوم ہی بدل کر رکھ دیا۔ بے شک یہ لحات
اور مشکلات آپ کے لیے بے حد تکلیف دہ ہیں، لیکن اللہ
کی رضا کے آگے انسان بے بس ہے اور ہمارے رب کے
ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ
سے دعا گو ہیں کہ آپ کے شوہر عثمان صاحب کو غریق
رحمت کرے اور آپ سمیت دیگر اہل خانہ کو صبر و استقامت
عطا فرمائے۔ مشکل اور غم کے یہ لحات جلد گزر جائیں
آمین۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کے لیے منتس
ہیں۔

ملورا طلحہ..... گجرات
ڈیر ماوراء سدا سہاگن رہو۔ آپ کی کمائی کی رحلت کی
خبر جان کر بے حد افسوس ہوا۔ بعض قریبی رشتوں کا یوں
اچانک چھڑ جانا ایک بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا کر دیتا
ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ مرحومہ کو جنت
الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور آپ سمیت دیگر اہل
خانہ کو صبر و ہمت عطا کرے آمین۔

حمیرا نوشین..... منڈی بھانو الدین
عزیزی حمیرا! سدا سہاگن رہو طویل عرصے کی غیر
حاضری کے بعد بالآخر آپ کو آج کل کی یاد آ گئی۔ ورنہ
آپ ہر ماہ باقاعدگی سے شریک ہونے والے قارئین میں
سے تھیں۔ ”بھئی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تھیں یاد ہو کہ نہ یاد
ہو“ بہر حال اب بھولے سے یاد کر ہی لیا ہے تو قلمی رابطہ کو
بجال رکھیے گا کتاب کی اشاعت پر ڈیڑھوں مبارک باد
قبول فرمائیے۔ بے شک آپ کی محنت اور کوشش رنگ
لائی۔ آپ حجاب و آج کل کے لیے اپنا قلمی رابطہ استوار رکھیے
گا۔ آج کل کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ایس این شہزادی کھول..... جڑنوالہ
بیاری شہزادی! شاد رہو آپ کی خوب صورت
مصروفیت کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ بے شک یہ دینی تعلیم
ایسی تعلیم ہے کہ جس قدر بھی سیراب ہو کئی بڑھتی جاتی
ہے۔ علم کی پیاس اور لگن برقرار رہتی ہے اور ہر بار ایک نئے
معنی و مفہوم سامنے آتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو

ہیں کہ آپ کو دین و دنیا کے تمام امتحانات میں کامیابی عطا
فرمائے آمین۔ فائزہ گل تک آپ کے ناول کی فرمائش ان
سطور کے ذریعے پہنچ جائے گی۔ پرچے کے صفحات زیادہ تو
فی الحال نہیں ہو سکتے۔ کاغذ کی قیمت میں جب کمی آ جائے
گی تو از خود آپ کی یہ خواہش پایہ تکمیل تک پہنچ جائے گی۔
امید کا دامن تھامے رکھیے۔

انیلا طالب..... گجرات نوالہ
عزیزی انیلا! سدا سہاگن رہو ”صراط مستقیم“ کے عنوان
آپ کی طویل قلم موصول ہوئی لیکن متعلقہ شعبے کے
... پوری نذر کسی اس لیے معذرت۔ اپنی اس قلم کواز
... جاری رکھیں۔

حفصہ کنول..... توبہ ٹیک سنگھ
... اسلامت رہو فائزہ و فائزہ سے بھر پور
آپ کا نام۔ وصول ہوا۔ بیانا نہ جانے آپ کو ایسا کیونکر
... اس ہوا کہ پرچے پر صرف چند ناموں کا راج ہے جبکہ
ایسا تو ہرگز نہیں ہے۔ ہاں بعض قارئین مستقل لکھنے والوں
میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کی نگارشات ہر ماہ باقاعدگی سے
موصول ہوتی ہیں اور پرچے کی زینت بھی بن جاتی ہیں۔
بہر حال پھر بھی آپ کا گلدور کرنے کی کوشش کریں گے کہ
آپ کا پیغام جلد شامل ہو جائے۔ اس بار خط کا جواب
حاضر ہے امید ہے کئی دور ہو جائے گی۔

علیشہ نور..... پھیر کنڈ
ڈیر علشہ! سدا یاد رہو آپ کی تحریر پکی محبت موصول
ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی
ضرورت ہے موضوع بھی کچھ خاص نہیں تھا اس موضوع پر
کر لڑکی کی منگنی ہو جاتی ہے اور پھر دوسرا لڑکا اس کے منگیتر
سے غلط بیانی کرتا ہے مگر منگیتر اس کی باتوں میں نہیں آتا۔
بہت سی نامور مصنفین لکھ چکی ہیں بہتر ہے کہ کچھ وقت کے
لیے آپ قلم سے نااطو ذکر صرف مطالعہ کریں۔ ذہن میں
الفاظ کا ذخیرہ ہوگا اور موضوعات بھی نئے نئے آئیں گے۔
پھر جب کچھ عرصہ بعد قلم اٹھائیں گی تو لکھنے میں مدد ملے
گی۔ امید ہے کئی دور ہوئی ہوگی۔

اسماء صدیقہ..... عبد الحکیم
بیاری اسماء! جگ جگ جیو آپ کا نام موصول ہوا
جس تحریر کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ ہم تک نہیں پہنچی تو

شکایت کیسی۔ وطن کی محبت کے حوالے سے پہلے بھی
تحریریں موصول ہوتی رہی ہیں اور آج کل بھی اب قاری
بہنیں کچھ مختلف پڑھنا چاہتی ہیں۔ اس لیے کسی اور
موضوع کا انتخاب کر کے اپنی تحریر ارسال کریں۔

گلشن چوہدری..... گجرات
عزیزی گلشن! شاد رہو آپ کی تحریر ”یہ عشق نہیں
آساں“ پڑھ ڈالی، لیکن متاثر کرنے میں ناکام رہی۔ انداز
تحریر کی کمزوریاں کافی نمایاں رہیں۔ بے شک آپ نے
محنت سے اور سوچ بچار کر کے لکھا ہوگا اور اس مقصد کی
خاطر لاہور بھی گئی ہوں گی، لیکن فی الحال کہانی اس معیار کی
نہیں کہ پرچے کی زینت بن سکے۔ مزید محنت اور لگن کے
ساتھ کوشش جاری رکھیں۔ اپنا مطالعہ وسیع کر کے دیگر
مصنفین کو بغور پڑھیں۔ ان کے انداز تحریر اور موضوعات
کی انفرادیت کو پیش نظر رکھ کر قلم اٹھائیں۔

حفصہ نور..... گجرات
بیاری حفصہ! سدا یاد رہو بزم آج کل میں پہلی بار
شرکت پر خوش آمدید گلشن آپ کی کزن ہیں جان کر خوشی
ہوئی اور اسی لیے دونوں کے خطوط کے جوابات بھی ساتھ
ساتھ ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ کہانی لکھ کر ہی پرچے میں
اپنی شمولیت کا اظہار کریں۔ آپ دیگر سلسلوں میں شرکت
کے ذریعے بھی ہر ماہ پرچے میں اپنا نام دیکھ سکتی ہیں کیونکہ
کہانی لکھنے کے لیے مطالعہ کا وسیع ہونا ضروری ہے اور
انداز بیان اور کہانی لکھنے پر عبور ہونا بھی ضروری ہے۔ امید
ہے کہ ترقی ہوئی ہوگی۔

عالیہ اشرف..... لانڈھی
ڈیر عالیہ! جیسی رہو تعارف تو ہر ماہ کثیر تعداد میں
موصول ہوتے ہیں لیکن صفحات کی کمیابی کی بناء پر سب کو
شامل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال آپ کا تعارف بھی جلد
شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ دیگر سلسلوں میں شرکت
کرتی رہیں۔ وہاں اتنا انتظار آپ کے حصے میں نہیں آئے
گا۔

گژیارا جہوٹ..... ننکانہ صاحب
عزیزی گژیارا! جگ جگ جیو آپ کی تحریریں پڑھ
ڈالی۔ ایک ڈائری کی صورت میں کہانی کو پیش کیا گیا
مختلف حالات و واقعات کو دکھایا گیا بالخصوص تایا اور چچا

کے دو گھرانوں کا تذکرہ ہے لیکن کہانی کے ان دونوں حصوں میں ربط نظر نہیں آ رہا کہانی بے جا طوالت کا شکار بھی محسوس ہوئی۔ آپ اس کہانی میں سے ڈائری کا تذکرہ نکال دیں اور ان باتوں کو پیش نظر رکھتے قلم اٹھائیں جبکہ باقی دو تحریروں کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

رضوانہ رامین..... جلالپور روڈ تاج

کالونی

ڈیزر رضوانہ! سدا مسکرائی رہو بزم آفچل میں پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آپ نے دل میں اس قدر ناکامی کا خوف کیوں چھپا رکھا ہے۔ بے شک یہ انسان کے ارادے ہی ہوتے ہیں جو اسے کامیاب بناتے ہیں اور پھر آپ ایک کامیاب انسان، بحیثیت استاد اپنے فرائض بھی انجام دے نہ رہی ہیں۔ آپ کی نظمیں پرچے کے معیار کے مطابق ہوئیں تو ضرور شائع کر دیں گے۔ بصورت دیگر آپ کی اصلاح ہو جائے گی۔ امید ہے اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے مایوس نہیں ہوں گی۔

عذہ آرزو چودھری..... گجرات

ڈیزر آرزو! یاد رہو نیرنگ خیال کے لیے ارسال کردہ آپ کی شاعری کے لیے معذرت ابھی مطالعہ وسیع کریں دیگر بڑے شعراء کے کلام کو بغور پڑھیں، پھر شاعری کی جانب آئیں۔ آپ کی اس کاوش میں کافی جھول ہے اور بعض اشعار بھی بے وزن ہیں۔ امید ہے محنت جاری رکھیں گی۔

گلمینا خان اینڈ حسیہ ایچ ایس.....

مانسہرہ

پیاری مینا اور حسیہ! جگ جگ جیو آپ کی تحریر کے ساتھ نامہ موصول ہوا ہے شک محنت کے رشتے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انسان فیصل کی دنیا میں دوسرے انسان کی شبیہ بنا لیتا ہے۔ یہ سمجھ لیجیے کہ معاملہ یہاں بھی یہی رہا۔ خط پڑھتے ہیں محسوس ہوا جیسے آپ سامنے ہوں اور مسکرا کر اپنی معصوم اداؤں سے مخاطب ہوں۔ بات ہو جائے اب آپ کی تحریر بکھرے تیری خیر ہو تو موضوع اور انداز تحریر دونوں ہی متاثر نہیں کر سکے۔ بہتر ہے کسی اور موضوع کو منتخب کر کے کہانی ارسال کریں۔

وفا ملک..... ضلع خوشاب

ڈیزر وفا! خوش رہو آپ کی جانب سے متفرق اشعار موصول ہوئے۔ شاعری کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں گو کہ سنتے اور پڑھتے ہوئے بے شک برا احساس ہوتا ہے کہ یہ تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں یا لکھ سکتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے عام سے الفاظ میں بھی وزن پیدا کرنا اور اس خوب صورتی سے بات کہہ جانا کہ مدتوں یاد رہ جائے یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ آپ کے لیے بھی یہی تجویز ہے کہ ابھی اپنا مطالعہ وسیع کریں اور نامور شعراء کا کلام پڑھیں تاکہ لکھنے میں مدد ملے۔ ان اشعار کے لیے معذرت۔

ملوہ سلیم..... کورنگی

ڈیزر ملوہ! سدا شاد رہو اپنا نام دیکھ کر آپ کو خوشی ہوئی بے حد اچھا لگا اس بار بھی آپ کا تہمرہ پرچے کی زینت بن گیا ہے امید ہے خوشی کا باعث بنے گا اور آپ سے آپ کا رشتہ مزید گہرا ہو جائے گا۔ آپ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کرنی رہیں۔ وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہیں گے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو دین و دنیا کے تمام امتحانات میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔

جمیلہ بشیر..... ساہیوال

ڈیزر جمیلہ! جیٹی رہو آپ کے خط سے تمام حالات کا بخوبی اندازہ ہوا ہے شک زندگی میں انسان کو ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خوشی غم کے لمحات سے گزرنا پڑتا ہے مسرت بھرے لمحات مختصر اور قلیل لگتے ہیں اور جدائی کی گھڑیاں طویل۔ وہ کہتے ہیں ناں۔

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں اب اپنی والدہ کی داگی جدائی آپ کے لیے بے حد جانکسل ہے۔ بے شک ماں کے شفق سائے سے محرومی ایک گہرا صدمہ ہے اور صبر بھی وقت کے ساتھ ہی آئے گا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کو صبر و ہمت عطا فرمائے آمین۔ آپ کی شاعری متعلقہ شعبے میں بھیج دی ہے اگر معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہو جائے گی۔

سیدہ برجیس رباب..... عیسٰی خیل

ڈیزر برجیس! سدا سہاگن رہو طویل عرصہ کی غیر حاضری کے بعد آپ کی شرکت اچھی لگی۔ آپ کا نام

ہمارے ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ تھا اور تحریریں بھی بالکل موجود ہیں۔ جلد لگانے کی کوشش کریں گے۔ اب یہ فکری رابطہ بحال کیا ہے تو دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کرنی رہے گا۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں عطا فرمائے آمین۔

سمبہ رانی..... ملتان

ڈیزر سمبہ! سدا سہاگن رہو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ نے زندگی کے ہر میدان میں آپ کی رہنمائی کی اور آپ نے اس سے بہت کچھ سیکھا۔ بے شک ہمارا اصل مقصد یہی ہے کہ کہانی کے پیرائے میں اشارے اور انانے میں وہ مقصد اور مفہوم اجاگر کیا جائے جو اس زندگی کی حقیقت ہے۔ خیر اور شروٹوں ساتھ ساتھ زندگی میں ملنے ہیں اور ایسے ہی کردار ہر کہانی میں اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں۔ ضرور لکھیں، لیکن ابتدا افسانے سے کریں جو کہ مختصر اور جامع ہو۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

کوثر خالد..... جڑانوالہ

ڈیزر کوثر! سلامت رہو آپ کے مفصل خط سے تمام مصروفیات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہے بے شک اب آپ نے قرآن کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر کام کرنے کا جوا لٹا عمل ترتیب دیا ہے وہ قابل تحسین ہے اور بے شک اگر انسان کسی کام کا ارادہ کرے تو منزل پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا وہ کون سا عقدہ ہے جو دا ہو نہیں سکتا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو اس کام پر بہترین اجر سے نوازے حوض کوثر سے جلد انتخاب کرتے نیرنگ خیال میں اشاعت کا موقع دیں گے آپ اسی طرح اپنی رائے تعریف و تنقید سے آگاہ کرتی رہا کریں دعاؤں کے لیے جزاک اللہ آپچل کے حوالے سے لکھی نظم بے حد پسند آئی۔

داؤد سمیرا ایاز..... گراچی

پیاری سمیرا! جگ جگ جیو آپ کی تحریر تاخیر سے موصول ہونے کی بنا پر عید الاضحیٰ نمبر میں اپنی جگہ نہ بنا سکی اب یا تو آئندہ عید نمبر میں لگ جائے گی یا پھر آپ کے

کی مرضی اور سوچ پر منحصر ہے۔ بہر کیف آپ کی پھول لے ایکٹیوٹ اور ان کے آپریشن کے متعلق جان کر بے ساختہ دعاؤں نے لبوں کا احاطہ کر لیا اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی پھول کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔

قابل اشاعت:-

یہ خوف ایک آئینہ ہے چور مینا، وقت کی کوڑی محاسبہ محبت گزیدہ، جب تجھ سے نانا جوڑا ہے، عشق کی سیاہیاں، میں عورت، باتھوں پہ لکھی تحریر ہے تو فارمولہ، ہم قاری لوگ، اک ذرا سی بات

ناقابل اشاعت:-

عید کے رنگ پیاکے رنگ پہلا سفر، سجدہ شکر راہ کا پتھر، رب کی عطا، مکافات عمل، مکافات قرض، نکی ایچی وجود، نیت فی سبیل اللہ اللہ رکھی، غمرہ شہزادی، اک لمحہ معتبر ہوا، ایک سال کی دولت رشتہ انسانی کا، ذرا سی بات تھی نئے پڑوی، پچھتاوا، نئے سال کا چاند، جمد بھابی جیسی، تم میرے ہو، میں میں کنوں آکھان، رحمت، اولاد بدلا میرے ہم راز کا رنگ، ربا یا رملاد دے خوشیاں ہوئیں دوبالا، تنہائے دل، میرا کرب ہی میرا سکون، دنیائے امید قائم، کنسر، بساط عشق، بکھرے تیری خیر ہو، کامیابی ناممکن نہیں، عورتوں کی عزت، جی یا علی الفلاح، بس ایک احساس ڈائری، دسویں منزل، خوابوں کے جگنو، عانکہ وصال یا، مصنف نازک، وہ اک صبح، دسمبر، اک ذرا سی بات، تو میں میری سائیں، قیامت سے پہلے، سیدہ ہوا کھوکھلا، وجہ کیا تھی، قدر جانے نہ، محبت کے نام پر، چچی، محبت، تیری قید میں، پناہ میری، مکافات عمل، کاش بہو بھی بیٹی ہوئی، کتاب، وقت، سیراب محبت کا سفر، محبت نام کی نہیں ملتی، سزا، روح مضطرب، رب کی عطا۔





ترجمہ۔ اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ ہے کم و کاست سنا دو۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا اس نے جواب دیا اللہ تو مشقیوں ہی کی نذر میں قبول کرتا ہے۔ (سورۃ المائدہ۔ ۲۷)

تفسیر۔ قرآن کریم میں حضرت آدم کے ان دونوں بیٹوں کے نام اور زمان و مکان کے بارے میں تفصیلات نہیں دی ہیں۔ البتہ مشہور یہ ہے کہ ان کے نام ہابیل اور قابیل تھے یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کے درمیان انسانیت کا پہلا تنازعہ پیدا ہوا جو دو بہنوں کے بارے میں تھا۔ ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا علیہا السلام کے ملاپ سے حکم ربی سے بیک وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اسی طرح دوسرے حمل سے پھر ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا لیکن ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بد صورت تھی جب کہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی خوب صورت تھی۔ اس وقت کے اصول کے تحت ہابیل کا نکاح قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کے ساتھ ہونا تھا اور قابیل کا نکاح ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے ہونا تھا۔ لیکن قابیل چاہتا تھا کہ اس کا نکاح ہابیل کی بہن کے بجائے اپنی بہن یعنی اپنے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے ہو کیونکہ وہ خوب صورت تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو بارگاہ الہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا جس کی قربانی قبول ہو جائے گی اسی کے ساتھ قابیل کی بہن کا نکاح کر دیا جائے گا۔ (یہ واقعہ تاریخ انسانیت کا پہلا تنازعہ بھی ہے اور پہلی قربانی کا ذکر یہ بھی ہے) دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش کی ہابیل نے ایک عمدہ دنبے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے گندم کی بالیوں کی قربانی پیش کی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اس طرح کہ آسمان سے آگ آئی اور دنبے کو کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہو گیا اور اس نے بغاوت کر دی اور اپنے بھائی کو قتل کرنے کی دھمکی دی اور بعد میں اسے قتل کر ڈالا۔ (اس قصہ کے بارے میں نہ تو قطعی روایات یا ثبوت ہیں نہ ہی احادیث میں اس کا ذکر ہے لیکن اکثر مفسرین کرام نے اسے تحریر کیا ہے یہ قصہ دراصل اہل کتاب کے عہد نامہ قدیم میں آیا ہے جہاں پوری تفصیل سے اسے درج کیا گیا ہے) یہاں اس واقعے کو نقل کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اللہ کی بارگاہ میں قربانی کا رواج کیسے اور کب ہوا جو بتدریج بگڑتے بگڑتے کفر کی حد میں داخل ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی رحمت اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے توسط سے بطور عبادت خاص رائج فرمایا اور اس کی فضیلت یہ بتائی گئی جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتا ہے تو اس قربانی کے نتیجے میں اس جانور کے جسم پر جتنے بھی ہال ہوں گے اس کے ہر ہال کے عوض ایک ایک گناہ معاف کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کو اجر و ثواب سے نوازنے کے لیے حیلے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ جب بندہ کوئی جانور قربان کرتا ہے تو جانور کا خون ابھی زمین پر گرنا بھی نہیں ہے کہ اس سے پہلے قربانی اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب یہ دیکھتے ہیں کہ میرا بندہ یہ دلیلیہ بغیر کہ یہ بات عقل میں آ رہی ہے یا نہیں اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے مال کا فائدہ ہو رہا ہے یا انسان صرف اللہ کے حکم کو مانتے ہوئے صرف ایک اللہ کے لیے جانور کے گلے پر چھری پھیر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آ جاتی ہے اور وہ اپنے بندے کو اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔

قریبانی ہر امت کے نظام عبادت کا ایک لازمی جزو رہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔

ترجمہ۔ اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر کر دیے ہیں تاکہ وہ ان چوپایے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا معبود بحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجیے۔ (الحج۔ ۳۴)

تفسیر۔ اس آیت مبارکہ سے دو باتیں سامنے آتی ہیں ایک یہ کہ قربانی تمام شرائع الہیہ کے نظام عبادت کا ایک لازمی حصہ ہے اور تو حیدنی العبادت کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان نے جن جن صورتوں سے غیر اللہ کی بندگی کی ہے ان سب کو غیر اللہ کے لیے ممنوع کر کے صرف اللہ کے لیے مختص کر دیا جائے۔ جیسے انسان نے عبادت کے لیے غیر اللہ کے آگے رکوع و سجود کے شرائع الہیہ نے اسے صرف اللہ کے لیے خاص کر دیا۔ انسان نے غیر اللہ کے سامنے مالی نذرانے پیش کیے۔ شرائع الہیہ نے انہیں قطعی روک دیا اور زکوٰۃ و صدقات صرف اللہ کے لیے واجب کر دیے۔ انسان نے ان غیر اللہ معبودان باطل کی تہمت یا ترا (مقدس دریا کے کنارے زیارت کرنا) کی شرائع الہیہ نے بیت اللہ کو مقدس قرار دے کر اس کی زیارت اور طواف کا حکم دے دیا۔ انسان نے غیر اللہ کے نام کے روزے رکھے شرائع الہیہ نے انہیں بھی اللہ کے لیے مختص کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح خود ساختہ معبودوں کے لیے جانوروں کی قربانی بھی انسان کرتا تھا شرائع الہیہ نے اس کو بھی غیر اللہ کے لیے قطعی حرام قرار دے کر اللہ کے لیے واجب کر دیا۔

ہلال انجیل

ملیحہ احمد

شائستہ یاسین

آنجل کے تمام قارئین! رائٹر اور اسٹاف کو میرا پر خلوص اور محبت بھرا سلام قبول ہو دے گا۔ صاف شفاف تر و کلیوں کی طرح خوبصورت رہے۔ صاف شفاف تر و تازہ مہکتا ہوا۔ جیسا کہ آپ جان گئے ہوں گے کہ میرا نام شائستہ یاسین ہے۔ پیار سے سب ”مانی“ کہتے ہیں۔ 6 اگست کو پڑپڑ شہر میں پیدا ہوئی۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ تین بہنیں دو بھائی، میرا نمبر پہلا ہے اس کے بعد دو بہنیں اور بھائی دونوں چھوٹے ہیں۔ میں نے بی اے کیا ہے۔ اور ایم اے اردو کرنے کا ارادہ ہے۔ اب ہو جائے بات خوبیوں اور خامیوں کی۔ خامیاں جلد باز ہوں، غصہ جلدی آ جاتا ہے، دوسروں پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں۔ خوبیاں نرم اور حساس دل کی ہوں کسی کا دل نہیں دکھائی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونا شروع ہو جاتی ہوں۔

آنجل، کرن، خواتین، شعاع میرے پسندیدہ رسالے ہیں۔ انٹرنز میں نازیہ کنول نازی، صائمہ اکرم، عمیرہ احمد، نمرہ، عفت، منشا حسن علی، رنگوں میں گلابی مطلب پنک اور ریڈ کلر بہت پسند ہے۔ سردیوں کا موسم بہت پسند ہے۔ ریڈیو مجھے بہت زیادہ پسند ہیں۔ دوست نہیں بنائی، مجھے اعتبار نہیں آتا کسی کا، شاعروں میں پروین شاکر، امجد اسلام امجد، وصی شاہ بہت پسند ہیں۔ کھانے میں خیرے نہیں کرتی، جومل بانہ کھا لیتی ہوں۔ ویسے مجھے آنسکریم، برگز فروٹ ہاؤس، وہی بھلے اور ملک شیک بہت پسند ہیں۔ میں اسکول میں پڑھاتی ہوں۔ صبح نماز اور قرآن

اسلامی نظام زندگی یہ ہے کہ وہ انسان کے احساسات اور رجحانات کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کرتا ہے۔ اسلام میں ہر حرکت، ہر عادت، ہر عمل دوسری گری کو شعوری طور پر ایک سمت دی جاتی ہے اور ہر چیز کو اسلامی نظریہ حیات کے رنگ میں رنگ دیا جاتا ہے۔ اسی نکتہ نظر سے اسلام نے ایسے تمام مذہب و جہانوروں کو حرام قرار دے دیا جن پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا کسی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اسلام میں یہ ضروری ہے کہ ہر ذبح کے وقت قربانی کی نیت صرف اللہ کے لیے کی جائے اور ذبح کے وقت بلند آواز میں اللہ اکبر کہا جائے۔ اسلام میں تمام بنیادی شعائر میں ربط پیدا کر کے ذات باری تعالیٰ کو ہر چیز کا محور بنا دیا جائے اس طرح اسلام کا نظام عبادت اس کے عقائد و نظریات اور قوت عمل میں کوئی تضاد نہیں رہتا اور نفس انسانی اور عمل انسانی کے درمیان کوئی ابہام، کوئی تضاد و کشمکش نہیں رہتی۔

اسلام وہ دین کامل ہے جو آفرینش سے لے کر اپنی تکمیل تک تمام ادوار میں ایک ہی رہا۔ مختلف ادوار میں گمراہ ہو جانے والوں کی ہدایت کے لیے رب ذوالجلال اپنی رحمت و کرمیت کے اظہار کے لیے بار بار اپنے رسول و پیغمبر بھیجتا رہا ہے تاکہ اس نے جس مخلوق کو اپنا نائب بنایا ہے وہ کسی وجہ سے گمراہی میں گر کر اپنی دائمی زندگی کو خراب نہ کر لے اس لیے تمام ادیان کے داعی صرف ایک اللہ کی عبادت و اطاعت کا پیغام دیتے رہے یہی پیغام نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین اسلام میں تمام ادیان اور ان کے داعیوں ان کی کتابوں کو تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اطاعت و تسلیم و رضا کی ادا بہت زیادہ پسند آئی۔ اس لیے اسے رہتی دنیا تک کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے قائم فرمادیا۔

سورۃ الکوثر کی دوسری آیت کی تشریح کر رہے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی، دلداری کے لیے اللہ تعالیٰ نے انعام فرمائی چونکہ قربانی اطاعت کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں انعام الہی پر نماز ادا کرنے اور شکر کے طور پر قربانی کرنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔ یہ ہدایت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ان کی تمام اُمت کے لیے بھی ہے کہ وہ اپنی ہر کامیابی اپنی ہر مسرت و خوشی اور اپنی ہر ناکامی و نامرادی پر اپنے رب کا شکر ادا کرتے رہیں۔ نماز پڑھیں اور اپنے مال کی قربانی اللہ کی راہ میں دیں تاکہ اللہ ان کے اخلاص و اطاعت کا انہیں بھرپور اجر عطا فرمائیں۔ اس طرح ایک مومن اہل ایمان کا اپنے رب سے تعلق و قربت بھی ہوگی اور حق بندگی بھی ادا ہو سکے گا۔

(جاری ہے)



باک کی تلاوت اور پھر گھر کا کام جلدی مکمل کر کے اسکول جاتی ہوں اور پھر بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہوں۔ کچھ دیر بی بی دیکھتی ہوں اور پھر رات کو نیند کی وادی میں کم ہو جاتی ہوں (ہاہا) اگر میں اور میرا تعارف اچھا لگے تو رائے ضرور دینا دوستو! اب اجازت چاہتی ہوں آپ لوگ تنگ آگئے ہوں گے۔

مہربان شاہ

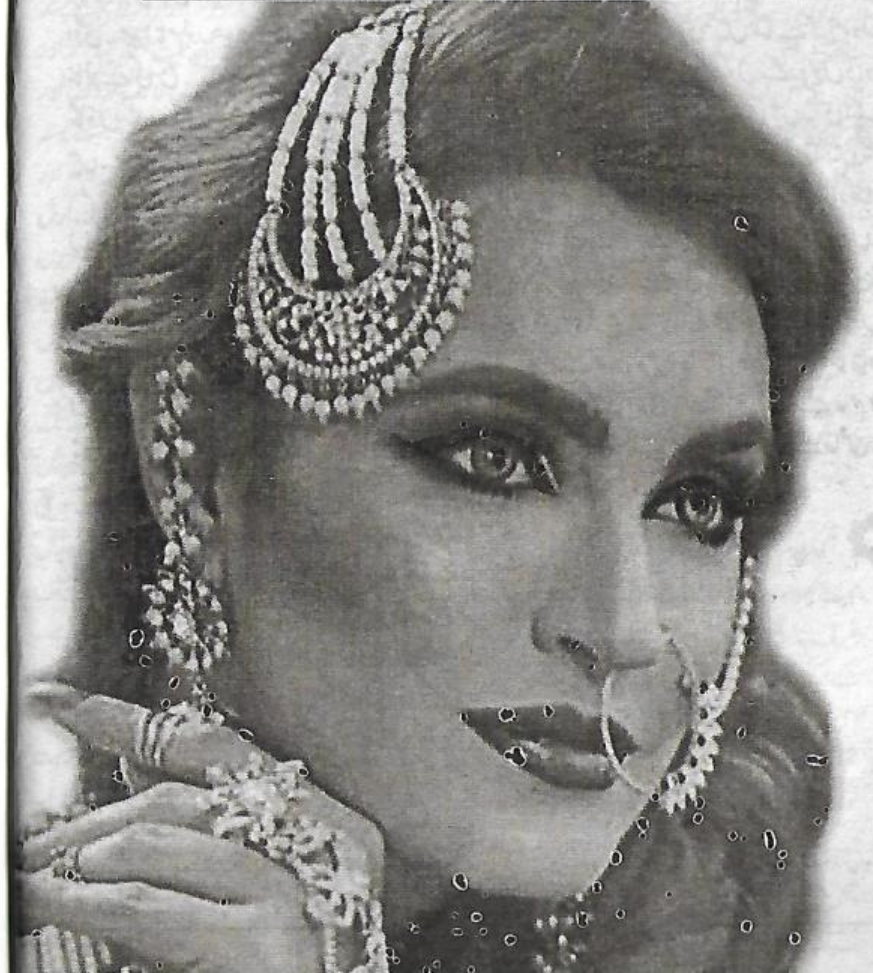
السلام و علیکم! تمام ریڈرز سے التماس ہے کہ میرا چاہتوں اور خلوص بھرا سلام قبول کریں۔ مابذولت کو آپ جانتے ہیں اور اگر نہیں جانتے تو اب جان لیجیے۔ میرا نام مہرباں شاہ ہے جو میرا قلمی نام ہے۔ بہن بھائیوں میں میرا نمبر چوتھا ہے۔ ابھی فرسٹ ایئر کا ایگزام دے کر فارغ ہوئی ہوں۔ ڈیٹ آف برتھ 20 دسمبر ہے۔ ساگرہ نہیں منائی، لیکن فرینڈز ضرور کرتے ہیں۔ میری سب سے اچھی دوست میر جانی، مجھے برتھ ڈے کے دن دس کرنا نہیں بھولتی۔ لو پو ٹانی اینڈ مس یو اتنے میٹروں سے ملاقات جو نہیں ہوئی تو مس کر رہی ہوں تم سب کو۔ میری فرینڈز لسٹ میں صبا گل، معرفہ، حمیمہ، سمیہ جانی، کے ٹی عاتشہ اور سلوٹی شامل ہیں۔ میں افغان (مریم) کو بہت مس کرتی ہوں۔ کلرز مجھے سب اٹریکٹ کرتے ہیں۔ لیکن بلیک کلر جنوں کی حد تک پسند ہے۔ گرے اور لائٹ بلیو بھی پسند ہیں۔ شلوار قمیص کے علاوہ ساڑھی اور فرائک پسندیدہ لباس میں شامل ہیں۔ آئی تھنک میں سکس کلاس میں تھی جب میں نے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا تھا۔ گھر والوں سے چھپ کر ڈائجسٹ پڑھنے کا اپنا ہی مزہ تھا۔ اب بھی اگر ڈائجسٹ ہاتھ میں دیکھ لیں ناامی تو پھر ان کے غصے سے جان بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ پسندیدہ رائٹرز کو لکھنے بیٹھوں تو میرے خیال میں صغے کم پڑ جائیں گے۔ نازیہ کنول نازی، اقراء، صغیر، عشنا کوثر، ام مریم، سباس گل، نمرہ، عمیرہ احمد اور فرحت اشتیاق کے ناول بیسٹ ہوتے ہیں۔ دلوں کو چھو لینے والی

تیک زلف کے سہونے تک

اقرا صغیر احمد

قسط نمبر 25

دل اس قدر اداس بھی پہلے کبھی نہ تھا
غم میرا اک رفیق تو تھا زندگی نہ تھا
بکھری ہوئی تھی شہر میں چروں کی بازگشت
جس شخص کی تلاش تھی بس اک وہی نہ تھا



(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

انشراح راستے میں نوفل کو دوستی کی آفر کرتی ہے، جس پر وہ نہایت مشتعل ہو جاتا ہے۔ اسے انشراح میں اپنی ماں کا انداز دکھتا ہے جو اسی طرح ہر کسی سے میل جول بڑھا لیتی تھی جب ہی وہ اس کے ہاتھ کو جھٹک دیتا ہے۔ انشراح اس کے رویے پر اچھن کا شکا نظر آتی ہے۔ دوسری طرف عائشہ بھی اپنی نمیلی کے ہمراہ آؤٹنگ پر جانے کا ذکر کرتی ہے تو انشراح تنہا رہ جاتی ہے۔ جہاں آراء اپنی ذات میں مگن دنیا کی رنگینیوں سے لطف انواز ہوتی ہیں، ایسے میں سرانج کی آمد اچانک انہیں بوکھلا دیتی ہے۔ وہ اپنی رقم کا تقاضا کرتا ہے جس پر جہاں آراء صاف انکار کرتی ہیں مگر وہ بھی اتنی آسانی سے ٹلنے والا نہیں ہوتا، جب ہی وہ برکھا کا ذکر کرتے انہیں چونکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ سرانج کے منہ سے یہ باتیں سن کر جہاں آرا آنے والے وقت کے لیے خود کو تیار کر لیتی ہیں، جلد ہی سرانج برکھا کو لے کر ان کے گھر پہنچ جاتا ہے اور انشراح کا مطالبہ برکھا ان کی سامنے کرتی ہے، لیکن جہاں آراء اب اپنی بات پر قائم نہیں رہتیں، اور پیسے دے کر معاملہ ختم کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ عمران کو جب یہ پتہ چلتا ہے کہ زید، صالحہ اور مدثر سے ملنے گیا تھا تو وہ خوب ہنگامہ کھڑا کر دیتی ہیں۔ ایسے میں زید انہیں سمجھانے میں ناکام ہو کر مایوس لوٹ جاتا ہے۔ ماندہ اپنی ماں کو آنے والے حالات کے مطابق تیار کرتی ہے اور عمران بھی مشتق ہو جاتی ہے۔ اچھی آپا اور چندا کے ارادے بالکل بھی نیک نہیں ہوتے، سودہ کی صورت وہ اپنے گھر میں ایک ملازمہ لانا چاہتی ہیں تو دوسری طرف پیارے میاں کو سودہ سے بدظن کرنے کی کوشش جاری رکھتی ہیں۔ رضوانہ بہن سے تعلقات خراب ہونے پر کافی مضطرب ہوتی ہیں، ایسے میں عفرا، زید سے بات کرنے کا مشورہ دیتی ہے رضوانہ کو بھی یہ بات پسند آتی ہے، جب ہی زید کے ذریعے اپنے تعلقات پھر سے بحال کرنا چاہتی ہیں۔ زید سودہ کی جدائی کے خیال سے بے چین ہوتا ہے لیکن وہ اپنے جذبات کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیتا اور خود کو سنبھالتا شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



سودہ کے چہرے پر پھیلنے خوف نے زید کو بھی سامنے دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا عین وقت پر بچت ہو گئی تھی وہ سورج کبھی کے لائن سے گئے ہوئے فدا اور پودوں کی سمت کھڑا تھا۔ جہاں سے وہ باہر دیکھ سکتا تھا دوسری سمت سے کسی کے دیکھ لینے کا ختام نہ تھا وہ غیر محسوس طریقے سے مزید دور ہو گیا تھا۔

”ارے بی بی..... یہاں سے ہمیشہ کے لیے جانے میں تمہارے پاس صرف ایک ہفتہ باقی ہے اور گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی ہے اور تمہاری یہ مزرعت ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔“ عمران قریب پہنچ کر اپنے مخصوص لہجے میں گویا ہوئیں سودہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا زید کچھ فاصلے پر پودوں کی اوٹ میں موجود تھا اور اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھتی تو قیامت کھڑی ہو سکتی تھی۔

”میں تم سے مخاطب ہوں کیا کر رہی ہو یہاں؟“

”وہ..... وہ میں نے موسم اچھا دیکھا تو لان میں آگئی تھی۔“ ان کی گھورتی نگاہوں نے گڑ بڑا کر رکھ دیا تھا۔

”موسم اچھا دیکھا تو لان میں آگئی تھی..... ہونہ اب یہاں سے جاری ہو اس رہائش گاہ کو معاف کر دو تمہاری ماں بھی شادی سے قبل اسی طرح ہر شے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی اور نتیجہ کیا ہوا اس حسرت و نیت خرابی کا کہ شادی کے صرف ڈیڑھ سال بعد ہی ہمیشہ کے لیے خود تو آبی ساتھ تمہارا بوجھ بھی اٹھالائی تھی۔“ ماں کی اس چھوٹی سوچ پر زید کی نگاہیں زمین پر گڑھ کر رہ گئی تھیں اگر سودہ کی رسوائی کا خوف نہ ہوتا تو وہ یوں چور بن کر کھڑا نہ ہوتا کہ وہ ان کی تنگ نظری و تنگ دستی سے واقف تھا اگر انہیں یہاں اس کی موجودگی کا علم ہو جاتا تو وہ ابھی مہمانوں کے سامنے سودہ کا تماشہ

بنانے میں دیر لگاتیں جس طرح ابھی دل کی بھڑاس نکالنے میں مگن تھیں۔
 ”نیت اچھی لے کر جاؤ تاکہ ہمیں اپنی ماں کی طرح کوئی تحفہ ساتھ لانے کی ضرورت نہ پیش آئے“ چلو اندر جاؤ یہاں سے۔“ وہ نگوشت سے کبھی ہوئیں آگے بڑھ گئیں۔ جہاں ڈرائیور ان کا منتظر کھڑا تھا۔
 سودہ ان کے جاتے ہی تقریباً بھاگتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی اس نے مڑ کر شرمندہ کھڑے زید کو بھی نہ دیکھا تھا۔



”کتنا کمینہ عورت میرے گھر تک پہنچ گئی مجھے دھماکا لگ رہا ہے یہ سب اس نمک حرام سراج کی سازش ہے میرے منع کرنے کے باوجود وہ برکھا کو یہاں لے آیا تاکہ اسے اس کا پیسہ مل جائے لیکن میں بھی اپنے نام کی ایک ہوں ایک مکہ بھی دے دوں تو اپنا نام بدل لوں گی۔“ برکھا اور سراج کے جانے کے بعد اندر آ کر جہاں آ رہا تھا بڑا بڑا رہی تھیں۔
 ”روشن تیرا بیڑہ غرق ہو جائے“ تو مر جائے تیری خوشیوں کو آگ لگ جائے“ جس طرح تو مجھے برا دکر کے گئی ہے اسی طرح تو مجھے برا د ہو جائے“ خود وہاں مڑے سے زندگی گزار رہی ہے اور یہاں مجھے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے پر مجبور کر رہی ہے۔۔۔۔۔ آج یہ نوبت آ گئی ہے کہ وہ دیکھنے کے لوگ مجھے دھماکا رہے ہیں سچ سمجھ رہے ہیں۔۔۔۔۔ کل تک جن لوگوں کی جرأت نہ تھی میرے سامنے کھڑے ہونے کی وہ مجھ سے مقابلہ کر رہے ہیں۔“ برکھا اور سراج کے گٹھ جوڑنے جہاں آ رہا تھا کوشش میں ڈال دیا تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ اس وقت وہ تنہا اور کمزور ہو گئی تھیں لاکھ بکڑے تیوروں سے اپنی طاقت اور بہادری ثابت کرتی مگر اس امر سے بھی بخوبی واقف تھیں کہ وہ تنہا بے بس ولا چار ہو گئی ہیں برکھا ایک بڑا گروہ لے کر چلی تھی اور چچی اڑان تھی اس کی جب کہ ان کا کوئی مددگار بھی نہ تھا دوپہر شام میں ڈھلنے والی تھی اور شام میں اس نے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔۔۔۔۔ ملنے کا مقصد تھا برکھا کو انشراح کی ہوائی جواب ناممکن تھا۔

انہوں نے انشراح کا سودا اس وقت برکھا سے کیا تھا جب وہ اپنے ناجائز وجود کا سن کر حواسوں سے بیگانہ ہو گئی تھی اسے اپنی کوئی خبر اور ہوش نہ تھا وہ محض سانس لیتا مجسمہ بن کر رہ گئی تھی اور اب وہ پوری طرح سے زندگی کی طرف لٹ آئی تھی۔

”کیا کروں۔۔۔۔۔ کیا کریں کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟ وقت ہرن کی طرح قلائعیں بھرتا آگے بھاگے جا رہا ہے اگر مجھے شام سے رات ہوئی تو وہ توہرہ برکھا کو لے کر پھر آ جائے گا اور آ کر خالی ہاتھ جانا آسان نہ ہوگا ان کا۔“ بانی اپنے کمرے سے نکلی اور انہیں پریشانی میں مبتلا دیکھ کر پوچھا۔

”مامی۔۔۔۔۔ خیر تو ہے یہ تنہا کس سے باتیں کر رہی ہو؟“

”کس سے باتیں کروں کون دکھائی دے رہا ہے یہاں تجھے؟“

”جب ہی تو پوچھ رہی ہوں یہاں کوئی ہے بھی نہیں اور تم اکیلی باتیں کر رہی ہو۔“ بانی کو وہ ایک عرصے بعد پریشان و متشکر نظر آتی تھیں۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے جائے لائیں اتنی دیر میں تیار ہو کر آتی ہوں سبز بیک کے ہاں پارٹی میں جاتا ہے۔“

”روز پارٹیوں میں جاتی ہو ماما دل نہیں بھرتا تمہارا؟“

”کیوں بھرے میرا دل میں کوئی مردہ دل تھوڑی ہوں تیری طرح“ میں نے ہر عمر میں لائف انجوائے کرنا سیکھی ہے اور یہی زندگی ہے۔“ وہ سوچ چکی تھیں برکھا سے کس طرح بات کرنی ہے۔

”تمہارے اللہ اللہ کرنے کے دن ہیں انجوائے کرنے کی عمر ختم ہو گئی ہے۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی بانی کی زبان پھسل گئی تھی۔

”اور تیری جوتے کھانے کی عمر ہے حرافہ ابھی بھی تیرے برابر میں کھڑی ہوتی ہوں تو تیری چھوٹی بہن لگتی ہوں۔“ غضب کی خود اعتمادی تھی۔

”پھر میرے ساتھ نہ چلا کرو ماما کہیں لوگ رشتہ دینا نہ شروع کر دیں۔“ بانی نے ہنستے ہوئے کہا جو اب جہاں آ رہا ہے

پاؤں میں پہنی چپل کھینچ ماری تھی۔



گوٹے اور ستاروں سے مزین خوب صورت فرماک دوپٹہ اور پانچواں بیڈر پھیلا ہوا تھا ساتھ ہی گوٹے کی چوہری سیٹ اور چوڑیاں رکھی تھیں ابھی بار بار ان چیزوں کو اٹھا کر ستا شکی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ چندا بھی ماں کی طرح گردن اٹھائے سوٹ کو جانچ رہی تھی۔

”دیکھنا کیسی واہ واہ ہوگی کتنا شاندار سوٹ ہے کون لے کر جاتا ہے اتنا قیمتی سوٹ یہ تو سودہ کی خوش قسمتی ہے جسے ہم جیسا سرال ملا ہے۔“

”ممائی نے تیار نہ کروالیا ہو سودہ کا مایوں کا سوٹ اگر ایسا ہوا تو ہمارا سوٹ بیکار جائے گا۔“ چندا نے میکرونی کھاتے ہوئے اعلیٰ شہ ظاہر کیا۔

”وہ ایک چھوڑ دس سوٹ بنوائے مگر سودہ تو میرا بنایا ہوا ہی سوٹ پہنے گی میری بات رو کرنے کی کس میں ہمت ہے بھل؟“ وہ بیڈر پر ہی بیٹھ کر انہیں معا پیارے وہاں آیا۔

”ارے کیا ہوا بیٹا؟ تمہارے منہ پر یہ بارہ کیوں بن کر ہے؟“ وہ انہیں پریشان و متشکر نظر آیا۔

”وہ دہی سے بار بار کال آ رہی ہے مجھے وہاں فوراً پہنچنے کی تاکید کی جا رہی ہے۔“

”دہی سے کال آ رہی ہے۔۔۔۔۔ دلیح دور کر اسے تو اس منگوں سے خوفزدہ کیوں رہتا ہے حد ہوتی ہے بزدلی کی بھی۔“ انہوں نے اپنے لاپرواہ انداز میں تسلی و حوصلہ دیا۔

”مامی۔۔۔۔۔ وہ میرے پاس۔۔۔۔۔!“

”بھائی میں مجھے سب یہ دیکھ سودہ کی مایوں کا سوٹ کیسا لگ رہا ہے؟ پورا مال چھان کر لائی ہوں سب سے خوب صورت اور فینسی ہے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ۔۔۔۔۔ سودہ کا سوٹ ہے؟“ سودہ کے نام پر اس کا بچا ہوا چہرہ کھل اٹھا فوراً آگے بڑھ کر سوٹ دیکھنے لگا۔

”یہ سوٹ سودہ مایوں پر زیب تن کرے گی مئی؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ آج تک کسی نے یہ کمر نہیں پہنا مایوں پر میری بہو سب میں الگ اور پیاری لگے گی۔“ وہ پان چپاتے ہوئے کر دفر سے گویا ہوئیں۔

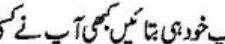
”بہت عجیب چوائس ہے مئی آپ کی آج تک کسی نے بھی یہ کمر مایوں پر نہیں زیب تن کیا ہوگا“ آپ نکاح سے قبل ہی سودہ کو بیوہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔“ وہ اسٹ کلر کا ڈریس اسے ڈرانہ بھایا۔

”لو بھئی۔۔۔۔۔ مئی صبح سے لگی سارا دن خوار کر کے یہ سب لائی ہیں اور جب سے لائی ہیں دیکھ دیکھ کر پھولے نہیں ساری اور آپ نے بناء کی لحاظ و مروت کے رجحان کر دیا۔“ چندا کو بھائی کی سودہ کے لیے وارنٹی یا کلر پسند نہ تھی سو مل کر بولی۔

”تھک کمر رہی ہے چندا۔۔۔۔۔ پورے شاہنشاہ مال میں اوپر نیچے چکر لگا لگا کر میری ٹانگیں اکڑ کر رہ گئی“ خوب چھان چھان کر کے پسند کیا اور تم ہو کہ باتیں سنا رہے ہو وہ ہی بات ہے کہ بہوئیں خوا خواہ ہی بدنام ہوتی ہیں آج کل بیٹے ہی ہاتھوں سے نکلے ہوئے ہیں۔“ انہیں بھی برائمانی تھی پیارے میاں نے ماں اور بہن کے گڑے ہوئے موڈ دیکھے اور پھر لچا جت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

”میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا آپ خود ہی بتائیں کبھی آپ نے کسی کو مایوں پر اس طرح وہائٹ سوٹ میں دیکھا ہے؟“

”نہیں دیکھا تب ہی تو یہ کلر لائی ہوں تاکہ میری بہو سب سے جدا لگے۔“



ساریہ کے والدین ورلڈ وور کے بعد واپس آ گئے تھے۔ اس کے والد تنویر اور ماں شمرہ کی دلی خواہش تھی کہ نوزل اور

ساریہ کو شادی کے بندھن میں بندھے دیکھیں اور پھر وہ اسی مقصد کے تحت تو اسے یہاں چھوڑ کر گئے تھے۔ ساریہ نوفل کو اپنی محبت سے اسیر کر لے گی، بیٹی کے سن و فہانت پر انہیں از حد یقین تھا لیکن نوفل کی سرد مہری و انکار نے ان کے خوابوں کو آگ لگا دی تھی۔ ساریہ ماں کو ہر بات سے آگاہ رکھے ہوئے تھی اور ساریہ کا ایک بار بار بے تحاشہ ہونا تنویر اور شمرہ کو سخت برا لگا تھا۔ انہوں نے آتے ہی سب سے پہلے یوسف صاحب سے گلہ کیا۔

”اتنے روشن خیال اور سمجھ دار ہونے کے باوجود آپ مجھ سے کس طرح یہ توقع کر سکتے ہیں کہ میں نوفل کو پریشاں کروں ساریہ سے شادی کے لیے؟“ یوسف صاحب نے ان کے اصرار پر حیرانی سے کہا۔

”آپ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں بھائی صاحب، نوفل آپ کی بات مان لیں نہیں سکتے۔“ شمرہ منہ بنا کر گویا ہوئیں۔ وہ اس وقت سنگ روم میں بیٹھی تھیں ساریہ بھی وہاں موجود تھی اور زرقا بیگم یوسف صاحب کے قریب کچھ شکر انداز میں بیٹھی تھیں، سینئر ٹیبل پر سوئٹ ڈرنک کے علاوہ دیگر لوازمات موجود تھے مگر انہوں نے پانی تک پینے سے انکار کر دیا تھا اصرار کے باوجود کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

”بھائی..... آپ کی بات درست ہے نوفل میری بات سے انکار نہیں کرتا میرے اور زرقا کے ہونٹوں سے نکلنے والی ہر بات اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے..... مگر شادی ایک ایسا تعلق اور رشتہ ہے جو دل اور مرضی کا تابع ہوتا ہے ہم کس طرح سے اسے فورس کر سکتے ہیں؟ ایسے بندھن کو باندھنے کے لیے جس میں اس کی خوشی و مرضی شامل نہ ہو۔“

”اگر ساریہ کی جگہ آپ کی کوئی بیٹی ہوتی تو پھر بھی آپ یہی دلیل دیتے؟“

”میری بیٹی.....“ ان کے دل کے زخم کو پھر چیرہ لگا تھا۔

”ہاں ہاں..... آپ کی بیٹی ہوتی تو پھر بھی آپ نوفل کی مرضی و خوشی کو ہی ملحوظ خاطر رکھتے، ذرا اپنی نہ چلاتے اسے فورس نہ کرتے؟“ تنویر نے بھی بوی کا ساتھ دیتے ہوئے سوال کیا۔

”ساریہ ہماری بیٹی ہیں ہے جو فیصلہ ساریہ کے لیے ہوا ہے وہ ہی فیصلہ جب بھی ہوتا، زبردستی بیٹیاں مسلط نہیں کی جاتیں کسی پر بھی۔“

”میری انا کا مسئلہ ہے اب تو..... اگر نوفل نے میری بیٹی سے شادی نہیں کی تو وہ پھر کسی اور سے بھی شادی کرنے لائق نہیں رہے گا۔“ کسی طوفان کی مانند وہ پھرے تھے اور اس طرف آتا نوفل ان کی دھمکی سن چکا تھا۔

”کیا کریں گے آپ؟“ وہ دھمکے دوسرے لہجے میں گویا ہوا۔

اسے دیکھ کر ساریہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی چہرے کے رنگ شمرہ اور تنویر کے بھی اڑے تھے، مگر یوسف صاحب اور زرقا بیگم کی موجودگی ان کے لیے ڈھارس بن گئی تھی وہ اسی طرح اکڑی گردن سے بولے۔

”تم نے میری بیٹی کی محبت کی اسلٹ کی؟ اسے ٹھکرایا شادی سے انکار کر کے، تمہیں کیا معلوم بیٹی کے ٹھکرائے جانے کی تذلیل کتنی شدید ہوتی ہے تمہاری کوئی بہن ہوتی نہ پھر تمہیں اس درد کا احساس ہوتا جس تکلیف سے تم نے ہمیں اور ہماری بیٹی کو دوچار کیا ہے۔“

”میں نے کب وعدے کیے تھے آپ سے اور آپ کی بیٹی سے شادی کے؟“ اس کے نرم دھمکے لہجے میں سرد مہری و ناپسندیدگی شدت سے عیاں تھی جو ان بیٹیوں کو اذیت سے دوچار کر رہی تھی زرقا بیگم نے کچھ کہنا چاہا مگر انہیں یوسف صاحب نے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کا کہا۔

دراصل یہ معاملہ شعوانہ کے حوالے سے اہمیت کا حامل تھا تنویر اور نوفل کا جو تعلق تھا وہ ماموں اور بھانجے کا تھا۔ اگر شعوانہ اچھی و باوقار عورت ہوتی تو ان کا رشتہ بہت مضبوط و خوب صورت ہوتا تھا۔

”وعدوں کی ضرورت بھی کیا تھی؟ میری بہن کے بیٹے ہو میرا پورا پورا حق ہے تم پر پھر ساریہ ایک خوب صورت و ہر لحاظ سے مکمل لڑکی ہے، میری بیٹی کو کوئی رشتوں کی کمی نہیں، ہزاروں لوگ میری بیٹی سے رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں فخر محسوس کرتے ہیں مگر.....“

خاندانی عظمت و وقار کی آڑ میں جذبات کو مجبور کر دیا داستان

کھڑکی سے کے غم اور پالنے کی خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی

خاص موضوع، اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش داستان



عشق سی مای میجہلی

مائمہ قریشی قلم سے لکھی دلکش و دل موہ لینے والی تحریر

انجیل کا ایک انوکھا ناول، لمحہ بہ لمحہ چونکہ دینے والی کہانی

بہت جلد آنچل کے صفحات پر جلو افروز ہونے والا ناول

مزید معلومات کیلئے 0300-8264242

انتباہ

گنجلک سے افق حجاب

ان تمام ویب سائٹس، بلاگ کے مالکان اور سوشل میڈیا پروگروپس و میمبرز کے مالکان و ایڈمنز کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دس دن کے اندر اندر آٹھل و حجاب اور نئے افق کی تمام تحاریر اپنے ویب سائٹس، میمبرز اور پروپس سے ہٹالیں ورنہ ادارہ نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز ان تمام گروپس اور ویب سائٹس، میمبرز کے لیے قانونی چارہ جوئی کرنے کا نا صرف حق رکھتا ہے بلکہ مطلوبہ نوٹس کے بعد ان ویب سائٹس کے خلاف دی گئی مدت کے بعد ایف آئی اے، سائبر کرائم اور کانپرائس کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کی جاسکتی ہے جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جن ویب سائٹس کو پیشگی اجازت دی گئی تھی ان سے التماس ہے کہ وہ فوری ادارے سے رابطہ کریں تاکہ نئے قواعد و ضوابط سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

7 فرید چیمبر عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی

رابطہ: 03008264242

”مگر ہم چاہتے ہیں شعوانہ کی بے عقلی کی وجہ سے جو ہمارے خاندانوں میں طغج حاکم ہوئی ہے اس طغج کو ساری یہاں کی بہو بن کر دور کر دے۔“ خاوند کی بات کاٹ کر شمر نے بات سنبھالی۔

”بس..... کیا کریں شعوانہ سے بھی بے عقلی ہو گئی تھی۔“
”بے عقلی نہیں بد چلتی، کہیں بد کردار اور بے حیا نہیں۔“ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی چمک اٹھی تھی۔
”گنڈ..... ویری گنڈ۔“ تنویر نے طنز آتا لیاں بجاائیں۔

”بد چلن..... بد کردار..... بے حیا..... جس عورت کو تھہر رہے ہو وہ بد قسمتی سے تمہاری ماں ہے..... ایک ایسی عورت کی اولاد کھلا کر تم خود کو کس بناء پر نیک و شریف دبا کر دار ثابت کرنا چاہتے ہو؟“

”تنویر بھائی..... آپ مہمان بن کر آئے ہیں اور آداب میزبانی نے میرا دامن تھما ہوا ہے میں نہیں جانتا آپ کی کڑوی باتیں مجھے لحاظ و مروت سے بے بہرہ کر دیں اور میں وہ کرشمے جو ہمارے درمیان نئے تنازعات کو جنم دے بہتر ہو گا محض و بردباری کا مظاہرہ کریں۔“ خاصی دیر سے صبر و برداشت کا دامن تھامے یوسف صاحب کھڑے ہو کر گویا ہوئے ان کے ساتھ ہی سب کھڑے ہو گئے تھے۔

”ارے کیسا نکل کیسی بر بادی اس لڑکے نے میرا مانع خراب کر دیا ہے کیسی باتیں کر رہا ہے اپنی ماں کے حوالے سے کوئی بیٹا اس قدر بے غیرت بھی ہو سکتا ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“ وہ بات کو طول دینے کی ٹھان چکے تھے سو کف اڑاتے ہوئے بولے۔

”بھائی صاحب..... جب ماں بے غیرتی و بے شرمی کو شعار بنا کر بیٹے کی موجودگی میں بھی ناجائز تعلقات قائم رکھے تو کون غیرت مند بیٹا ایسی عورت کو ماں کہے گا؟ کس طرح وہ عزت کرے گا؟“ زرقا بیگم بھی نفل پر بے جواز حملے برداشت نہیں کر سکیں۔ ”آپ لوگ ابھی اور اسی وقت تشریف لے جاسکتے ہیں میں اپنے لوگوں کو کچھ بھر برداشت نہیں کروں گی جو میرے بیٹے پر بلا وجہ اٹکی اٹھائیں۔“ زرقا بیگم نے سخت لہجے میں ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نفل کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے پڑو قار انداز میں چلی گئیں۔

”ڈیڈی..... میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔“ ان کے جاتے ہی ساریہ روتے ہوئے ضدی انداز میں گویا ہوئی۔
”ساریہ..... بی بی بریو یہ بات تو پھر کی لکیر بن گئی ہے اگر وہ بد بخت تمہارا نہیں ہے تو پھر کسی کا بھی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے ہری اپ۔“ وہ تینوں وہاں سے نکل گئے وہاں تھما کھڑے یوسف صاحب سوچ رہے تھے۔ مگر مہ نے ایک غلط عورت کا انتخاب کیا تھا اور اس غلط عورت کی غلطیاں نسلوں کو کھینچتی تھیں۔

”سونا بیس آف یو..... آپ نے ماندہ کی سیکنڈ ہند کو ایکسیپٹ کر کے اپنے گریٹ ہونے کا ثبوت دیا ہے ہر کوئی آپ کی طرح پورا لائٹ نہیں ہوتا ہے نا۔“ جنید کی نگاہوں اور لہجے میں سناٹا تو صاف ہی عمران اور زید شادی کا انوشیزا دینے وہاں آئے تھے اور زید نے ہی اپنے تلے انداز میں صالہ کی آمد کا بتایا تھا جس کو کون کر جنید اور اس کی داوی خاموش تھے۔
”ریٹیک عمران..... آپ نے بہت کھلے دل و اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے میں آپ کی اعلیٰ ظرفی سے بے حد متاثر ہوئی ہوں عورت اگر اپنی انا و جذبات پر دسترس حاصل کر لے تو عزت و توقیر کی معراج حاصل کر لیتی ہے اور عورت کی الہیت ثابت ہی یہاں ہوتی ہے۔“

جنید کی وادی نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے کہا ”عمرانہ جو اب خاموش رہیں ہونے والے داماد اور وادی کے تعریفی و ستائشی جملوں نے ان کے اندر فخر و انبساط پیدا کر دیا تھا۔
”ماندہ کی باتیں بالکل صحیح ثابت ہو رہی ہیں ابھی وہ چڑیل گھر آئی بھی نہیں اور میری واہ واہ ہونے لگی ہے بعد میں مزید مجھے سراہا جائے گا اور پھر میں عروہ کو بتاؤں گی کہ میں کتنے بڑے دل کی مالک ہوں۔“ وہ تصور میں عروہ کی اتری ہوئی صورت سے مخاطب تھیں جب کہ وادی ان کے خیالوں سے بے خبر کھ رہی تھیں۔

”میں جانتی ہوں ایک عورت کے لیے سو کن کا دکھ کتنا بڑا ہوتا ہے پل میں مرنا اور پل میں جینا ہوتا ہے آپ ایک کڑے امتحان سے گزری ہیں۔“

”جی ہاں آنٹی..... بچوں کی خاطر سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے مرد کے لیے آسان ہوتا ہے دوسری بیوی لانا اور عورت جب ماں بنتی ہے پھر بس ماں ہی بن کر رہ جاتی ہے اپنے بچوں کے علاوہ پھر کہاں جا سکتی ہے۔“ مینی کا سر اسل تھا اس بڑا کت کو جانتے ہوئے انہوں نے بھی مجرم قائم رکھنے کی خاطر سب کچھ ہونے پر وقار سمجھ میں کہا۔

”عورت کو ماں کا درد دے کر اس کے قدموں کے نیچے جنت اسی لیے تو رکھی گئی ہے کہ ماں سے بڑھ کر اولاد کی خیر خواہی میں کہیں باپ بھی زیادتی کر جاتے ہیں۔“ دونوں خواتین گفتگو میں مصروف تھیں جنہیں ملازمہ کو چائے اور اسٹیکس تیار کر کے لانے کی ہدایت کرنے گیا تو زیادتی سے آنے والی کال سننے باہر لان میں چلا آیا جنید بھی وہیں آ گیا تھا۔

”بہت بدلے ہوئے اور خاصہ کمزور دکھائی دے رہے ہو خیریت تو رہی ناں آنٹی میں تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ حسب عادت وہ اس کے چہرے کا بخور جائزہ لینے کے بعد شکرا انداز میں گویا ہوا۔

”ٹھیک ہوں کیا ہو گا مجھے؟“ اس نے سرد مہری سے کہا۔

”میری دعا ہے تمہیں کبھی کچھ نہ ہو۔“ اس کے روڈ لہجے نے جنید کو کچھ لمحے خاموش کر دیا تھا لیکن وہ جنید ہی کیا جو خاموش رہ جائے۔

”تم نے معاف نہیں کیا ابھی تک مجھے حالانکہ میں نے قسم کھائی ہے کہ ماندہ کے بعد کوئی اور لڑکی میری زندگی میں نہیں آئے گی اب تم ہی بتاؤ میں کس طرح تمہیں یقین دلاؤں بتاؤں کہ تم پہلے کی طرح مجھ سے محبت کرنے لگو۔“

”معافی اور شکلی کا کیا سوال ہے جنید..... جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے۔“

”جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا اس طرح ہمارے درمیان فاصلے نہ آتے ہم دوست بن کر انجینی نہ بنے ہوتے میں بے حد شرمندہ ہوں میں ایسا چاہتا نہیں تھا پھر بھی نہ جانے کس طرح یہ سب ہو گیا۔“ زید نے اس کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر شرمندگی و ندامت اس کی سچائی کی گواہ تھی اس وقت وہ پہلے والے جنید سے بہت مختلف و جدا دکھائی دے رہا تھا۔

رجیدہ ذمہ دار قابل اعتبار۔

”پلیز صاف کر لو دل میری طرف سے تمہارے بغیر زندگی دوستی کے رنگ سے خالی ہو گئی ہے میری طرف سے تمہیں کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ زید بخوبی جانتا تھا کہ اس معاملے میں تنہا جنید کی ہی نہیں ماندہ کی بھی مرضی شامل تھی۔ خود اس کے انکار پر اس نے سنا تھا وہی سے اس کے رشتے پر حامی بھروانے کی خاطر دمکی آمیر ضد کر رہی تھی۔

اس کے ساتھ وہ بھی برابر کی شریک تھی کچھ عرصہ ناراضگی کے بعد وہ ماندہ کو معاف کر چکا تھا تو پھر جنید کو کس بناء پر مسلسل سزا دے رہا ہے؟ اگر اس نے قدم بڑھایا ہے تو پیچھے ماندہ بھی نہیں ہٹی تھی۔

”یہ سچ ہے میرے احوال تمہاری طرف سے بدگمانیوں و کیدیوں کی کثافت سے اٹا ہوا ہے تم نے کندھ چری سے میری دوستی و اعتبار کو گھٹال کیا ہے مگر میں جانتا ہوں اس چہری پر صرف تمہارا ہی اٹھ نہ تھا..... ساتھ میں ماندہ بھی شامل تھی..... اگر وہ شامل نہ ہوتی تو آج ہم دونوں میں سے ایک زندہ نہ ہوتا میں تمہیں مار دیتا یا تم مجھے۔“ ایک عرصے بعد اس کے لبوں پر ایسی روشن مسکراہٹ ابھری تھی کہ جس کی روشنی جنید کے قلب کو منور کرنی چلی گئی تھی۔



”آنٹی..... تم نے نوٹ کیا ہے ماسی ان دنوں کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہی ہیں واضح میں کو بھی ہدایت دے رکھی ہے کہ کسی غیر متعلقہ فرد کو گیت پر گاڑی بھی پارک کرنے نہ دے۔“ بانی اس کے بالوں میں برش کرنی ہوئی گویا ہوئی اس کے لہجے میں غلو بے چینی تھی جب کہ اشرا حطمینان سے گویا ہوئی۔

”بھٹو اکریا ہو گا پھر کسی سے نا نو کی عادت تم جانتی ہو جب تک کسی سے لڑ نہ لیں انہیں سکون کہاں ملتا ہے تم فکر مت کرو۔“

”بات فکر کرنے کی ہے آنٹی ماسی کو اتنا پریشان میں نے اس وقت بھی نہیں دیکھا تھا جب تم ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ اب ان کی پریشانی کا کیا راز ہے لیکن کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔“

”ایسی بات ہے تو تم نے ان سے پوچھا کیوں نہیں تم سے وہ کوئی بات نہیں چھپاتیں پوچھ کر دیکھ لو کیا مسئلہ ہے؟ میں خود عاکفہ اور بابر بھائی کے جانے سے فکر مند ہوں ان کی غیر موجودگی میں نوافل سے ملاقات کی کوئی لائن ہی نہیں مل رہی اور اس سے نہ ملنے کا مطلب ہے انتقام کو خواب سمجھ کر بھول جاؤں۔“ وہ آج کل اس پریشانی میں مبتلا تھی پل میں تو لہ پل میں ماشہ بننے والا وہ شخص بدلے کی آگ سے دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

”انتقام صرف تمہیں اس سے ملنے ہوئے ہو گیا ہے اور ابھی تک تم دونوں کے تعلقات اس قدر مضبوط نہیں ہوئے کہ ایک دوسرے سے ملنے کے لیے کسی کا سہارا لینا ضروری ہے؟“ وہ اس کے بال باندھ کر سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

”بتایا تو تھا تمہیں کہ وہ بہت عجیب آدمی ہے سیدھا چلتے چلتے پٹری سے اتر جاتا ہے گزرتے کے معاملے میں بے حد سخت دل ہے یہ تم جانتی ہو۔“ وہ صوفہ پر نیم دراز ہو گئی۔

”وہ لڑکیوں کے معاملے میں اتنے مشرل کیوں ہیں..... کیا کسی نے محبت میں دھوکا دیا ہے انہیں عموماً لڑکے ایک لڑکی کی بے وفائی کا بدلہ دوسری لڑکیوں سے لینا ناہاق سمجھتے ہیں۔“

”آئی ڈونٹ نو..... شاید ایسا ہو سکتا ہے یا کوئی اور معاملہ ہے عاکفہ بتا رہی تھی اس کا کوئی فیملی میٹر ہے اس کے پیرنٹس کے مابین کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ تھی یا کسی اور ہی افیئر نے اس بندے کو آدھا بنیر بنا دیا ہے کبھی سوچی کا حل وہ ثابت ہوتا ہے کبھی سوہن کا۔“

”ہا ہا..... حلوں کی بھی خوب کبھی تم نے واہ.....“ وہ ہنس دی تھی۔

”وہ تو حل وہ ہے تمہارے لیے اور تم اس کے لیے کیا ثابت ہوگی؟“

”اس کے حلق میں پھنسی بڑی جو اس کی جان لے کر چھوڑے گی۔“ اس کی مسکراہٹ اتنی خوفناک تھی کہ وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

”ایسی باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتی آنٹی۔“

”ضروری نہیں ہے منہ ہر بات سے اچھی ہی نکالے اچھی باتیں اچھے لوگوں کے لیے اور بری باتیں برے لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔“

”کسی کی برائی کی سزا کسی بے قصور کو دینا ظلم و بے رحمی ہے۔“

”تم یہ بات کہہ سکتی ہو بلکہ ہر کوئی یہ بات کہہ سکتا ہے جو میری طرح اس آگ میں جل نہیں رہا..... کیونکہ دوسروں کو نصیحت کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔“ وہ اپنی ذات کی لٹی کیے جانے کی تکلیف میں مبتلا تھی۔

”تمہارا اور میرا دکھ ایک سا ہے میرے نا کا وہ جو دو کو کچھ کچھ پرے پر ہی چھینک دیا گیا اور میں اپنے پیدا کرنے والوں سے ناواقف ہوں تم اس معاملے میں خوش نصیب ہو کہ تمہیں اپنی جڑوں کی خبر ہے۔“ بانی بھی روکے جانے کا درد لے کر جی رہی تھی۔

”خوش نصیب ہوں..... لعنت بھیجتی ہوں میں ایسی خوش نصیبی پر جو ہر وقت رد کیے جانے کے دکھ میں مبتلا رکھے انسان کو جو نہ سکون سے جی سکے نہ مر سکے۔“ اس کے خوب صورت چہرے پر کبیدگی بھی بانی نے اس کی طرف دیکھا اور سرد آہ بھری۔ اس کا حزان بالکل بدل گیا تھا۔

”آگہی ایک اذیت ہے..... ایک کرب مسلسل ہے جو اس کا دکھار دیتا ہے وہ مرغ بیل کی مانند تڑپتا رہتا ہے۔“

”تم نا تو سے معلوم کرو کیا راز ہم ہے ان کو مجھے تو وہ بھی نہیں بتائیں گی کچھ بھی۔“ اشرا حطمینان سے گویا ہوئی۔

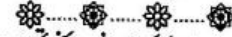
”ماس ہوا تو وہ نرمی سے گویا ہوئی۔“

”ابھی وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہی تھیں اب تو چلی گئی ہوں گی میرا موڈ جائے گا ہے تمہارے لیے بھی لاؤں؟“

بالی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ہوں عاکفہ نے مجھے بھی چائے کی لت لگا دی ہے لے ڈمیرے لیے بھی۔“

”اچھا ہے کوئی تو اچھی عادت عاکفہ نے ڈالی میں تو کہتی ہوں اس کی طرح ہی تمہیں بھی کسی سے محبت ہو جائے اور تمہیں معلوم ہو زندگی فضول بدلے کی نذر کرنا حماقت ہے۔“



برکھا کے تیور بری طرح بگڑے ہوئے تھے جہاں آرا ابھی تک نہیں پہنچی تھی وقت کی پابندی میں دونوں ہی یکساں تھیں گھڑی کی سوئیاں اپنے مقام پر پہنچنے میں سست ہو چکی تھیں مگر وہ وقت پر ہی پہنچنے کی عادی تھیں۔

”ارے میڈم..... بار بار گھڑیال کو کیا دیکھ رہی ہو جہاں آرا اس گھڑیال سے برا بد گھڑی ہوگی وہ گھڑیال کی ٹن ٹن نہیں ہے جیتی جاتی کھاگ بڑھیا ہے۔“ سراج نے بے تابی سے بار بار وال کلاک کو گھومتی برکھا سے منس کر کہا۔

”میں جانتی ہوں وہ وقت کی بہت پابند ہے اور اپنی کبھی بات سے بھی کمرتی نہیں مگر اس وقت اس کے نہ آنے کا مطلب کیا ہے؟“

”وہ دن بیت گئے میڈم جب جہاں آرا کا طوطی ہر جگہ بولتا تھا تب وہ وقت کی بھی پابند تھی اور زبان کی بھی پکی اب اس کے تھار خانے میں الگ ہی نہیں بولتے وہ وعدے کرنے اور نبھانے کے لائق نہیں رہی۔“ سراج نے دیا سلائی دکھائی اور برکھا پہلے ہی ہنس بنی ہوئی تھی۔

”میں اسے وعدہ خلائی کا مزہ ایسا چکھاؤں گی کہ مرنے کے بعد بھی یاد رکھے گی۔“

”کبھی ٹیڑھی انگلیوں سے بھی نہیں نکلے گا میری مانو تو ذبیہ ہی کاٹ ڈالو کیوں انگلیاں خراب کرتی ہو۔“ اس کے لہجے میں معنی خیزی تھی۔

”سراج کھٹے..... تجھ تک حرام سے ایسی ہی لگاتی بھائی کی امید تھی تو جس تھالی میں کھاتا ہے اسی میں تھوکتا ہے بذات۔“ جہاں آرا اس کی باتیں سنتی آ رہی تھیں اندر آ کر اس سے بگڑے لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

”تہا آئی ہو؟“ برکھا حیرانی سے اس کی طرف دیکھ کر استفسار کرنے لگی۔

”کیا بارات لے کر آئی؟“ ان کے لہجے میں شک کا پن تھا۔

”ہاں..... ہمارے یہاں بارات لانے کا رواج کہاں ہے تم بھول گئی ہو شاید؟“

”دیر کیسے ہوگی آ..... تم دیر کرنے والی تو نہیں ہو؟“ سراج نے پوچھا۔

”مگر اچھی کے ٹریفک کا حال تمہیں معلوم نہیں ہے لگتا ہے پوری دنیا ہی کراچی میں آ کر بس گئی ہے ایک جگہ جم کر اس ہے جو ہر وقت دکھائی دیتا ہے۔“

”ٹھیک کہہ رہی ہو جہاں آرا یہاں دن و رات کی کوئی قید نہیں ہے آؤ بیٹھو نہ کھڑے کھڑے کیا باتیں کرو گی۔“ برکھا کا موڈ درست ہو گیا تھا۔

”میں بیٹھنے نہیں آئی تمہاری رقم واپس کرنے آئی ہوں رقم لو اور میری جان چھوڑو۔“ وہ بیک کھولتی ہوئیں غصے سے گویا ہوئیں۔

”ارے یہ میں کیساں رہا ہوں؟ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا آبا اور رقم کی واپسی اللہ اللہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ سراج مارے حیرت کے دونوں ہاتھوں سے اپنے گال پیٹنے لگا۔

”چپ کر جا سراج اور تم بھی بیک بند کرو مجھے دم نہیں لڑی چاہیے۔“ برکھا نے سراج کو ڈپٹ کر ان سے سنجیدگی سے کہا۔

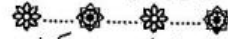
”لڑکی ملنا اب ممکن نہیں۔“ ان کے لہجے میں سختی درآئی تھی۔

”ہا ممکن لفظ میری زندگی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔“

”پہلے نہیں رکھتا ہوگا.....“ ان کا تحفہ بے قابو ہوا۔

”بات کو مت الجھاؤ یہ رقم چھوڑ دو اور کسی دوسری لڑکی کا بندوبست کر لو۔“

”کسی دوسری و تیسری لڑکی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا“ میں اس لڑکی کی خاطر یہاں آئی ہوں سراج نے اس کی خوب صورتی اور خوب حسن کے ایسے خواب دکھائے ہیں کہ میں اب اس کے حصول سے دستبردار ہونے والی نہیں ہوں میں تمہیں کچھ ٹائم دے رہی ہوں اپنی مرضی سے انشراح کو یہاں چھوڑ جاؤ بس۔“



ساریہ اور اس کے والدین ہول آ گئے تھے۔ تو یہ ایک کینہ پرور اور کم ظرف ذہنیت کے مالک انسان تھے نونل کے انکار کو انہوں نے اپنی بے عزتی وانا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ ساریہ نے بھی رو رو کر اپنا حال برا کر لیا تھا وہ کسی بھی طرح نونل کو بھولنے کو تیار نہ تھی اور نہ ہی وہ یہاں سے جانے کو راضی تھی۔ غمزدہ اور تنویر اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے۔ پردہ کسی کی سننے کو تیار نہ تھی۔

لاریب کو جب ان کے جانے کی خبر ملی تو وہ ساریہ کو کال کر کے ہونٹ چلا آیا اور جہاں ان سے گفتگو کے دوران خوب نمک مرچ لگا کر ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا دراصل وہ نونل کی جانب سے دل میں بغض بھرے بیٹھا تھا اس دن سامعہ سے بدتمیزی کرتے دیکھ کر نونل نے اس کی زبردست طریقے سے کلاس لی تھی اور وہ ہی خار وہ دل میں دبائے بیٹھا تھا اب اس کے ہم مزاج لوگ مل گئے تھے۔ سوخو محفل جم گئی تھی۔

”مجھے از حد افسوس ہے نونل کی وجہ سے آپ لوگوں کو وہاں سے آنا پڑا وہ خود کو بہت کچھ سمجھنے لگا ہے گھر والوں کی نگاہوں میں اس کی بہت دیکھو سب اس کی مرضی پر چلتے ہیں جو وہ کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔“

”اب آیا ہے اونٹ پہاڑ کے نیچے کل تک میں اسے اپنا داماد دیکھ کر اس کی ہٹ دھرمی اور خاموشی کو برداشت کرتا رہا تھا مگر اب میں اس سے کوئی رعایت کرنے والا نہیں ہوں جس کی وجہ سے میری بیٹی کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں۔“ تنویر گردن اکڑا کر سخت لہجے میں گویا ہوئے۔

”بالکل..... بالکل بالکل اسے رعایت نہیں ملنی چاہیے۔“ اس کے بغض آ میز دل میں مسرت کی کرن روشن تھی۔

”لیکن..... یہ سب کرنے سے کیا ہوگا ڈیڈی؟“ ساریہ نے پوچھا۔

”اسے معلوم تو ہوگا کس کی بیٹی کا دل توڑا ہے اس نے۔“

”لیکن میرا تو پھر بھی نہیں ہوگا ناں وہ..... جب وہ میرا نہیں ہوگا تو یہ مار پیٹ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں آپ کچھ نہ کہیں نونل کو۔“ ساریہ ہیکے لہجے میں گویا ہوئی۔

”تم غلط کہہ رہی ہو ساریہ..... ایسے کھور اور بے رحم کو ایسا سبق سکھانا چاہیے کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے باہر غیر لڑکیوں سے دوستیاں کرتا ہے اور گھر میں ٹیک و شریف بن جاتا ہے۔“ ساریہ کی چٹک بالکل بھی لاریب کو نہ بھائی تھی وہ تملاکر بولا۔

”وہ بڑا بد نصیب ہے جو میری بیٹی کی محبت کو ٹھکرا گیا میری تو بد دعا ہے اسے کبھی سچی محبت نہ ملے جس طرح میری بیٹی اس کی چاہت میں پھل ہو رہی ہے وہ بھی اسی طرح کسی کی محبت میں دیوانہ ہو کر مرے۔“ شمرہ بیٹی کی حالت دیکھ کر ہاہل عورتوں کی طرح کونٹوں پر آئیں۔

”مرے گا وہ..... تم دیکھنا کیا حال کرتا ہوں میں اس کا میری شرافت دیکھی ہے اس نے ابھی میری بد معاشی سے وہ واقف ہی نہیں ہے۔“ تنویر اپنی سوتھی ولبی مونچھوں کو تڑپتے ہوئے غرائے۔

”ایسا نہ کہیں ڈیڈی..... وہ مر گیا تو زندہ میں بھی نہیں رہوں گی۔“ ساریہ نے تڑپ کر باپ کے شانے پر ہاتھ رکھتے کہا۔

”تم بالکل کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی سعی مت کرو بالکل جو کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہے تمہیں رجحانک کرنے کی سزا موت سے ملے گی۔“

کم نہیں ہونی چاہیے آپ کو جو کرنا ہے وہ کریں انکل میں آپ کے ساتھ ہوں ساریہ کو دوست کہا ہے اور دوست کی انسلٹ میری انسلٹ ہے۔“



وہ تین منزلہ عمارت بڑی خوب صورتی سے جگمگا رہی تھی لان میں موجود درختوں اور پودوں پر بھی روشنیاں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں مہمانوں کی آمد و رفت جاری تھی زید دل کو سنبھالنے نازل انداز میں وہاں موجود تھا۔

سودہ کی مایوں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔ لوگوں نے سودہ کی خوب صورتی اور ساریہ ارجمند کو بے حد سراہا تھا۔ زیادہ تر تنقید کا نشانہ اچھی آپا کا مایوں والا دہانت سوٹ بن رہا تھا۔ ناپسندیدہ و تنقیدی نگاہوں کی ماں اور بیٹی نے قطعی پروانہ کی تھی۔ اول تو ان کے تیز و طر مزاج اور بھٹکڑا لوعادت کے خوف سے ان کی پیٹھ پیچھے ہی باتیں بنانی لگی تھیں اور کچھ نظر خواتین نے منہ در منہ یہ سوال کیا بھی کہ مایوں پر سفید سوٹ کسی دلہن کو پہننے نہیں دیکھا تو آخر سے جواب ملا۔

”میری بہو دیکھو کیسا چاند کا گلزار لگ رہی ہے پہلے سوٹ میں کسی لڑکی پر اتنا روپ دیکھا ہے پہلے بھی؟“ اور کہنے والی اپنا سامنے لے کر رہ جاتی تھیں چہرہ بڑ صوفیہ بھی بہت ہوتی تھیں انہوں نے بڑے دل سے مایوں کا غراہ سوٹ بخوایا تھا۔ ذرد غراہ سوٹ پر ہر آگودہ کرن لگی تھی۔ ہر سے دوپٹے پر ہر سے وپیلے ملٹی شڈ کی باریک دھنک بھارد دکھا رہی تھی مگر اچھی آپا اور چندا نے اس سوٹ کو رد کر دیا تھا اور اپنا لایا ہوا سوٹ اور فلاور چوڑی کوئی اہمیت دی تھی۔ سودہ اس میں بہت دلکش لگ رہی تھی۔ رسم کے موقع پر چندا زید کو بھی کھینچ لائی تھی۔

”آپ اتنے دوردور کیوں ہیں جناب..... کیا ہماری بھائی کا منہ بٹھا نہیں کرائیں گے۔“ وہ کنفیوز دکھڑے زید کو اسٹیج پر لے آئی اور سودہ کے برابر میں صوفے پر بٹھا دیا۔ دائیں شلوار سوٹ میں ملبوس کچھ گھبرا سا وہ جاذب نظر لگ رہا تھا۔ اس کے وجہ یہ چہرے پر لہجہ بھر کو بھلا ہٹ طاری ہوئی تھی۔

”آپ بھول رہی ہیں چندا آپ.....“ شاہ زیب بھی وہاں آ گیا اس کی نگاہیں زید سے ہوتی ہوئیں سودہ کی طرف لگی تھیں جو سرخ زرتار روپے میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ سادہ، کشادہ، پشیمانی پر پھولوں کی بندیا بھارد دکھا رہی تھی۔ سیاہ دراز پٹلیں کوئل عارضوں پر لرز لرز جاری تھیں۔ چہرے سے وہ پہلے ہی کٹی کٹی تھی۔ مستزاد برابر میں براجمان زید کی موجودگی میں وہ حسب عادت نروس دکھائی دے رہی تھی۔

”ارے کیا کہا تم نے میں کیا بھول رہی ہوں؟“ چندہ چونک کر گویا ہوئی۔

”زید بھائی کو آپ نے اس طرح لا کر بٹھایا ہے گویا یہی اصلی مالک ہیں۔“

”سودہ کے اصل مالک..... بھلا کیا مقصد ہوا اس بات کا؟“ چندا کے تیور بدلنے لگے اس نے ہاتھ میں پکڑا ایک ڈاٹس رکھا۔

”ماں..... یہ تم مذاق کر رہے ہو یا مذاق ہی مذاق میں بھانڈا چھوڑ رہے ہو؟“ قریب موجود اچھی آپا بھی بیٹی کے قریب آ گئیں۔ لہجہ میں مسرتوں بھرے ماحول میں الجھاؤ پیدا ہو گیا تھا۔

”کیسا بھانڈ..... یہ کیا بات کر رہی ہیں آپ آئی؟“ شاہ زیب حیرانی سے بولا۔

”آپ شاہ زیب کی شوخ مزاحی کو جانتی ہیں پھر بھی ایسی بات کر رہی ہیں اس نے اذراہ مذاق ایسی بات کہی ہے اور ایسے موقعوں پر ایسی باتیں ہوتی ہیں کوئی برا نہیں مانتا پھر آپ تو اپنی ہیں۔“ زید نے آگے بڑھ کر محل وزنی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر سمجھایا۔

”آتم سواری آئی..... شاہ زیب نے انہیں ہرٹ کیا ہے میں معذرت کرتا ہوں اس کی طرف سے وہ اسٹوڈ ہے پلیز معاف کر دیں اور اپنی رسم جاری رکھیں۔“ زید ان کے قریب آ کر معذرت کرتا ہوا بولا۔

”بات ایسی کوئی غصہ دکھانے والی نہ تھی جس پر آپ بے انتہا بدکی ہیں اگر اس لڑکی کو مجھے بہو بنانا ہوتا تو ایک عرصے قبل یہ میری بہو بن چکی ہوتی اور آپ کو یہاں اوقات دکھانے کی نوبت ہی نہ آتی۔“ زرد و ہمز ساڑی میں تک سب سے تیار عمرانہ

ہاں لڑکیا ہوئیں۔

”زید اس لڑکی کا مالک نہیں ہے البتہ آپ کے دل میں کوئی چور ہے تو اس چور کو ضرور باہر نکالیں میرے بیٹے پر تہمت لگانے کی ضرورت نہیں۔“ ان کے ٹھنڈے لہجے میں غصہ کی آگ تھی جوان ماں بیٹی کو بھڑکانے لگی تھی۔

”مئی..... سن رہی ہیں آپ؟ کس طرح ہماری اوقات بتائی جا رہی ہے ہم یہاں اس لیے آئے ہیں کہ ہماری بے عزتی اور ہماری اوقات بتائی جائے؟“ چندا مہمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے چیختے لگی لکھوں میں کرسیوں پر بیٹھے مہمان وہاں جمع ہو گئے تھے۔

”زید..... چلو یہاں سے ان تھرڈ کلاس عورتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔“ عمرانہ زید کا بازو پکڑ کر وہاں سے لے جانا پانی تھی۔

”مما پلیز..... بات سمجھنے کی کوشش کریں آپ ابھی کہیں نہیں جاتیں۔“

”خوب تماشا بنو رہی ہو ہمارا صوفیہ..... بہت عمدہ عزت افزائی کروا رہی ہو اپنی بیٹی کے سرالیوں کی واہ واہ۔“ اچھی آپا کی پاٹ دارا واہ پورے ہال میں گونجنے لگی تھی۔ صوفیہ کم صم سی کھڑی رہ گئی تھیں۔

”رشتہ کرنے سے پہلے ہماری کلاس معلوم نہ کی اب ہم تھرڈ کلاس دکھائی دے رہے ہیں چلو بھی چلو اب میں یہاں رشتہ کرنے والی نہیں ہوں۔“ اچھی آپا نے ساتھ آئے مہمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے حکمیہ لہجے میں کہا۔

”میرے بھائی کو لڑکیوں کی کمی نہیں ابھی بھی دیکھنا اسی تاریخ پر شادی کر کے دکھائیں گے میرا بھائی لاکھوں میں ایک ہے۔“ خوشی کی محفل کا تماشا بن کر رہ گیا تھا۔

اچھی آپا اور چندا کسی کے بھی سمجھانے سے نہیں سمجھ رہی تھیں خاندان کی بزرگ خاتین ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں منور اور دھڑ صاحب بھی وہاں آ گئے تھے۔

”تھرڈ کلاس کہنے سے کوئی تھرڈ کلاس نہیں ہو جاتا چاند کو کسی بھی نام سے پکاریں چاند چاند ہی رہتا ہے اچھی آپا ہمارا آپ کا خاندان ایک ہے۔“ منور صاحب کے سمجھانے پر ان کے مزاج درست ہوئے اور وہ پھر سے رسم میں مصروف ہو گئی تھیں۔



ڈھونڈتا پھرتا ہوں جہاں در جہاں

دوسرا آساں

ہے کہاں ہے کہاں

دوسرا آساں

بے اماں بھگر رہے ہیں دلا سے کئی

ساحلوں پر بھی پھر رہے ہیں پیاسے کئی

ایک یقین کے عقب میں ہیں کئی گماں

دوسرا آساں

تویر سے ہونے والی تکرار نے اس کی طبیعت از حد کمزور کر دی تھی ان کی دی جانے والی دھونس و دھمکی نے اس کی رگوں میں دوڑنے والی خون کو کھولا دیا تھا۔ جب انہیں رشتے کا پاس نہ تھا تو وہ کیونکر ان کے رویوں کو نظر انداز کرتا اپنی ماں کے

ان سے اسے کسی خیر و بھلائی کی توقع ہی عیب تھی سودہ انہیں دوبارہ جواب دیتا چلا گیا تھا کہ اس وقت یوسف صاحب اور زرتار بیگم نے ان ماموں و بھانجے کا معاملہ جان کر زیادہ مداخلت نہ کی تھی اور ان کے جانے کے بعد وہ دونوں

نے کمرے میں چلے آئے تھے وہ ایڑی جیت پر بیٹھا اپنے غصے پر قابو پانے کی سعی کر رہا تھا۔ وہ پیار و محبت سے اسے

پھر ساری رات اور دوسرا سارا دن وہ اپنی ذات کو کھوجتا رہا تھا۔ اپنی خواہشوں کے مہیب اندھیروں میں آرزوؤں کا دیار روشن کیا تو معلوم ہوا باہر سے صحرا اور بنجر دکھائی دینے والے سن آنگن میں ہر سو ہریالی ہی ہریالی ہے جہاں پر چاہت کے جھرنے بھی بہہ رہے ہیں اور محبت کے گل بھی کھلے ہوئے ہیں اور یہ احساس اس کے اندر آسودگی و تراوت بھرتا چلا گیا تھا۔

۱۔ والی کال نے دونوں کو ہی حیر زدہ کر دیا تھا کتنی دیر تک وہ اسکرین پر چپکے ٹوئل کے نام کو دیکھتی رہی تھی۔
 ”بابی..... یہ سچ ٹوئل کی کال ہے یا مجھے دھوکہ ہوا ہے؟“
 ”دل سے دل کوراہ ہوئی ہے دیکھو کال آگئی ٹوئل بھائی کی“ وہ مسرت سے جھوم اٹھی۔
 ”لیکن..... وہ کال کیوں کر رہا ہے؟“ وہ دانتوں سے ہونٹ چل کر بولی۔
 ”بھئی اب اٹھا بھی لو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔“
 ”بابی..... اگر اس نے کوئی ایسی ویسی بات کی تو میں کس طرح بدلہ لوں گی اور جب تک میں بدلہ نہیں لوں گی سکون
 سے مریجی نہیں سکتی۔“

مندرتی کی حفاظت، حسن کی بقا اور جوانی کے دوام کیلئے نباتاتی مرکبات سب سے بہترین ہیں (یورپین میڈیکل ٹریٹمنٹ)

اب..... پُرسرت اور صحت مند زندگی
سب کیلئے..... سدا کیلئے

بھرپور اپنی بے رنگ زندگی میں قوس قزح کے
رنگ اور چمکی زندگی میں گھولنے خوشیوں کا رس

پھیلائے مسکراہٹوں کی خوشبو اور گزاریے خوش و خرم زندگی۔ حسن و صحت کے تمام مسائل کے حل، ادویات کی ترسیل اور آن لائن مشورہ کی سہولت

نباتاتی نکھار کورس

قدرتی فارمولا جس سے رنگت کوئی جلی اور داغ دے، کل مہات جہانیاں، انٹرنل ویس کے لئے ختم ہائی رنگت سے
شرکاب اور آپ کو آئینے میں گھٹنے والے کے ساتھ اپنی عمر کے کیم، مہذب نظر بھرتے جڑا جاکہ جڑے نکھار کا
چھ رنگ و دور کی برسات کی جگہ کر آپ خوش رہا جائیں۔

قیمت دوا 1 ماہ - 4000 روپے

نباتاتی اکسیر موٹاپا کورس

موٹاپے کا کامیاب ترین علاج لگے ہوئے پیٹ کو کم کرنے، کمر کو پتلا کرنے
کلیوں و جسم کے موٹے حصوں سے فاضل چربی کے اخراج کی خصوصی دوا

قیمت دوا 1 ماہ - 5000 روپے

نباتاتی فگر اپ کورس

نسوانی حسن کی حفاظت، نشو و نما، سڈول اور صحت مند بنانے کی خاص دوا
اسب انسوانی حسن جتنا آپ چاہیں

قیمت دوا 1 ماہ - 4000 روپے

نوشتہ خواتین کے حسن و صحت سے متعلق علاج و مشورہ کیلئے شعبہ تشخیص و تجویز سے رابطہ کریں
یہ کورس صرف ہمارے ادارہ سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں - ہوم ڈیلیوری کیلئے ابھی رابطہ کریں
کتاب "صحت مند زندگی سب کے لئے، سدا کے لئے" ادارہ سے منگوائی جا سکتی ہے

ادارہ تحقیق نباتات

چوک کھارنوال علی پلازہ ۱۰، شاہ روڈ ملتان۔ فون: 061-6771933، 0345-8881933

ادارہ تحقیق نباتات

"ہوں..... پھر آپ نے کیا سوچا ہے میری شادی کے متعلق؟" وہ جوں بیٹے ہوئے خاصے اچھے موڈ میں گفتگو کر رہا تھا۔
نوفل کی کوشش سے ان کے تعلقات بحال ہو گئے تھے اور اس نے اذہان کے ساتھ آفس بھی جانا شروع کر دیا تھا۔
سامعہ اس کی چمک بک اسے دے چکی تھیں۔

"لو کی پسند کرتی ہے میں نے دیکھتے ہیں اب آپ کو پسند آتی ہے یا نہیں؟"
"کون ہے لڑکی وہ؟" وہ ہمہ تن کوش ہوا۔
"آپ کی جانی پہچانی ہے۔" وہ ممتی خیزی سے بولیں۔
"میری جانی پہچانی ہے؟" اس کی نگاہوں میں کئی چہرے ابھرے۔
"ہوں! کیس کر رہی ہیں بہت اچھی فرینڈ شپ ہے آپ کی۔"
"سوری ماما..... میں کیس نہیں کر پاؤں گا آپ جانتی ہیں میری گرل فرینڈ کی تعداد بے حساب ہے۔" وہ ہار مانتا ہوا

گویا ہوا۔
"ساری آپ کی نگاہوں میں نہیں آئی کیا؟"
"ساری؟" اسے شدید اچھو لگا۔
"ارے متنبہل کر بیٹا۔" وہ اس کی پشت تھکے لگیں۔
"آپ کو ساریہ پسند آتی ہے کچھ جانتی بھی ہیں اس کے بارے میں؟" وہ گلاس ٹیبل پر رکھتا نشو سے چھلک جانے والا
جس صاف کرتے ہوئے بولا۔

"جانتی ہوں! اچھی طرح جانتی ہوں! اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے اگر آپ شعوائہ کی بات کر رہے ہیں تو اسے چھوٹ
عکرمہ نے دی تھی! اس پر کوئی چمک ایڈیٹینس نہ رکھا تھا، ہم بھی اسی خاندان کی بہوئیں ہیں! مگر آزادی و خود مختاری دینے
سے قبل ہمیں ہماری مکینس بھی بتادی گئی تھیں جنہیں کراس کرنے کی ہم نے بھی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔"
"مجھے شعوائہ نئی کے میٹر میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے میں ساریہ کی بات کر رہا ہوں! وہ نوفل کو پسند کرتی ہے مرنے سے

اس پر۔"
"معلوم ہے مجھے لیکن نوفل ساریہ میں انٹرسٹ نہیں ہے۔"
"سب جانتی ہیں آپ پھر بھی ساریہ کو بہو بنانا چاہتی ہیں؟ امیزنگ میں ایسی کسی لڑکی سے شادی کیسے کر سکتا ہوں جو
پہلے سے کسی دوسرے مرد سے محبت کرتی ہو۔" اس کے انداز میں سخت چٹکی تھی۔

"آپ نے بھی تو گرلز کے ساتھ ٹائم پاس کیا ہے پھر ساریہ پر اعتراض کیوں؟ لبرل ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہیں
آپ؟"
"ماما..... میری خواہش یہی ہے میری لائف پارٹنر جو لڑکی بنے وہ اتنی پاکیزہ ہو کہ ہواؤں نے بھی اسے نہ چھوا ہو۔"

"یہ سب کتابی باتیں ہیں لاریب! جو کتابوں میں ہی اچھی لگی ہیں۔"
"اگر آپ کو میری شادی کرنی ہے تو ایسی ہی لڑکی سے کرنی ہوگی وگرنہ آپ کی خواہش صرف حسرت ہی رہے گی۔"
"یہ بہت عجیب شرط رکھ دی ہے آپ نے ہمارے حلقہ احباب میں کوئی ایسی ان چھوٹی لڑکی ملنے والی نہیں ہے۔"
بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

جہاں آرا کے اعصاب پر رکھا بیگم سبب بن کر سوار ہو گئی تھیں اور اس کا ساتھ دیتا ہوا سراج ان کی بڑی شکست
سبب بن رہا تھا وہ ہی مثال تھی آج کا دوست کل کا دشمن اور وہ بدترین دشمن ثابت ہو رہا تھا۔ سراج ان کے تمام داؤ پیچ
واقف تھا سو پرکھا کے ہارنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ اس نے سوچنے کا وقت دیا اور وہ وقت گویا پتھر لگا کر اڑنے
تھا۔ وہ روز کال کر کے گزرتے وقت کی یاد دہانی کروائی تھی اور جہاں آرا ماسوائے دانت پیسنے کے کچھ نہ کر سکتی تھی۔ پھر

تنگ دود میں جب ہر سبت سے راستے بند دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے ذہن میں سائرہ خانم کا تصور جاگزیں ہوا تھا اور ان کی وہی حالت ہو گئی تھی گویا میرے کو زندگی مل گئی ہو۔

سائرہ خانم اور برکھا کسی وقت میں ایک ہی جگہ ہوا کرتی تھیں پھر سائرہ کسی جاگیردار کو بھاگتی اور وہ اس کام سے تائب ہو کر شریفانہ زندگی گزارنے لگی تھی برکھا کی نظر کب سے اس جاگیردار پر پڑی پہلے تو برکھا اس دکھ میں ہی ٹھہرنے لگی کہ وہ اس آدمی کی منظور نظر نہ بن سکی تھی پھر یہ آگ اس وقت الاؤ بنی جب سائرہ کو اس جاگیردار کے خاندان میں عزت و پذیرائی ملی وہ سوچ رہی تھی سائرہ بہت جلد لوٹ کر آجائے گی مگر وہ نہیں آئی سال پر سال بیتتے چلے گئے۔ اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی جوان ہو گئی اس دوران برکھا نے بہت کوشش کی اس جاگیردار کو دام میں پھنسانے کی اور ناکامی کی صورت میں اس نے بھی مزہ چکھانے کا عہد کر لیا اور ایک دن کالج سے اس کی بیٹی کو اغوا کروا کر فروخت کر ڈالا تھا اور اس لڑکی نے بلڈنگ سے کود کر اپنی جان دے دی تھی۔ تب برکھا اپنی جان بچانے کی خاطر کہیں روپوش ہو گئی تھی اور سائرہ خانم اپنی پہلی کے ہمراہ پاکستان سے کسی دوسرے ملک شفٹ ہو گئی تھی۔ وہ کہاں گئی تھی کسی کو پتہ نہ تھا اس بات کو گزرے طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ چالیس یا پچاس سال کا لبا عرصہ ان کا دل کہتا تھا وہ جہاں بھی گئی ہوگی اب پاکستان واپس آگئی ہوگی۔ اس حوالے سے انہوں نے کئی جگہوں پر کال کی تھیں۔ ایک کال کامیاب ہو گئی تھی۔ جہاں سے معلوم ہوا سائرہ خانم واپس آگئی ہے لیکن اس سے اتنی آسانی سے ملنا ممکن نہ تھا۔ وہ کوٹھے سے جاتے ہوئے ساری کشتیاں چلا کر گئی تھی۔

برکھا کے بھیا تک طرز عمل نے ان جیسوں کا راستہ بالکل ہی بند کر دیا تھا مگر وہ جہاں آ رہی تھیں آخری سانس تک دشمن سے مقابلہ کرنے کا عزم و حوصلہ رکھنے والی ناقابل تسخیر عورت ہر کاوٹ عبور کر کے وہ سائرہ سے ملنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

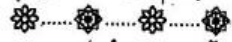
”میری مرحوم بیٹی کا نام تم نہ لیتیں تو میں تمہیں اس دہلیز پر قدم بھی نہ رکھنے دیتی، صوبی کے غم کو بھلانے کے لیے ایک عمر میں دیار غیر میں گزار کر آتی ہوں اور تم نے آتے ہی میرے زخموں سے کھرٹک لیا۔“ وہ جہاں آ رہی تھی سخت لہجے میں گویا یوں مرد تو اسے بیٹھنے کا بھی نہ کہا تھا ان کے لہجے میں بڑی نفرت و بیزارگی تھی۔

”میں جانتی ہوں تمہارے درد کو تب ہی صوبی کے دشمن کی خبر لے کر آتی ہوں تم مجھے غلط نہیں سمجھو میرا ارادہ غلط ہرگز نہیں ہے۔“

”برکھا کی بات کر رہی ہو تم؟“ وہ بری طرح چوکیں۔

”بیٹھو..... بیٹھو ناں پلیز۔“ سخت لہجے میں اب لجاجت سمٹ آئی تھی۔

”ہاں اسی برکھا کی بات کر رہی ہوں جس نے اپنا نام بدل کر متاثر رکھ لیا ہے بہت اونچی اڑان ہو گئی ہے اس کمیٹی کی۔“



پیارے میاں حیرت سے ماں اور چندا کی باتیں سننے میں مشغول تھے۔ وہاں سے آنے کے بعد بڑھ چڑھ کر اسے بتا رہی تھیں باتیں کیا تھیں جھوٹ کا پلندہ تھیں پھر ان کا انداز بیان بڑا غضب کا تھا۔

”چندا..... تمہیں کیا ضرورت تھی زید کو سودہ کے برابر میں بٹھانے کی؟ آخر آل وہ جگہ صرف میری ہے۔“ وہ بھنا کر بولا۔ ”میں نے بھائی سمجھ کر بٹھا دیا تھا کہ وہ بھی اپنی بہن کا منہ بیٹھا کروالیں مگر مجھے کیا معلوم تھا وہ سودہ کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے یہ میری ملکیت ہے۔ لاکھ پیارے میاں کی بن جائے میری ہی رہے گی۔“

”میں ہوتا تو سالے کا ہاتھ توڑ دیتا مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ زید ایسی منافقت دکھائے گا؟ وہ ایسا بھی کر سکتا ہے حالانکہ میری شادی کروانے میں اس نے ہی زیادہ مدد کی ہے سودہ کی ماکو راضی اسی نے کیا تھا کل تک میں اس سے بات کرتا رہا ہوں۔“ ماں اور بہن کے درمیان بیٹھے پیارے میاں گویا آگ کے دریا میں ڈوبے بجز بھڑ بھڑ رہے تھے۔

دھواں ہی ہر سبت دکھائی دے رہا تھا۔

”وہ سب دکھاوا تھا اپنی اڑن وہ تمہارے غصے میں ڈال رہا ہے اور تم ہو سودہ کے علاوہ کسی اور طرف دیکھنا پسند ہی کہاں

کرتے ہو۔“

”آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے می..... زید کا دل کالا ہو سکتا ہے مگر سودہ کا کردار کسی بھی طرح قابل گرفت نہیں..... وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔“ وہ سودہ پر کئی انگلی برداشت نہ کر سکا تھا۔

”ارے مجھے معلوم تھا تم کہاں ماننے والے ہو میری اور چندا کی باتوں کو قصور تہرا ابھی نہیں صوفیہ تو شروع سے جادو گرئی ہے پہلے میرے بھائی کو اسی طرح جادو کر کے اپنے بس میں کیا تھا اور اب ایسا ہی وار اس نے تم پر کیا ہے کہ تمہیں ہر طرف اس کی اچھائی ہی اچھائی دکھائی دے گی اور وہ ہی ہو رہا ہے۔“ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی شفقت و محبت سے کہہ رہی تھیں۔

”بتاؤ ذرا مجھے سودہ سے کئی ماہ تنگ رہی اور اس درمیان اس نے کبھی کوئی تم سے بات کی..... فون پر کبھی کوئی رابطہ کیا؟“ چندانے اس کی دھتکتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا کتنی بار اس نے کوشش کی کہ سودہ اس سے بات کرے وہ ساتھ کھوے پھر اس نے زہر پر جائیں وہ ان جگہوں پر ساتھ تو کیا جاتی سرے سے بات کرنے کے ہی خلاف تھی۔ پھر کئی بار اس نے زید سے سفارش کی اور بات منوانے کی بجائے ہر بار اس نے ڈپٹ کر یہی کہا کہ ان کے خاندان میں شادی سے پہلے تنگیت کے ساتھ کھوئے کا رواج نہیں شادی کے بعد لے جانا۔

”خاموش کیوں ہو گئے جواب دو اس نے کبھی تم سے بات کی؟“ وہ فنی میں سر ہلا کر رہ گیا تب وہ چٹ کر بولی۔

”اس نے ہم سے بھی کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی آج کل تو لڑکیاں سرریلوں کے آگے بچھ جاتی ہیں ایک لمحہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی ہیں اور سودہ جہاں ہمیں دیکھا چھپا کر سے چکن میں یا اپنے روم میں ٹھس جاتی تھی جیسے ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں۔“

”چندا میری بیٹی بار بار مجھے کہتی رہی دال میں کچھ کالامی میں سودہ کو بھائی کی آخری نشانی سمجھ کر اس کی بات اس کا ن سے سن کر دوسرے کان سے نکالتی رہی..... کیا پتہ ایسا تماشہ بنایا جائے گا ہمارا اور زید سے چھوٹے شاہ زیب نے کوئی لگی پٹی رکھے بغیر صاف صاف کہہ دیا سودہ کا لک زید ہے۔“

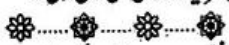
”آپ نے اس کا منہ کیوں نہیں توڑ دیا می؟“ مارے غصے و جنون کی اس کی حالت ابتر ہو گئی وہ اٹھ کر ادھر ادھر ٹھٹھنے لگا تھا۔ غم و غصے کا ایک طوفان اس کے اندر پھیر رہا تھا۔

”میں کیا منہ توڑتی اتنے رشتے داروں میں تماشہ بن کر نکلا ہیں کہاں اٹھ رہی تھیں پھر رہی سہی کسر عمر انہ نے یہ کہہ کر پوری کر دی کہ تم تھر ڈکلاس عورتیں ہیں۔“ وہ منہ بسور کر گویا ہوئیں۔

”وہ لوگ ایسے کرے ہوئے اور ٹھٹھا ہوں گے میں سوچ بھی نہیں سکتا، مجھے یقین نہیں آ رہا یہ ان لوگوں کی اصلیت ہے؟“ وہ بری طرح بدظن و بدگمان ہو گیا تھا پھر وہاں سے اٹھ گیا۔

”دیکھا چندا..... کس طرح سودہ کی محبت کا بھوت بھگا رہا ہے، تمہیں بہت فکر تھی ناں وہ آ کر مجھے گھر سے نکلا دے گی اور دیکھو وہ گھر میں آئی بھی نہیں اور پیارے کے دل سے اتڑ گئی اب وہ ہماری کینرین کر رہے گی۔“

”ماں گئی می..... اسے کہتے ہیں سانپ بھی مر گیا اور لاش بھی نہیں ٹوٹی۔“



”بار بار فون کرنے کا مقصد کیا ہے آپ کا فونل صاحب؟“ موبائل اٹھائے اس نے فنگلی سے پوچھا۔

”ایک ملاقات کی ریکوسٹ کرنی ہے۔“ لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”آپ کی ریکوسٹ رستگرت ہو چکی ہے۔“

”دروازے پر اس وقت تک دستک دینی چاہیے جب تک وہ کھل نہ جائے..... تمہاری ہاں تک میں دستک دیتا رہوں گا۔“

”ایک سیکیورٹی..... یہ سیل فون ہے دروازہ نہیں۔“

تک وہ دور دور ہی رہیں، ہمت تو ان کی بھی نہ ہوئی تھی عمر اند کی جانب دیکھنے کی۔

ان کی خوب صورتی اور حسن کا احساس اور اپنی کم صورتی یہاں آکر بے حد محسوس ہوئی تھی، خاص طور پر اس وقت جب انہوں نے لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لیے حیرت و تعجب دیکھا تھا اور وہ مجھ کی تھیں۔ عمر اند زمر اور نور کے کہنے پر رضوانہ کو کارڈ دے آئی تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کے درمیان ہونے والی کشمکش کا کسی کو پتہ چلے، رضوانہ گھر میں تنہا ہی تھیں، عمر اند کو دیکھ کر خوش ہوئی تھیں، مگر عمر اند کھڑے کھڑے ہی کارڈ تھما کر چلی آئی تھیں اور بھرم رضوانہ اور بیٹیوں کو بھی رکھنا تھا۔ سودہ مایوں کی تقریب میں نہیں آئی تھیں۔ لیکن نکاح اور رخصتی میں شامل ہونے کا ان کا پورا ارادہ تھا۔

زید نے موقع پاتے ہی شاہ زیب کی خوب نکلاں لی تھیں کہ اس کی لالہ ابلی حرکت کے باعث معاملہ بگڑنے لگا تھا۔

”مایوں، مہندی کے موقع پر اس سے زیادہ بڑے مذاق ہو جاتے ہیں اور کوئی مایہ نہیں کرتا اور وہ اچھی آپا تو اپنے نام کی الٹ ہیں، ان کا نام میں نے بڑی آپا اور چندا کا نام اماؤس کی رات رکھا ہے۔“

”بکواس مت کرو، فضول بولنا بند کرو آج نکاح ہے اور اپنی زبان بند رکھنا بلکہ رخصتی تک ان لوگوں سے دور ہی رہنا تم میں نے پھوپھو جان کو زبان دی ہے کہ ہر کام بہترین ہوگا اور تم نے پہلے کام میں ہی مجھے شرمندہ کر دیا۔“

”بھائی..... وہ اماؤس کی رات اور بڑی آپا کسی اور ہی ارادوں سے آئی تھیں، وہ چاہتی تھیں کہ کوئی بات ملے اور وہ تماشہ کریں۔“

”تم نے موقع دے دیا ہے اب اور نہیں۔“ وہ وارننگ دیتا ہوا بولا۔

”اوکے پاس..... جی آپ کا حکم وہ ہی ہوگا۔“ وہ شوخ ہوا۔

معاصوفہ وہاں چلی آئیں، ان کی آنکھیں سو جی ہوئی تھیں، جب سے سودہ مایوں بیٹھی تھی ان کی آنکھیں خشک نہ ہوئی تھیں۔

”خیریت ہے پھوپھو..... آپ کچھ پریشان ہیں؟“ وہ دونوں ہی ان کی طرف بڑھے اور وہ زید کے سینے سے لگ کر رو پڑیں، بڑا جذباتی لمحہ تھا، دونوں کچھ نہ کہہ سکے تھے۔

”کل رات سے میں بے سکون ہوں نہ جانے وہاں میری بچی کے ساتھ کیا سلوک ہوگا، کل ان ماں اور بیٹی کے تیوروں نے سب بتا دیا ہے کہ میری سودہ کے ساتھ وہاں کیسا برتاؤ ہونے والا ہے۔“ وہ ان کے تسلی دلاؤں کے جواب میں گویا ہوئیں۔

”آپ دوسروں کا شکارت ہوں پھوپھو جان، ان کی کیا مجال ہے وہ اس کی طرف انگلی بھی اٹھا سکیں، میں خبر گیری کرتا رہوں گا۔“

”سب سے زیادہ اعتبار مجھے پیارے پر ہے وہ سودہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دے گا، اس نے وعدہ کیا ہے۔“ زید انہیں بازو کے سہارے میں لیے کھڑا تھا۔

”تم کچھ بھی کہو میرے دل کو قرارتیں آ رہا نکاح میں دیر ہی کتنی ہے ان کے آنے کا انتظار ہے اور پھر سودہ ہمیشہ کے لیے پرانی ہو جائے گی مجھے لگ رہا ہے میرا فیصلہ غلط ثابت ہو رہا ہے، کہیں میں اپنی بچی کو کنوئیں میں تو دھکا نہیں دے رہی ہوں۔“ ان کے انداز میں کچھ جذباتی پن نمایاں تھا، اب ہی ان کے پیچھے آنے والی بوئے سرشار کی۔

”کیسی باتیں کر رہی ہو صوفیہ، ہوش کے ناخن لو، نکاح ہونے والا ہے اور تم ایسی باتیں کر رہی ہو، کل سے سودہ کا بھی رو رو کر حال برا ہے اب وہ ایسی باتیں سنے گی تو کیا گزرے گی اس پر۔“

”سودہ کیوں رو رہی ہے بوا؟“ اس کے دل کی بات شاہ زیب کہہ گیا۔

”پرانی ہونے جارہی ہے ہر لڑکی کو میکے سے دوری پر رونا آتا ہے اور تم اللہ پر توکل رکھو صوفیہ، وہ بہتر کرنے والا ہے اب ایسی کوئی بات منہ سے نہیں نکالنا ہماری جگہ بھائی ہوگی۔“ بوا انہیں قہم کر دہاں سے لیے لگیں، زید اس سے مخاطب ہوا۔

”دیکھا اپنے مذاق کا انجام پھوپھو کس قدر پریشان ہو گئی ہیں۔“

”ہم سوری بھائی، میں شرمندہ ہوں۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

نکاح کی تقریب کا اہتمام گھر کے ہال روم میں ہی کیا گیا تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد نکاح کا اہتمام تھا اور نماز کی ادائیگی کے بعد سب لوگ آچکے تھے۔ شاہ زیب مولوی صاحب کو بھی لے آیا تھا۔ ہال مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب کو دو لہا میاں کا انتظار تھا۔

”دن سہنا جا رہا ہے اچھی آپا ہیں کتا نے کا نام ہی نہیں لے رہیں اور سارے فون بھی بند جا رہے ہیں ان کے گھر۔“ زمر نے کہا۔

”ارے کہا گھر کا فون بھی بند ہے میں پیارے میاں کو کر رہا ہوں ان کا بھی فون آف ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ سارے فون ایک ساتھ ہی بند ہیں وہ بھی اتنے اہم دن پر.....“ منور صاحب پریشان ہو کر گویا ہوئے، یہی شکایت صوفیہ اور مدثر بھی کرتے وہاں آئے۔

”اگر کوئی گڑبڑ ہوئی بھی ہے تو انہیں کسی اور ذریعے سے ہم سے رابطہ کرنا چاہیے تھا پھر اتنی دیر لگانے کا مقصد کیا ہے؟“ انہیں بہت پہلے آ جانا چاہیے تھا۔

”نام گم گزرتا جا رہا ہے کس سے کامیٹ کریں؟“ رفتہ رفتہ تقریباً سب ہی وہاں جمع ہونے لگے، گھر کے سب افراد نے ہی ان لوگوں کو کالز کیں مگر سب کو ایک ہی جواب ملا تھا۔

”پادراؤف۔“ عصر کا وقت ختم ہونے کو تھا اور پیارے میاں کی آمد کے کوئی آثار نہ تھے۔

”ڈیڈی..... میں پیارے میاں کے گھر جا کر دیکھتا ہوں۔“ شاہ زیب رست واپس دیکھتا ہوا بولا۔

”ہوں، جاسیں معلوم کر کے آئیں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟“ مدثر صاحب کی اجازت پاتے ہی وہ چلا گیا۔

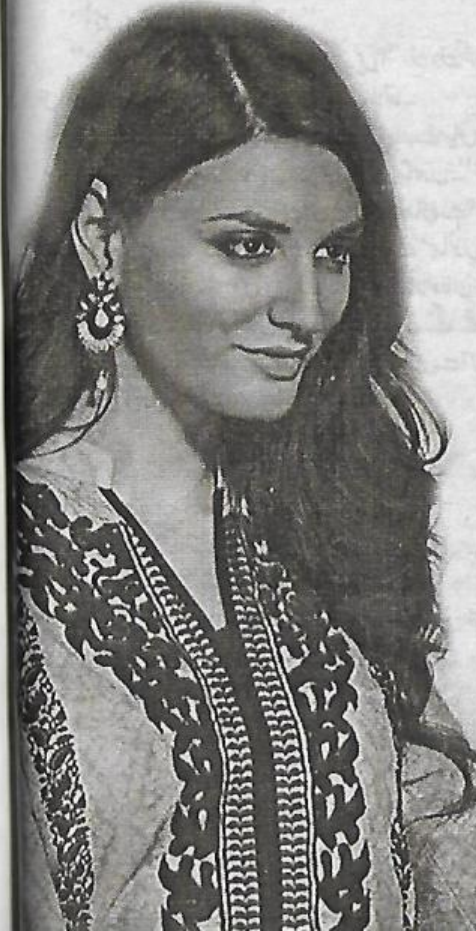
سب کے چہرے فکر و پریشانی سے بچھے ہوئے تھے، مہمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، صوفیہ زمر کا سہارا لیے بیٹھی تھیں۔ ماحول میں ایک خاموشی تھی، ایک پراسراریت جو طوفان کے آنے سے قبل ہر سو چھا جاتی ہے جو جہاں تھا وہیں بیٹھا دروازے کی سمت تک رہا تھا، نکاح خواں بھی پہلو بدلتے لگے تھے اور زید کی نگاہیں سفید پڑتے چہرے والی صوفیہ پر تھیں۔ شاہ زیب آگیا..... شکستہ قدموں اور لڑکھائی زبان سے اس نے پیارے میاں کے ٹیلی سمیت ملک سے فرار ہونے کی خبر سنائی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ سندہ ماہ)



عسلطی راحت وفا

دک رہے ہیں میرے حرف لب پہ آئے بغیر
سمجھ رہا ہے وہ باتیں مری بتائے بغیر
یہ دو چراغ ہیں اور ایک لو سے روشن ہیں
دیا جلا نہیں کرتا لہو جلانے بغیر



باری صاحب ناشتہ کرنے کے لیے ڈانٹنگ ٹیبل کی
طرف آئے تو چائے کی کیتلی لاتی نوجوان حسین لڑکی کو
دیکھ کر چونکے..... وہ کیتلی رکھ کے چلی گئی تو انہوں نے
اپنی بیوی ہما کو دیکھا۔

”یہ نئی لڑکی کون ہے؟“

”لڑکی نہیں ملازمہ ہے۔“ ہما بیگم نے ان کی پلیٹ
میں فرانی انڈا رکھتے ہوئے کہا۔

”میرا مطلب یہی تھا۔“

”ہاں میں نے اس منحوس طاہرہ کو نکال دیا ہے۔“
”لا حول ولا قوۃ اتنی اچھی خاتون کو نکال دیا۔“ وہ منہ
بنا کر بولے۔

”خاک اچھی تھی، ہفتے میں دو چشیاں اور کام کے
معاملے میں ہزار حیلے بہانے۔“

”لیکن ماما.....! پرانی ملازمہ تھی اب نئی کا کیا
بھروسہ؟“ ایان نے کرسی پیچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تم چھوڑ ڈنا شتہ کرو آفس سے دیر ہو رہی ہے۔“
”ہما بیگم نوجوان بچی کو ملازمہ رکھنے کا مطلب ذمہ
داری اٹھانا ہے۔“ باری صاحب ابھی تک نئی ملازمہ میں

ایکٹھے ہوئے تھے۔
”بھئی ضرورت مند ہے بلکہ اس کی چھوٹی بہن کو میں
نے مشہد صاحب کے ہاں رکھوا دیا ہے۔“ ہما بیگم نے

بیٹے کے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے بتایا۔
”او خدایا..... ایک اور احمقانہ حرکت..... مشہد
صاحب کے گھر جاتی بھی ہو کہ ان کے گھر میں کوئی

خاتون نہیں۔ صرف ایک گیٹ پر چوکیدار ہوتا ہے۔“
باری صاحب کو غصہ آ گیا۔

”ارے اسی لیے تو انہیں چھوٹے چھوٹے کاموں
کے لیے ملازمہ کی ضرورت تھی۔“

”اور تمہیں یہ بچیاں ملیں کہاں سے؟“ انہوں نے
پوچھا۔

”مدرسے میں جو عورت کام کرتی ہے یہ اس کی بیٹیاں
ہیں۔ باپ نہیں ہے سو اس نے منت کی تو میں نے

ہو گئے تو ہما بیگم نے بڑی منطقی بات کی۔

بلالیا۔

”تو پہلی فرصت میں فارغ کرو اور اس چھوٹی بچی کو تو
ابھی اسی وقت مشہد صاحب کے گھر سے بلاؤ۔“

”ماما..... بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ ایان نے باپ کی
تائید کی اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

”دیکھو تمہارے گھر میں بھی جوان بیٹا ہے اور کم از کم
اپنی بھانجی رمشہ کا بھی سوچ لو اس کا مستقبل خطرے میں

پڑ سکتا ہے۔“
”ارے تو بہ بھئی رمشہ کا مستقبل کہاں سے خطرے
میں پڑ گیا۔“

”ذرا لڑکی کو غور سے دیکھنا۔“ باری صاحب نے کہا
اور اٹھ کر چلے گئے۔ ان کی بھی ضروری میٹنگ تھی۔ ہما

بیگم نے ان کے جاتے ہی آواز لگائی۔
”تارہ..... تارہ.....“ وہ بوتل کے جن کی مانند حاضر

ہو گئی۔
”جی جی.....“ وہ ہٹائی۔

ہما بیگم اسے غور سے دیکھنے لگیں۔ بلاشبہ وہ بہت
خوبصورت تھی۔ عام سے شلواری میں بھی بہت حسین

لگ رہی تھی۔
”جی بیگم صاحبہ۔“ اسے دوبارہ بولنا پڑا۔

”دیکھو یہ برتن اٹھاؤ احتیاط سے دھونا۔“ انہیں کہنا
کچھ تھا مگر اندر کی الجھن میں کچھ اور کہہ گئیں..... وہ برتن

اٹھا کر چلی گئی تو انہوں نے فوراً مشہد صاحب کے گھر کا
فون نمبر ملایا۔ اتفاق سے وہ ابھی کورٹ کے لیے نکلے نہیں

تھے انہوں نے ان سے بچی کو جو ملازمہ کے طور پر رکھی تھی
یہاں چھوڑ کے جانے کا کہا۔

اور پھر چند منٹ بعد ہی دس گیارہ سالہ عاشی ان کی
نظروں کے سامنے تھی۔ انہیں اطمینان حاصل ہوا۔ اپنے

دل میں اس کو بھی اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کر کے وہ مطمئن
ہو گئیں۔ اس فیصلے پر باری صاحب کچھ مطمئن ہوئے مگر

مشہد صاحب نے اسے بد اخلاقی گردانا..... کچھ تلخ
ہو گئے تو ہما بیگم نے بڑی منطقی بات کی۔

”مشہد صاحب“ آپ کے گھر میں کوئی خاتون نہیں ہیں اس لیے بچی کو کیسے اکیلا چھوڑا جاسکتا ہے؟“
 ”واہ یہ خوب کبھی مسز باری آپ نے“ میں ہائی کورٹ کا سینئر وکیل قابل اعتبار نہیں۔“ مشہد صاحب کو غصہ آ گیا۔
 مگر وہ مزید کچھ کہے سے بغیر ہی چلے گئے۔
 شام کو ہما نیگم نے شوہر کو مشہد صاحب کا جملہ ان ہی کے انداز میں سنایا تو بے ساختہ ہنس پڑے۔ یہ دیکھ کر مسز باری بھناٹھیں۔

”حد کرتے ہیں آپ بھی ارے اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“
 ”ہما نیگم آپ نے تو مشہد صاحب کے مردوہ بھی تنہا ہونے پر شک کیا ناں غصہ تو آتا ہی تھا۔“
 ”چلو قصہ ختم ہوا۔ اب دونوں ہمارے ہاں ہی کام کریں گی۔“ انہوں نے دو نوک فیصلہ سنایا۔
 ”جو مزاج یار میں آئے۔۔۔۔۔ مگر پھر کہہ دیتے ہیں کہ لڑکی بہت حسین ہے اور ایسا ابھی بٹالا سنسن کے ہے۔“
 ”آپ کے تو سامنے بیٹھنا ہی فضول ہے میرے بیٹے کو ملازمہ اور رمہ کی حیثیت کا فرق معلوم ہے۔ ویسے بھی میں اماں کی بات انتظار کر رہی ہوں وہ کوئی سے واپس آئیں تو ایسا اور رمہ کی باقاعدہ منگنی کروں۔“ وہ بولیں۔

”ویسے اپنے بیٹے سے پہلے رمہ کے بارے میں کنفرم تو کرو۔“
 ”باری صاحب۔۔۔۔۔ وہ میرا بیٹا ہے میں جانتی ہوں۔“
 ”خاک جانتی ہو بیٹا ہے تو ایک مرد ہی ناں۔“
 باری صاحب نے مزید جلایا۔
 ”آپ اپنی طرح نہ سمجھیں۔“
 ”اجی۔۔۔۔۔ ہم تو فرشتہ صفت ہیں گھر میں داخل ہوتے وقت آئینہ الکرسی پڑھ کر شیطان کو باہر چھوڑ آتے ہیں۔“ وہ سیدھے شوٹ کر بولے۔
 ”اچھا۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ میں چپاتی ڈال رہی ہوں آپ

ہاتھ دھو کر کھانے کے لیے آجائیں۔“ وہ بولیں۔
 ”کیوں وہ آپ کی نئی ملازمہ کہاں گئی؟“
 ”اسے تو میں نے چار بجے بھیج دیا تھا جوان جہاں بچی اور دوسری چھوٹی بھی ساتھ تھی۔ شام بڑھ جاتی تو کون چھوڑنے جاتا؟“ وہ فکر مند ہی کہہ کر اٹھیں۔
 ”اچھا کیا۔“ انہوں نے سر ہا۔
 ہما نیگم کے دماغ میں میاں کا جملہ انگ سا گیا تھا۔



رات معمول سے جٹ کر ایمان ذرا دیر سے گھر آیا تو اس کے لیے کھانا گرم کر کے ٹرے میں لگایا اور اس کے کمرے میں آ گئیں۔
 ”ماما جی میں تو کھانا کھا کر آیا ہوں۔“ ایمان نے بڑی محبت سے کہا۔
 ”ہیں۔۔۔۔۔! کہاں کس کے ساتھ۔۔۔۔۔؟“
 ”ارے باہر ہوٹل میں اور کہا؟“ وہ ذرا متعجب سا ہوا۔
 اس سے پہلے بھی انہوں نے ایسا سوال نہیں کیا تھا۔
 ”کس کے ساتھ؟“

”ماما۔۔۔۔۔ خیر تو ہے ظاہر ہے دوست ہی ہو سکتے ہیں۔۔۔۔۔“
 ”اچھا ٹھیک ہے مگر گھر میں داخل ہوتے ہوئے آئینہ الکرسی پڑھ لیا کرو۔“ انہوں نے باری صاحب کا جملہ اس کے سر پر دے مارا وہ ہنسنے لگا۔
 ”کمال ہے گھر سے نکلتے ہوئے آپ پڑھ کر پھونکتی ہیں سارا دن میں اللہ کی حفاظت میں رہوں اور آپ کی دعا میں میرے ساتھ ہوتی ہیں۔“ ایمان نے پیار سے ماں کا ماتھا چومنا تو وہ سرشار ہو گئیں۔
 ”ہاں۔۔۔۔۔ یہ تو ہے ایمان مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔“
 ”آپ اب جائیں آرام کریں بہت رات ہو گئی ہے۔“
 ”ہوں۔۔۔۔۔ کل رمہ کو لے آنا۔“ انہوں نے جاتے ہوئے پلٹ کر کہا۔
 ”اوہ۔۔۔۔۔ چھوڑیں ماما سر کھا جاتی ہے وہ پھر اس کے

اے سیدھے شوق بھی تو ہیں۔۔۔۔۔ میں نہیں لاؤں گا۔“
 اس نے صاف انکار کر دیا۔
 ”حد کرتے ہو آج کل کی بچیاں ایسی ہی ہوتی ہیں میں اس کا تم سے رشتہ بکا کرنے لگی ہوں اور تم بیزار اور بے ہواس سے۔“
 ”ماما۔۔۔۔۔! اللہ کا نام لیں جائیں سو جائیں مجھے بھی بہت نیند آ رہی ہے۔“ ایمان نے منت سماجت کر کے انہیں تالا۔

اگلی صبح تارہ اکیلی کام پر آئی تو ہما نیگم نے فوراً اس سے عاشی کے متعلق پوچھا۔
 ”وہ اماں کے ساتھ کام پر گئی ہے۔“ تارہ نے مہین سی آواز میں جواب دیا۔
 ”چھ چلو تم جلدی سے ناشتہ بناؤ دیر ہو رہی ہے۔“
 تارہ کچن میں مصروف تھی کہ ایمان ہما نیگم کے کچن میں ہونے کا سوچ کر اندر آ گیا مگر وہاں تارہ عالم حویت میں پڑا تھا بنا رہی تھی۔۔۔۔۔ اسے اس کے آنے کی بھی خبر نہ آئی۔ وہ شرمندہ سالے قدموں باہر نکلا تو سامنے ہما نیگم لٹری تھیں۔ وہ بوکھلا گیا۔

”یہ تم اندر کیا کر رہے تھے؟“
 ”یہ باوچی خانہ ہے یہاں کیا کرنا چاہیے؟“ وہ حواس خال کر کے بولا۔
 ”جو کام ہوا کرے مجھے بتایا کرو تمہیں میں تارہ سے لہر دوں گی۔۔۔۔۔ تارہ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ انہوں نے دھیرے سے کہا۔
 ”مطلب تارہ میڈم سے بات کرنے کے لیے ایمان میں ایک ملازم ہونا چاہیے۔ پیغام رسانی کے لیے۔“ ایمان نے چڑ کر کہا۔
 ”بکومت بولو کیا چاہیے؟“
 ”بس ایک کپ چائے اور دو گولی سردرد کے لیے۔“
 ”پانے پانے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ہما نیگم نے اسے پانے پانے کا کہا اور بہت نرمی سے بولیں۔
 ”تارہ۔۔۔۔۔ یہ میرا بیٹا ہے ایمان ذرا لالباہی ہے اس کی

بات کو محسوس نہ کرنا۔“
 ”جی۔۔۔۔۔ فقط اتنا بولی۔“
 وہ چائے اور دو گولی پینا ڈول لے کر باہر آ گئیں۔
 ”ایمان۔۔۔۔۔ بیٹا خالی پیٹ دو انہیں کھاتے ساتھ میں کچھ لے لو۔“
 ”تو آپ لے آئیں ناں اس ملازمہ کو خود نہیں پتا کہ۔۔۔۔۔“

”بس چپ کرو کیا ملازمہ ملازمہ لگا رکھی ہے اسے آئے دو دن ہوئے ہیں۔ دھیرے دھیرے پتا چلے گا۔“
 ”تو کس نے کہا تھا کہ طاہرہ خال کو نکال دیں۔۔۔۔۔ نہ جان نہ پہچان بس رکھ لیا۔ آج کل حالات اتنے خراب ہیں۔ ہاتھ دکھا گئی تو روئی رہے گا۔“ ایمان بولتا چلا گیا۔
 انہوں نے کچھ نہ کہا غصے میں بڑبڑاتی ہوئی ڈائمنگ روم میں آ گئیں۔ باری صاحب انہماک سے اخبار پڑھ رہے تھے انہیں دیکھ کر اخبار رکھ دیا اور مسکرا کر بولے۔
 ”کیا ہوا؟ تو پڑھنے سے بڑے سے نظر آتے ہیں۔“
 ”یہ آپ کا اکھوتا بیٹا ہے چاری تارہ کو نکلا کر دم لے گا۔“

”اوہ ہو۔۔۔۔۔! کیا بروقت آ گیا ہے کہ صبح ناشتہ سے پہلے ایک ملازمہ زیر بحث ہے کیا ہو گیا ہے نیگم آپ کو۔“ باری صاحب نے اچھا خاصا طنز یہ انداز اختیار کیا تو انہیں اور غصہ آ گیا۔
 ”بھئی بے چاری غریب بچی ہے اس کی ماں شریف عورت ہے۔ معلمہ باجی اس کی ضامن ہیں پھر اس کے کام کرنے پر ایمان کو کیوں اعتراض ہے؟“
 ”اعتراض اور احتیاط دونوں لازمی ہیں نیا ملازم یا ملازمہ رکھتے ہوئے اس نے ایسا کیا برا کہا دیا۔“
 ”اب طاہرہ تو گئی کیا اس کو بھی چلتا کر دوں مجھ سے تو گھر کے کام نہیں ہوتے۔“
 ”تو آپ کو کون کہہ رہا ہے کہ کام کر ڈوں بس لڑکی پر نگاہ رکھو مزید پوچھ گچھ کر لو اور ہاں دل نہ جلاؤ ناشتہ لگاؤ دیر ہو رہی ہے۔“ باری صاحب نے بڑے ٹھنڈے بیٹھے

لہجے میں ان کا غصہ زائل کر دیا۔ وہ مطمئن ہو گئیں۔



چند ہی دن میں تارہ نے ہما بیگم کا دل جیت لیا۔ ہر کام کرنے کا طریقہ سیکھ لیا۔ ناشتے میں کیا کھایا جاتا ہے؟ دوپہر کے کھانے میں کس طرح کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں؟ برتن کچن کے کس کس ریک میں رکھے جاتے ہیں۔ چھوٹا سا گھر اتنے تھا۔ کل تین آدمی تین کمرے اس میں سے بھی ایک آج کل بند تھا۔ اماں بی اپنی بیٹی یعنی عارفہ کے پاس کونہ لگتی ہوئی تھی۔ عارفہ باری صاحب کی چھوٹی بہن تھیں۔ پچھلے ایک ماہ سے اماں بی اس کے پاس لگتی ہوئی تھی۔ ایان صاحب کے کمرے میں ہر چیز سلیف سے رکھنے اور اچھی صفائی کرنے پر ہما بیگم نے تعریف کی۔ پانچ سو روپے انعام دیا۔ اچھے سے دو جوڑے عارفہ کی الماری سے نکال کر دیے وہ خوش ہو گئی۔ اگلے دن وہ نہا کر ایک جوڑا پاجامہ کر آئی تو ہما بیگم نے اس کی بہت تعریف کی۔ باری صاحب نے موبائل پر نظریں جمائے ہوئے انہیں ستانے کی خاطر کہہ دیا۔

”دیکھ لو ہما بیگم ایان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھنا۔“

”پھر بدقل منہ سے نکالی لے دے کر آپ ایان کو کیوں درمیان میں لے آتے ہیں؟“ وہ آگ بگولہ ہوئیں۔

”یہی تو بات ہے کہ خواتین خود ہی اپنا نقصان کرتی ہیں۔“

”افو! بھی کیا جرم کر دیا میں نے۔۔۔۔۔“ وہ بگڑ کر چلائیں۔

”جوان اور خوبصورت ملازمہ نہیں رکھنا چاہیے۔“

”یہ کیا بات ہوئی ان کا کوئی کمانے والا نہیں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے یا کسی برے رستے پر چلنے سے تو بہتر ہے کہ گھر کا کام کر لے۔ شریف بچی ہے آکھ اٹھا کر نہیں دیکھتی۔“ انہوں نے اچھی خاصی تقریر جھاڑی۔

”چلو جیسی تمہاری مرضی۔“ باری صاحب نے ہتھیار ڈال دیے۔

”اس کی ماں اتنی دعا نہیں دے رہی تھی عافی کے لیے بھی شکریہ کہہ رہی تھی۔ وکیل صاحب کے گھر میں بچی غیر محفوظ تھی۔“

”اچھا ایک کپ چائے پلوادو پھر میں ذرا ماریٹ ہو آؤں۔۔۔۔۔“

”تو مجھے شاہین کی طرف چھوڑ دیں واپسی پر لے لیجے گا۔“

”یہ لینے دینے میں نہیں آؤں گا۔ شاہین کے ڈرائیور کے ساتھ آ جانا۔“ انہوں نے لگا سا جواب دے دیا۔

”ٹھیک ہے میں آ جاؤں گی۔“

انہوں نے تارہ کو ایک کپ چائے اور رات کے لیے سالن پکانے آگیا گوندھنے کا کابھی کہہ دیا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

”بھولی بچی چھٹا کی زبان نہیں ہلاتی، کلو کا سر ہلا دیا۔“ ہما بیگم نے مسکرا کر اس کے سر پر پیار بھری چپٹ لگائی۔

جب سے تارہ آئی تھی وہ درس قرآن کے بعد گھر آ کر آرام کرتی تھیں۔ سب کام تارہ نے جو سنبھال لیے تھے۔

”تارہ اکیلی رہے گی۔“ باری صاحب نے چلنے سے پہلے پوچھا۔

”تو کیا ہوا قابل اعتبار ہے۔“ انہوں نے بڑے وثوق سے کہا۔

ان کی واپسی تقریباً دو ڈھائی گھنٹے بعد ہوئی۔ باری صاحب تو پہنچے بھی نہیں تھے رمضہ گاڑی ڈرائیو کر کے انہیں چھوڑنے آئی تھی۔ ایان اپنے کمرے میں تھا۔ اس کی گاڑی دیکھ کر رمضہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ ہما بیگم نے اسے

ایان کے پاس جانے کا کہا۔ خود وہ تارہ کے پاس آ گئیں جو فارغ بیٹھی ان ہی کی منتظر تھی۔ انہوں نے اسے گھر جانے کی اجازت دی اور فرنیچ سے گزشتہ رات والے سالن کا ڈونگہ نکال کر اسے دیا ساتھ کچھ پھل بھی دے دیے۔ وہ خوش خوش چلی گئی۔

آج وہ خود بھی کافی خوش تھیں شاہین نے اور اس کے

شوہر فیاض نے رمضہ کے رشتے کے لیے کھل کر رضا مندی کا اظہار کر دیا تھا اور اب اماں بی کے آنے پر مشکفی ہوئی تھی۔ رات کھانے کے دوران انہوں نے تذکرہ کیا تو ایان تو اچھی بلی پڑا۔

”ماما! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ رمضہ آپ کی بھانجی ضرور ہے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ اسے میرے سر پر تھوپیں۔“

”ہیں!۔۔۔۔۔! ہیں!۔۔۔۔۔! کیا ہو گیا ہے برخوردار؟“ باری صاحب بولے۔

”بابا!۔۔۔۔۔ زمانے بھر میں ایک رمضہ ہی میرے لیے رہ گئی ہے مجھے رمضہ ٹاپ لڑکیاں بالکل پسند نہیں۔“ ایان نے آن کھل کر مخالفت کر دی۔

”ارے!۔۔۔۔۔! کیا خرابی ہے رمضہ میں پڑھی لکھی دیکھی بھالی اور خوبصورت بھی ہے۔“ ہما بیگم نے رمضہ کی وہالت کی۔

”جی!۔۔۔۔۔ فضول فیشن زدہ لڑکی خالہ خالو کو تو نظر نہیں آتا۔ کتنا چست لباس پہنتی ہے اور دوپٹا تو موصوفہ نے کبھی دیکھا تک نہیں اوپر سے میک اپ کی تہ۔۔۔۔۔ بولے تو شاہین مارٹر بن چکے رہ جائے۔“

”تو کیا گولی بہری لڑکی چاہیے؟“ ہما بیگم نے بھڑک کر پوچھا۔

”بس فی الحال اس بکھیرے میں میں پڑنا نہیں چاہتا“ کوئی لڑکی پسند آئے گی تو بتا دوں گا۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ ہما بیگم ہکا بکا رہ گئیں۔ باری صاحب نے موبائل فون میں اپنے لیے عافیت ڈھونڈی۔



بات آئی گئی ہو گئی تھی مگر ہما بیگم کے دل میں گرہ سی پڑ گئی تھی۔ ایان نے سخت اور دو ٹوک لفظوں میں رمضہ کے لیے انکار کر دیا تھا۔ کچھ اعتراض ایان کا ٹھیک بھی تھا۔ انہیں خود بھی رمضہ کی ٹائٹس اور چست جینز ناگوار گزرتی تھی۔ ایان کی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے انہوں نے

شاہین کو فون پر دے دیے لفظوں میں سمجھا یا مگر شاہین کو یہ بات اچھی نہ لگی بس احتیاطاً خاموش ہو گئی اور وہ بھی اٹھ کر اپنے کپڑوں کی الماری سیٹ کرنے لگیں۔

تارہ ان کے کمرے کی صفائی کے لیے آئی تو ہما بیگم نے بغور اسے دیکھا۔ عارفہ کے فیروز سی سوٹ میں وہ بہت نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ ہما بیگم کو ایک دم جیسے کسی نے نشتر چھو یا۔ ایسا لگا کہ ایان سے تارہ متاثر ہے۔ وہ

چپ سی ہو گئیں۔ مگر تیسرے دن شام کو تارہ کی ماں اور عافی اسے لینے آئیں تو انہوں نے باتوں باتوں میں ہما بیگم سے درخواست کی کہ تارہ کا رشتہ خود کہیں کرادیں ان کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس بات نے ان کا رہا سہا سکون

چھین لیا۔ ہما بیگم کا دل دوسو سو سے بھر گیا۔ نظا ہر اشیات میں گردن ہلا دی۔ مگر دل ہی دل میں وہ ابھین کا شکار تھیں۔

باری صاحب کو بھی محسوس ہو رہا تھا مگر انہوں نے کچھ وقت ہما بیگم کو دانستہ دیا تا کہ وہ خود جب مناسب سمجھیں بتا دیں۔ پھر ایسا ہی ہوا۔۔۔۔۔ عشاء کی نماز پڑھ کر انہوں نے معمول کے مطابق بیچ پڑھی اور پھر باری صاحب کے ہاتھ سے ریوٹ لے کر نئی وی بند کر دیا۔ وہ متوجہ ہوئے۔

”جی فرمائیے۔۔۔۔۔“

”آپ کے آفس میں کوئی کلرک کوئی بندہ ایسا ہے جو غیر شادی شدہ ہو؟“ وہ بے ربط سا بول گئیں۔ باری صاحب کے چہرے پر حیرت نمایاں ہوئی۔ پھر لبوں پر شریں سا ہنس گیا۔

”بیگم آپ بھول رہی ہیں کہ آپ شادی شدہ ہیں۔“

”جو معنی جیلے پر ہما بیگم کا بارہ چڑھ گیا۔“

”ہوش کے ناخن لیں جو منہ میں آتا ہے اول فوٹل بک دیتے ہیں۔“

”بات ہی ایسی پوچھی ہے آپ نے۔۔۔۔۔“

”دراصل تارہ کی ماں چاہتی ہے کہ کسی اچھی جگہ اس کا رشتہ کرادیں۔ بیوہ عورت ہے کوئی پرسان حال نہیں۔“

جوان بچی ہے۔ نیکی کا کام ہے۔“ وہ چاہتی تو بہت کچھ تھیں، مگر اختصار سے بات کی۔ باری صاحب اصل بات سمجھ گئے۔

”بیگم..... ہمارا چھوٹا سا کاروبار ہے، تھوڑے سے ملازم ہیں، ان میں تمہارا لیان ہی غیر شادی شدہ ہے ایک بس۔“

”اوہو..... فضول بات۔“ وہ بگڑیں۔

”بہترین حل یہ ہے کہ تارہ کو فارغ کر دو اور دوسرا ملازم رکھ لو ایک دو جتنے چاہو تارہ کی طرف سے جو فکر ہے اس کا یہی حل ہے، نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔“ باری صاحب نے حل نکالا۔

”ارے ایک غریب بچی کو بے روزگار کر دوں، کتنی مصیبت میں پڑ جائے گی۔“

”بہت سے گھر ہیں کوئی نہ کوئی ملازم رکھ لے گا۔“ کسی کے گھر کا کیا بھروسہ، میرے دل میں اللہ کا خوف ہے۔“ وہ بولیں۔

”پھر اللہ پر بھروسہ رکھو، تمہارا بیٹا اتنا بھی احمق نہیں۔“ باری صاحب نے بڑی گہری بات کر دی تھی۔



چند دن انہوں نے خود کو سمجھایا بجھایا۔ تارہ کے طور طریقے معمول کے مطابق تھے انہیں ذرا اطمینان ہوا مگر اب یہ ان کا مشن بن گیا تھا کہ تارہ کی اچھی جگہ شادی کرائی ہے۔ اسی حوالے سے وہ اپنی کالونی کے سامنے والی کالونی میں مسز الیاس سے ملنے چلی گئیں۔ مسز الیاس کا میرج ہیرو تھا۔ پہلے تو مسز الیاس کو لگا کہ وہ لیان کے لیے رشتہ چاہتی ہیں لیکن پھر ملازمہ کا بتایا تو انہیں حیرت کے ساتھ خوشی ہوئی کہ آج کے دور میں اپنے ملازمین کے حوالے سے دردمند دل رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ انہوں نے یقیناً وہابی کرائی کہ وہ ضرور کوئی رشتہ تلاش کر دیں گی۔

ہما بیگم نے یہ کام کر کے خود کو کے ٹوکی چوٹی سر کرنے والی خاتون سمجھا وہ بہت خوش تھیں کہ انہوں نے نیکی کا

کام کیا ہے مگر جب گھر پہنچیں تو ان کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ تارہ لیان کا سرداری تھی۔ وہ بیڈ پر آکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔

”یہ..... وہ..... چھوٹے صاحب کو بخار ہے۔“ ”تم کیا کر رہی تھیں۔“ انہیں شدید غصہ آ گیا۔ ”ماما..... میں نے سردبانے کو کہا تھا۔ بہت شدید درد ہے۔“ لیان نے صفائی دی۔

”اس کا مطلب یہ نہیں، چلو جاؤ تم باہر۔“ انہیں تارہ پر پہلی مرتبہ شدید غصہ آیا۔

”تم نے ملازمہ کو سر پر بٹھالیا، حد کرتے ہوؤ اکثر کو بلا لیتے، سردی گولی کھا لیتے۔“ ہما بیگم کا پیش عروج پر تھا۔ ”کیا ہو گیا ملازمہ سرد بانے تو گناہ ہے؟“ لیان بھی چلا اٹھا۔

”یہی سمجھ لو جوان ملازمہ کی ذمہ داری ہوتی ہے، بس آئندہ خیال رکھنا۔“ انہوں نے خوب سختی سے تاکید کی۔

تارہ پر اگلے چار چھ دن اس واقعہ کا بہت اثر رہا۔ اچانک طبیعت کے ساتھ کام کرنی رہی پھر دبے دبے لفظوں میں کام چھوڑنے کا عندیہ دیا تو ہما بیگم کے دل میں کھد بد ہونے لگی۔ گھر کا کام کرنا ان کے بس کا روگ نہیں تھا..... زیادہ ملازم رکھنے کے وہ حق میں نہیں تھیں۔ ان کے خیال میں سادہ سی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ملازمہ کافی ہوتی ہے۔ بہت پریشانی زندگی بسر کرنے کے لیے زیادہ ملازمین کی فوج درکار ہوتی ہے۔ ان کے ہاں تو بس ایک چوکیدار اور ایک گھر کی ملازمہ کی ضرورت تھی۔ طاہرہ سے تنگ آ کر اسے ہمدردی کی بنیاد پر کام دیا۔ مگر اب اس کی طرف سے فکر لاحق ہو گئی تھی۔

ہما بیگم کا مزاج بھی تو غیر متعادل تھا۔ رحم بھی کھانا اور پھر دوسوے اور تنگ کے ہاتھوں پریشان بھی رہتا۔ تارہ سے ہمدردی تھی اس کا خیال تھا مگر یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ لیان اس سے بے تکلف نہ ہو وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں کہ تارہ لیان کے سر ہانے بیٹھ کر سر دباے..... ان کے اس خیال سے باری صاحب بھی

متفق تھے۔ انہوں نے پھر یہی حل بتایا کہ..... تارہ کو فارغ کر دو۔

”ارے کہاں کام کرے گی؟“ وہ پریشانی سے بولیں۔

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“ ”باری صاحب، وہ گھر بیٹھ نہیں سکتی، پیسوں کی اشد ضرورت ہے اور کسی غلط گھر میں گئی تو.....؟“

”پھر بیٹھیں رکھو مگر پریشان ہونا چھوڑ دو۔“ باری صاحب چڑ سے گئے۔

”اسی لیے تو چاہتی ہوں کہ لیان کی جلد شادی ہو جائے۔“

”لیان پر شک کرنا چھوڑ دو۔“

”ایک تو لیان اب بھی کوئٹہ جا کر بیٹھ گئیں۔“

”فون کر لو جلد آئے گا کہہ دو۔“ وہ یہ کہہ کر چل دیے اور ہما بیگم پھر بھی اس ذہنی الجھن میں پڑا گئیں کہ تارہ کے لیے کیا کیا جائے۔



دو پہر شاہین اور رمضہ انہیں زبردستی اپنے ساتھ شاپنگ کے لیے ساتھ لے گئیں۔ انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی تارہ کو تنہا گھر میں چھوڑا اور اسے محتاط رہنے کی سخت تاکید کی ویسے بھی انہیں اندازہ تھا کہ لیان اور باری صاحب چار بجے کے بعد ہی آفس سے گھر آتے ہیں۔ بڑی بے دلی سے انہوں نے شاپنگ کی۔ تین بج رہے تھے جب وہ گھر پہنچیں۔ باری صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ تارہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔

”صاحب کب آئے.....؟“

”جی ابھی کچھ دیر پہلے۔“

”کھانا کھالیا انہوں نے؟“

”جی نہیں، چھوٹے صاحب نے کھالیا ہے۔“

”مطلب لیان آیا تھا.....؟“ وہ چونکیں۔

”جی میں نے کھانا لگا دیا تھا۔“ وہ بولی۔

”لیان.....!“ وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے

ششدری کھڑی رہ گئیں۔ یہ بالکل غیر معمولی بات تھی ”ٹھیک ہے کھانا لگاؤ۔“ وہ کچھ سختی سے کہہ کر باری صاحب کے پاس آ گئیں..... وہ آنکھیں مومندے لیے تھے..... وہ شش و پنج میں چادر اٹھا کر اور اپنا پرس اوڑھ لیا.....

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“

”باری صاحب، وہ گھر بیٹھ نہیں سکتی، پیسوں کی اشد ضرورت ہے اور کسی غلط گھر میں گئی تو.....؟“

”پھر بیٹھیں رکھو مگر پریشان ہونا چھوڑ دو۔“ باری صاحب چڑ سے گئے۔

”اسی لیے تو چاہتی ہوں کہ لیان کی جلد شادی ہو جائے۔“

”لیان پر شک کرنا چھوڑ دو۔“

”ایک تو لیان اب بھی کوئٹہ جا کر بیٹھ گئیں۔“

”فون کر لو جلد آئے گا کہہ دو۔“ وہ یہ کہہ کر چل دیے اور ہما بیگم پھر بھی اس ذہنی الجھن میں پڑا گئیں کہ تارہ کے لیے کیا کیا جائے۔



دو پہر شاہین اور رمضہ انہیں زبردستی اپنے ساتھ شاپنگ کے لیے ساتھ لے گئیں۔ انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی تارہ کو تنہا گھر میں چھوڑا اور اسے محتاط رہنے کی سخت تاکید کی ویسے بھی انہیں اندازہ تھا کہ لیان اور باری صاحب چار بجے کے بعد ہی آفس سے گھر آتے ہیں۔ بڑی بے دلی سے انہوں نے شاپنگ کی۔ تین بج رہے تھے جب وہ گھر پہنچیں۔ باری صاحب اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ تارہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔

”صاحب کب آئے.....؟“

”جی ابھی کچھ دیر پہلے۔“

”کھانا کھالیا انہوں نے؟“

”جی نہیں، چھوٹے صاحب نے کھالیا ہے۔“

”مطلب لیان آیا تھا.....؟“ وہ چونکیں۔

”جی میں نے کھانا لگا دیا تھا۔“ وہ بولی۔

”لیان.....!“ وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے

ششدری کھڑی رہ گئیں۔ یہ بالکل غیر معمولی بات تھی ”ٹھیک ہے کھانا لگاؤ۔“ وہ کچھ سختی سے کہہ کر باری صاحب کے پاس آ گئیں..... وہ آنکھیں مومندے لیے تھے..... وہ شش و پنج میں چادر اٹھا کر اور اپنا پرس اوڑھ لیا.....

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“

”باری صاحب، وہ گھر بیٹھ نہیں سکتی، پیسوں کی اشد ضرورت ہے اور کسی غلط گھر میں گئی تو.....؟“

”پھر بیٹھیں رکھو مگر پریشان ہونا چھوڑ دو۔“ باری صاحب چڑ سے گئے۔

”ماما..... بلا وجہ آپ نے ظلم کیا ہے یا تو پہلے رکھتی ہی نہیں۔“

”ارے تمہاری ماما کو یہ فکر لگ گئی کہ کہیں تم رمشہ کو ریجنکٹ نہ کرو۔“ باری صاحب نے جملایا۔

”وہ تو میں کر چکا ہوں اور میرے لیے ایسی بات سوچی بھی کیسے.....؟“ ایان غصے میں آ گیا۔

”میں ماں ہوں! اپنی اولاد کی بہتری چاہتی ہے۔“ انہوں نے ٹکڑک لہجے میں کہا۔ ایان بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ وہ کربھی کیا سکتا تھا۔ ہما بیگم نے سکھ کا سانس لیا۔

تارہ کو نکال کر جیسے ایان کو مورچا بند کر دیا۔ ان کو پُر سکون نیند آئی لیکن ہول تو اس وقت اٹھے جب صبح سے دوپہر ہو گئی اور حیدرہ کام کے لیے نہ آئی! انہیں سب کام خود کرنے پڑے ساتھ ساتھ حیدرہ کو برا بھلا بھی کہتی رہیں۔

شام کو باری صاحب کو رواد سنانا ہی چاہتی تھیں کہ انہوں نے ان کا ٹرین کا ٹکٹ سامنے رکھ دیا۔ وہ حیران ہوئیں مگر انہوں نے حیرت دور کر دی۔

”تیاری کرو! رات کو ٹرین سے کوئٹہ جانا ہے! اماں سڑھیوں سے گر گئی ہیں فریج پھر ہو گیا ہے۔ عارفہ اکیلے تو نہیں سنبھال سکتی اس کی حالت تم تو جانتی ہو۔“ انہوں نے نذرہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

”مگر.....“

”اگر مگر کیا؟ بس جانا ہے۔“ باری صاحب بہت سنجیدگی سے بولے۔

”میں اکیلی ٹرین سے.....!“

”فلائٹ کوئی مل نہ سکی اور اکیلے میں کیا مسئلہ ہے ایان تمہیں چھوڑ کر آئے گا۔ میں اتنا لمبا سفر کر نہیں سکتا۔“ وہ بولے۔ ہما بیگم جانے پر رضا مند تو ہوئیں لیکن بڑبڑاہٹ میں غصہ شامل تھا۔

”اتنے دن سے بلارہے تھے اب مصیبت میں ڈال کر خوش ہیں بی! اماں۔“

نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں جانے کی تیاری کرنا پڑی! مگر ایان نے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی

کلائنٹ کے ساتھ بزنس میٹنگ تھی۔ مجبوراً ہما بیگم کو ٹرین میں بٹھا دیا گیا۔ وہ جانور ہی تھیں لیکن دل گھر میں ہی اٹکا ہوا تھا۔ بس ذرا سی تسلی تھی کہ حیدرہ سب کچھ سنبھال لے گی..... دو چار روز میں بی اماں کو جہاز کے ذریعے لے آئیں گی مگر یہ محض ان کی سوچ رہی۔

بی اماں کا آپریشن ہوا تھا۔ وہ توکل بھی نہیں سکتی تھیں۔ اسپتال میں تھیں..... عارفہ بے چاری پورے دنوں سے تھی۔ یہ تو بھلا ہو چکے کہ عارفہ کے میاں کو چار چھ ملازم ملے ہوئے تھے۔ عارفہ سے خود تو ہلنا جلنا دشوار تھا لیکن ملازمین سب کام دیکھ رہے تھے۔ بی اماں کے پاس کسی کا ہونا ضروری تھا۔ انہیں اسپتال میں ٹھہرنا تھا۔ وہ سفر کی تنگن بھی نہیں اتار سکتیں۔ یہاں تک کہ باری صاحب کو یا ایان کو فون تک نہیں کر سکتیں۔ باری صاحب نے خود بی اماں کی خبریت معلوم کی تو انہوں نے حال احوال پوچھا۔

”باقی سب تو ٹھیک ہے تمہاری حیدرہ بیگم ایک دن کے بعد سے نہیں آ رہیں.....“ باری صاحب نے بتایا۔

”ہیں.....! کیوں؟“

”مجھے کیا پتا خیر تم پریشان نہ ہو چوکیدار کی بیوی ریشم کھانا پکا کر بیچ دیتی ہے۔“ باری صاحب نے حسب عادت بڑا عام سا انداز رکھا اور فون بند کر دیا۔ بات ادھوری رہ گئی تھی۔

”حیدرہ کو کیا موت پڑ گئی؟ کوئی کھانا ہی تو مسئلہ نہیں ہوتا پورا گھر باپ بیٹوں نے کہا خانہ بنادیا ہوگا۔ عارفہ نے تسلی دی۔

”بھائی! ایک ملازمہ پر بھلا گھر چلتے ہیں کیا؟ ماشاء اللہ بزنس میں کاکھر ہے چار پانچ ملازم تو ہونے چاہیں۔“

”ایک ملازمہ کی اور چوکیدار کی ذمہ داری اٹھالوں تو بڑی بات ہے زیادہ ملازم تو دوسرے بن جائیں گے۔“

عارفہ نے مزید بحث غیر ضروری سمجھی کیونکہ وہ ہما بیگم کی سوچ سے بخوبی واقف تھی۔

بی اماں کو اسپتال سے گھر منتقل کر دیا گیا مگر ابھی بہت احتیاط کی ضرورت تھی۔ انہوں نے ایان سے ذکر کیا تو اس

ماما..... کوئی بات نہیں ہم بچے تو نہیں ہیں اور کچھ..... آپ کے گھر کو۔“

”دارالقرآن جا کر حیدرہ کا پتا تو کرتا تھا۔“

”نفع کریں حیدرہ کو ہمیں کوئی پراہلیم نہیں ہے چوکیدار کی بیوی ریشم کو پیسے دیے تھے بابا نے اس نے سب کچھ صفائی وغیرہ بھی کر دی۔“ ایان

”الی! تو ہمیشہ سے تھا۔“

”تو کیا میں یہیں بیٹھی رہوں.....؟“

”عامر انکل سے کہیں جہاز کی ٹکٹ کرا دیں یا پھر باپ سے کراتا ہوں مگر بی اماں کے ڈاکٹر سے پہلے..... ہم وہاں بار بار جانا نہیں سکتے۔“

”ارے ہمارے لاہور میں ڈاکٹرز ہسپتال پر ہیں..... وہ اشتعال میں آ گئیں۔“

”پتلیں پھر میں کچھ کرتا ہوں آپ تیاری رکھیں۔“

ایان کی تسلی کے باوجود ان پر عجیب قسم کی پریشانی لاری تھی۔ کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ گھڑی کی ہدفائی میں اڑ کر گھر پہنچنا چاہتی تھیں مگر ایان نے ایک مزید مزید گزاردیا۔ آٹھویں دن اطلاع دی۔

”آن لائن ٹکٹ مل گئے ہیں۔ کل صبح دس بجے کی فلائٹ ہے۔“ انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ سب تیاری مکمل تھی۔ اگلی صبح عامر اور ڈرائیور انہیں ایئر پورٹ پہنچانے آئے۔ اللہ اللہ کر کے سفر طے پایا۔ لاہور ایئر پورٹ پر ایان اور باری صاحب لینے آئے تھے بی اماں کو گھر لانے کے بعد ہما بیگم تو جیسے سکتے میں آ گئیں.....

گھر کی تو بہت بری حالت ہو گئی تھی۔ ہر چیز پر دھول مٹی سے اپنی پڑی تھی..... کچن میں گندے برتنوں کا ڈھیر ہمارے پرگری ہوئی چائے دودھ اور تیل کے باعث جیسے کوئی انتہائی چڑھ گیا تھا۔ میلی بستر کی چادریں گندے ہوئیں..... وہ تو چکر اسی لگیں۔

”کوئی جا کر تو دیکھتا محسوس ماری حیدرہ کو کم بخت چاند چلی گئی ہے کیا؟“ وہ جھاڑن سے گرد جھاڑتی جا رہی

تھیں اور بول رہی تھیں۔ مگر ان کی بات سننے کو کوئی موجود ہی نہیں تھا! دونوں باپ بیٹا تو جا چکے تھے۔ انہیں اس بات پر اور بھی غصہ آیا۔ چوکیدار سے کہہ کر اس کی بیوی ریشم کو بلایا۔ فرش دھونے کا کام اسے دیا اور خود چارواڑھ کر ارادہ کر ہی رہی تھیں۔ مغلہ باجی سے جا کر ماں بیٹیوں کا پتا کیا کریں کہ چوکیدار نے گیٹ پر آنے کو کہا..... وہ تیز قدموں سے باہر نکلیں تو مشہد وکیل صاحب کو موجود پایا۔

”السلام علیکم بھائی صاحب! یہ مٹھائی اور نکاح نامہ کی کاپی آپ کے لیے ہے۔“ مشہد صاحب نے مسکراتے ہوئے مٹھائی کا ڈبہ اور ایک سفید فائل ان کے ہاتھ میں

تھمائی۔

”جی.....؟“

”آپ نے میرے گھر میں عورت نہ ہونے کے باعث ملازمہ کو غیر محفوظ سمجھا تھا۔ آپ کے اپنے شوہر نے اسی لیے تارہ سے نکاح کر کے اسے اس کی ماں اور بہن کو محفوظ گھر دے دیا ہے..... یقیناً نہیں تو فائل کھول کر دیکھ لیں۔ آپ غلطی پر تھیں تارہ آپ کے ہاں غیر محفوظ تھی بابا!.....!“ مشہد صاحب کا قہقہہ انہیں چاروں سمت گونجنے لگا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

ان کا خدشہ درست نکلا تھا مگر اس کا روپ بدل گیا تھا۔ وہ سر تھام کر وہیں بیٹھ گئی تھیں۔

✽

عشق سفر کی دھول

نازیہ کنول نازی

حصہ دوم

ہم	موم	کی	سیڑھی	پہ	کھڑے	سوچ	رہے	ہیں
سورج	سے	بناوٹ	کا	صلہ	کیسے	ملے	گا	
اب	دیکھنا	یہ	ہے	کہ	رضا	کچے	گھڑے	کو
دریا	سے	محبت	کا	صلہ	کیسے	ملے	گا	



دے لے۔ اسی سلسلے میں پرنسپل صاحب سے لمبی گفت و شنید کے بعد انہوں نے امر حسین اور اسے پرنسپل صاحب کے آفس میں طلب کیا تھا۔ پرنسپل آفس میں اس وقت وہ بے حد خاموش اور مقوم کھڑا تھا جب کہ اس سے کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر امر حسین بھی وہیں موجود تھی۔ مگر اس کا چہرہ بے حد سکون اور مطمئن تھا۔

پرنسپل سمیت ایزد کے تمام اساتذہ بے حد حیران تھے کہ عین امتحانات کے نزدیک بھلا ایزد جیسے لائق فائق طالب علم نے اتنی گری ہوئی حرکت کیوں کی حالات و واقعات ان کے سامنے تھے کسی قسم کی غلط فہمی یا شک کی گنجائش ہی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ تاہم پھر بھی وہ وجہ جاننا چاہتے تھے تب ہی ان دونوں کو آفس میں بلوایا تھا۔

سر حنفی نے امر حسین سے پوچھا۔
”تم جانتی ہو امر حسین کہ ایزد ایک نہایت شریف، سلیھا ہوا اور ذہین لڑکا ہے آج تک بھی یونیورسٹی کی کسی لڑکی نے اس کے کردار یا غلط چال چلن کی شکایت نہیں کی؟ پھر جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا کیا وجہ تھی اس کی؟“

”میں نہیں جانتی سر آپ کی طرح میں نے بھی کبھی اس شخص کے بارے میں غلط نہیں سوچا مگر پچھلے کچھ دنوں سے یہ بلا وجہ مجھے تنگ کر رہا تھا، کبھی راہ روک کر کھڑا ہو جاتا، کبھی ہاتھ پکڑ لیتا، میں اگر چپ رہی تو صرف اس وجہ سے کہ یونیورسٹی میں بات کا متعلق نہ بن جائے مگر کل تو حد ہی ہو گئی سر.....“ اتنا کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا گئی تھی۔

ایزد نے ضبط سے منھیاں بھیج لیں۔
”کیا ہوا کل؟“ پرنسپل صاحب نے پوچھا۔ امر حسین کا چہرہ جو تھوڑی دیر پہلے تک مطمئن اور پرسکون تھا۔ اب ایک دم آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔

”کل یونیورسٹی کے گیٹ پر میرا راستہ روک کر اس شخص نے مجھے دھمکی دی کہ میں عمر سعید کی حمایت چھوڑ دوں نہیں تو یہ مجھے یونیورسٹی میں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑے گا“ میں نے اس کی دھمکی کو اس کی بھڑک سمجھا مگر

۱۔ ایشور.....
۲۔ دوس کرنے دو
۳۔ ہاں آن پہنچی ہے مجھے تم سے پچھڑنا ہے
۴۔ ہماری مسکراہٹ گفتگو خاموشیاں سب بھلانا ہے
۵۔ ہمارے ساتھ گزرتے صد لیں لمحوں کو
۶۔ اس دل میں بسانا ہے
۷۔ ہماری خواب سی آنکھوں میں
۸۔ اے عکس کی پرچھائی کو محسوس کرنے دو
۹۔ ایشور.....
۱۰۔ مجھے محسوس کرنے دو

۱۱۔ ایت سے بھرے لمحے پچھڑتے وقت کے قصے
۱۲۔ جب خاموش آنکھوں کے کناروں پر
۱۳۔ محبت جل رہی ہوگی
۱۴۔ لٹی جملے لہروں کی کپکپاہٹ سے ہی
۱۵۔ پتھر ہو رہے ہوں گے
۱۶۔ جیسے ان پتھروں میں عین کرتی چینی گویائی کو
۱۷۔ محسوس کرنے دو
۱۸۔ مجھے تنہائی کو محسوس کرنے دو
۱۹۔ ایشور.....
۲۰۔ مجھے محسوس کرنے دو تمہارے بعد کا منظر.....

۲۱۔ دل برداد کا منظر.....
۲۲۔ جہاں پر آرزوؤں کے جواں لاشوں یہ کوئی اور نہ ہوگا
۲۳۔ جہاں قسمت محبت کی کہانی میں جدائی لکھ رہی ہوگی
۲۴۔ مجھے ان سب لمحوں میں سسکتے درد کی گہرائی کو
۲۵۔ محسوس کرنے دو.....

۲۶۔ ایشور.....
۲۷۔ ایشور مجھے تنہائی کو محسوس کرنے دو
۲۸۔
۲۹۔ یونیورسٹی سے ایزد سن کو بے دخل کیے جانے کا فیصلہ
۳۰۔ لے پا چکا تھا۔

۳۱۔ سر حنفی اس کے مستقبل کے حوالے سے بے حد
۳۲۔ ایشان تھے تب ہی ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ وہ امتحان

۳۳۔
۳۴۔
۳۵۔
۳۶۔
۳۷۔
۳۸۔
۳۹۔
۴۰۔
۴۱۔
۴۲۔
۴۳۔
۴۴۔
۴۵۔
۴۶۔
۴۷۔
۴۸۔
۴۹۔
۵۰۔
۵۱۔
۵۲۔
۵۳۔
۵۴۔
۵۵۔
۵۶۔
۵۷۔
۵۸۔
۵۹۔
۶۰۔
۶۱۔
۶۲۔
۶۳۔
۶۴۔
۶۵۔
۶۶۔
۶۷۔
۶۸۔
۶۹۔
۷۰۔
۷۱۔
۷۲۔
۷۳۔
۷۴۔
۷۵۔
۷۶۔
۷۷۔
۷۸۔
۷۹۔
۸۰۔
۸۱۔
۸۲۔
۸۳۔
۸۴۔
۸۵۔
۸۶۔
۸۷۔
۸۸۔
۸۹۔
۹۰۔
۹۱۔
۹۲۔
۹۳۔
۹۴۔
۹۵۔
۹۶۔
۹۷۔
۹۸۔
۹۹۔
۱۰۰۔
۱۰۱۔
۱۰۲۔
۱۰۳۔
۱۰۴۔
۱۰۵۔
۱۰۶۔
۱۰۷۔
۱۰۸۔
۱۰۹۔
۱۱۰۔
۱۱۱۔
۱۱۲۔
۱۱۳۔
۱۱۴۔
۱۱۵۔
۱۱۶۔
۱۱۷۔
۱۱۸۔
۱۱۹۔
۱۲۰۔
۱۲۱۔
۱۲۲۔
۱۲۳۔
۱۲۴۔
۱۲۵۔
۱۲۶۔
۱۲۷۔
۱۲۸۔
۱۲۹۔
۱۳۰۔
۱۳۱۔
۱۳۲۔
۱۳۳۔
۱۳۴۔
۱۳۵۔
۱۳۶۔
۱۳۷۔
۱۳۸۔
۱۳۹۔
۱۴۰۔
۱۴۱۔
۱۴۲۔
۱۴۳۔
۱۴۴۔
۱۴۵۔
۱۴۶۔
۱۴۷۔
۱۴۸۔
۱۴۹۔
۱۵۰۔
۱۵۱۔
۱۵۲۔
۱۵۳۔
۱۵۴۔
۱۵۵۔
۱۵۶۔
۱۵۷۔
۱۵۸۔
۱۵۹۔
۱۶۰۔
۱۶۱۔
۱۶۲۔
۱۶۳۔
۱۶۴۔
۱۶۵۔
۱۶۶۔
۱۶۷۔
۱۶۸۔
۱۶۹۔
۱۷۰۔
۱۷۱۔
۱۷۲۔
۱۷۳۔
۱۷۴۔
۱۷۵۔
۱۷۶۔
۱۷۷۔
۱۷۸۔
۱۷۹۔
۱۸۰۔
۱۸۱۔
۱۸۲۔
۱۸۳۔
۱۸۴۔
۱۸۵۔
۱۸۶۔
۱۸۷۔
۱۸۸۔
۱۸۹۔
۱۹۰۔
۱۹۱۔
۱۹۲۔
۱۹۳۔
۱۹۴۔
۱۹۵۔
۱۹۶۔
۱۹۷۔
۱۹۸۔
۱۹۹۔
۲۰۰۔
۲۰۱۔
۲۰۲۔
۲۰۳۔
۲۰۴۔
۲۰۵۔
۲۰۶۔
۲۰۷۔
۲۰۸۔
۲۰۹۔
۲۱۰۔
۲۱۱۔
۲۱۲۔
۲۱۳۔
۲۱۴۔
۲۱۵۔
۲۱۶۔
۲۱۷۔
۲۱۸۔
۲۱۹۔
۲۲۰۔
۲۲۱۔
۲۲۲۔
۲۲۳۔
۲۲۴۔
۲۲۵۔
۲۲۶۔
۲۲۷۔
۲۲۸۔
۲۲۹۔
۲۳۰۔
۲۳۱۔
۲۳۲۔
۲۳۳۔
۲۳۴۔
۲۳۵۔
۲۳۶۔
۲۳۷۔
۲۳۸۔
۲۳۹۔
۲۴۰۔
۲۴۱۔
۲۴۲۔
۲۴۳۔
۲۴۴۔
۲۴۵۔
۲۴۶۔
۲۴۷۔
۲۴۸۔
۲۴۹۔
۲۵۰۔
۲۵۱۔
۲۵۲۔
۲۵۳۔
۲۵۴۔
۲۵۵۔
۲۵۶۔
۲۵۷۔
۲۵۸۔
۲۵۹۔
۲۶۰۔
۲۶۱۔
۲۶۲۔
۲۶۳۔
۲۶۴۔
۲۶۵۔
۲۶۶۔
۲۶۷۔
۲۶۸۔
۲۶۹۔
۲۷۰۔
۲۷۱۔
۲۷۲۔
۲۷۳۔
۲۷۴۔
۲۷۵۔
۲۷۶۔
۲۷۷۔
۲۷۸۔
۲۷۹۔
۲۸۰۔
۲۸۱۔
۲۸۲۔
۲۸۳۔
۲۸۴۔
۲۸۵۔
۲۸۶۔
۲۸۷۔
۲۸۸۔
۲۸۹۔
۲۹۰۔
۲۹۱۔
۲۹۲۔
۲۹۳۔
۲۹۴۔
۲۹۵۔
۲۹۶۔
۲۹۷۔
۲۹۸۔
۲۹۹۔
۳۰۰۔
۳۰۱۔
۳۰۲۔
۳۰۳۔
۳۰۴۔
۳۰۵۔
۳۰۶۔
۳۰۷۔
۳۰۸۔
۳۰۹۔
۳۱۰۔
۳۱۱۔
۳۱۲۔
۳۱۳۔
۳۱۴۔
۳۱۵۔
۳۱۶۔
۳۱۷۔
۳۱۸۔
۳۱۹۔
۳۲۰۔
۳۲۱۔
۳۲۲۔
۳۲۳۔
۳۲۴۔
۳۲۵۔
۳۲۶۔
۳۲۷۔
۳۲۸۔
۳۲۹۔
۳۳۰۔
۳۳۱۔
۳۳۲۔
۳۳۳۔
۳۳۴۔
۳۳۵۔
۳۳۶۔
۳۳۷۔
۳۳۸۔
۳۳۹۔
۳۴۰۔
۳۴۱۔
۳۴۲۔
۳۴۳۔
۳۴۴۔
۳۴۵۔
۳۴۶۔
۳۴۷۔
۳۴۸۔
۳۴۹۔
۳۵۰۔
۳۵۱۔
۳۵۲۔
۳۵۳۔
۳۵۴۔
۳۵۵۔
۳۵۶۔
۳۵۷۔
۳۵۸۔
۳۵۹۔
۳۶۰۔
۳۶۱۔
۳۶۲۔
۳۶۳۔
۳۶۴۔
۳۶۵۔
۳۶۶۔
۳۶۷۔
۳۶۸۔
۳۶۹۔
۳۷۰۔
۳۷۱۔
۳۷۲۔
۳۷۳۔
۳۷۴۔
۳۷۵۔
۳۷۶۔
۳۷۷۔
۳۷۸۔
۳۷۹۔
۳۸۰۔
۳۸۱۔
۳۸۲۔
۳۸۳۔
۳۸۴۔
۳۸۵۔
۳۸۶۔
۳۸۷۔
۳۸۸۔
۳۸۹۔
۳۹۰۔
۳۹۱۔
۳۹۲۔
۳۹۳۔
۳۹۴۔
۳۹۵۔
۳۹۶۔
۳۹۷۔
۳۹۸۔
۳۹۹۔
۴۰۰۔
۴۰۱۔
۴۰۲۔
۴۰۳۔
۴۰۴۔
۴۰۵۔
۴۰۶۔
۴۰۷۔
۴۰۸۔
۴۰۹۔
۴۱۰۔
۴۱۱۔
۴۱۲۔
۴۱۳۔
۴۱۴۔
۴۱۵۔
۴۱۶۔
۴۱۷۔
۴۱۸۔
۴۱۹۔
۴۲۰۔
۴۲۱۔
۴۲۲۔
۴۲۳۔
۴۲۴۔
۴۲۵۔
۴۲۶۔
۴۲۷۔
۴۲۸۔
۴۲۹۔
۴۳۰۔
۴۳۱۔
۴۳۲۔
۴۳۳۔
۴۳۴۔
۴۳۵۔
۴۳۶۔
۴۳۷۔
۴۳۸۔
۴۳۹۔
۴۴۰۔
۴۴۱۔
۴۴۲۔
۴۴۳۔
۴۴۴۔
۴۴۵۔
۴۴۶۔
۴۴۷۔
۴۴۸۔
۴۴۹۔
۴۵۰۔
۴۵۱۔
۴۵۲۔
۴۵۳۔
۴۵۴۔
۴۵۵۔
۴۵۶۔
۴۵۷۔
۴۵۸۔
۴۵۹۔
۴۶۰۔
۴۶۱۔
۴۶۲۔
۴۶۳۔
۴۶۴۔
۴۶۵۔
۴۶۶۔
۴۶۷۔
۴۶۸۔
۴۶۹۔
۴۷۰۔
۴۷۱۔
۴۷۲۔
۴۷۳۔
۴۷۴۔
۴۷۵۔
۴۷۶۔
۴۷۷۔
۴۷۸۔
۴۷۹۔
۴۸۰۔
۴۸۱۔
۴۸۲۔
۴۸۳۔
۴۸۴۔
۴۸۵۔
۴۸۶۔
۴۸۷۔
۴۸۸۔
۴۸۹۔
۴۹۰۔
۴۹۱۔
۴۹۲۔
۴۹۳۔
۴۹۴۔
۴۹۵۔
۴۹۶۔
۴۹۷۔
۴۹۸۔
۴۹۹۔
۵۰۰۔
۵۰۱۔
۵۰۲۔
۵۰۳۔
۵۰۴۔
۵۰۵۔
۵۰۶۔
۵۰۷۔
۵۰۸۔
۵۰۹۔
۵۱۰۔
۵۱۱۔
۵۱۲۔
۵۱۳۔
۵۱۴۔
۵۱۵۔
۵۱۶۔
۵۱۷۔
۵۱۸۔
۵۱۹۔
۵۲۰۔
۵۲۱۔
۵۲۲۔
۵۲۳۔
۵۲۴۔
۵۲۵۔
۵۲۶۔
۵۲۷۔
۵۲۸۔
۵۲۹۔
۵۳۰۔
۵۳۱۔
۵۳۲۔
۵۳۳۔
۵۳۴۔
۵۳۵۔
۵۳۶۔
۵۳۷۔
۵۳۸۔
۵۳۹۔
۵۴۰۔
۵۴۱۔
۵۴۲۔
۵۴۳۔
۵۴۴۔
۵۴۵۔
۵۴۶۔
۵۴۷۔
۵۴۸۔
۵۴۹۔
۵۵۰۔
۵۵۱۔
۵۵۲۔
۵۵۳۔
۵۵۴۔
۵۵۵۔
۵۵۶۔
۵۵۷۔
۵۵۸۔
۵۵۹۔
۵۶۰۔
۵۶۱۔
۵۶۲۔
۵۶۳۔
۵۶۴۔
۵۶۵۔
۵۶۶۔
۵۶۷۔
۵۶۸۔
۵۶۹۔
۵۷۰۔
۵۷۱۔
۵۷۲۔
۵۷۳۔
۵۷۴۔
۵۷۵۔
۵۷۶۔
۵۷۷۔
۵۷۸۔
۵۷۹۔
۵۸۰۔
۵۸۱۔
۵۸۲۔
۵۸۳۔
۵۸۴۔
۵۸۵۔
۵۸۶۔
۵۸۷۔
۵۸۸۔
۵۸۹۔
۵۹۰۔
۵۹۱۔
۵۹۲۔
۵۹۳۔
۵۹۴۔
۵۹۵۔
۵۹۶۔
۵۹۷۔
۵۹۸۔
۵۹۹۔
۶۰۰۔
۶۰۱۔
۶۰۲۔
۶۰۳۔
۶۰۴۔
۶۰۵۔
۶۰۶۔
۶۰۷۔
۶۰۸۔
۶۰۹۔
۶۱۰۔
۶۱۱۔
۶۱۲۔
۶۱۳۔
۶۱۴۔
۶۱۵۔
۶۱۶۔
۶۱۷۔
۶۱۸۔
۶۱۹۔
۶۲۰۔
۶۲۱۔
۶۲۲۔
۶۲۳۔
۶۲۴۔
۶۲۵۔
۶۲۶۔
۶۲۷۔
۶۲۸۔
۶۲۹۔
۶۳۰۔
۶۳۱۔
۶۳۲۔
۶۳۳۔
۶۳۴۔
۶۳۵۔
۶۳۶۔
۶۳۷۔
۶۳۸۔
۶۳۹۔
۶۴۰۔
۶۴۱۔
۶۴۲۔
۶۴۳۔
۶۴۴۔
۶۴۵۔
۶۴۶۔
۶۴۷۔
۶۴۸۔
۶۴۹۔
۶۵۰۔
۶۵۱۔
۶۵۲۔
۶۵۳۔
۶۵۴۔
۶۵۵۔
۶۵۶۔
۶۵۷۔
۶۵۸۔
۶۵۹۔
۶۶۰۔
۶۶۱۔
۶۶۲۔
۶۶۳۔
۶۶۴۔
۶۶۵۔
۶۶۶۔
۶۶۷۔
۶۶۸۔
۶۶۹۔
۶۷۰۔
۶۷۱۔
۶۷۲۔
۶۷۳۔
۶۷۴۔
۶۷۵۔
۶۷۶۔
۶۷۷۔
۶۷۸۔
۶۷۹۔
۶۸۰۔
۶۸۱۔
۶۸۲۔
۶۸۳۔
۶۸۴۔
۶۸۵۔
۶۸۶۔
۶۸۷۔
۶۸۸۔
۶۸۹۔
۶۹۰۔
۶۹۱۔
۶۹۲۔
۶۹۳۔
۶۹۴۔
۶۹۵۔
۶۹۶۔
۶۹۷۔
۶۹۸۔
۶۹۹۔
۷۰۰۔
۷۰۱۔
۷۰۲۔
۷۰۳۔
۷۰۴۔
۷۰۵۔
۷۰۶۔
۷۰۷۔
۷۰۸۔
۷۰۹۔
۷۱۰۔
۷۱۱۔
۷۱۲۔
۷۱۳۔
۷۱۴۔
۷۱۵۔
۷۱۶۔
۷۱۷۔
۷۱۸۔
۷۱۹۔
۷۲۰۔
۷۲۱۔
۷۲۲۔
۷۲۳۔
۷۲۴۔
۷۲۵۔
۷۲۶۔
۷۲۷۔
۷۲۸۔
۷۲۹۔
۷۳۰۔
۷۳۱۔
۷۳۲۔
۷۳۳۔
۷۳۴۔
۷۳۵۔
۷۳۶۔
۷۳۷۔
۷۳۸۔
۷۳۹۔
۷۴۰۔
۷۴۱۔
۷۴۲۔
۷۴۳۔
۷۴۴۔
۷۴۵۔
۷۴۶۔
۷۴۷۔
۷۴۸۔
۷۴۹۔
۷۵۰۔
۷۵۱۔
۷۵۲۔
۷۵۳۔
۷۵۴۔
۷۵۵۔
۷۵۶۔
۷۵۷۔
۷۵۸۔
۷۵۹۔
۷۶۰۔
۷۶۱۔
۷۶۲۔
۷۶۳۔
۷۶۴۔
۷۶۵۔
۷۶۶۔
۷۶۷۔
۷۶۸۔
۷۶۹۔
۷۷۰۔
۷۷۱۔
۷۷۲۔
۷۷۳۔
۷۷۴۔
۷۷۵۔
۷۷۶۔
۷۷۷۔
۷۷۸۔
۷۷۹۔
۷۸۰۔
۷۸۱۔
۷۸۲۔
۷۸۳۔
۷۸۴۔
۷۸۵۔
۷۸۶۔
۷۸۷۔
۷۸۸۔
۷۸۹۔
۷۹۰۔
۷۹۱۔
۷۹۲۔
۷۹۳۔
۷۹۴۔
۷۹۵۔
۷۹۶۔
۷۹۷۔
۷۹۸۔
۷۹۹۔
۸۰۰۔
۸۰۱۔
۸۰۲۔
۸۰۳۔
۸۰۴۔
۸۰۵۔
۸۰۶۔
۸۰۷۔
۸۰۸۔
۸۰۹۔
۸۱۰۔
۸۱۱۔
۸۱۲۔
۸۱۳۔
۸۱۴۔
۸۱۵۔
۸۱۶۔
۸۱۷۔
۸۱۸۔
۸۱۹۔
۸۲۰۔
۸۲۱۔
۸۲۲۔
۸۲۳۔
۸۲۴۔
۸۲۵۔
۸۲۶۔
۸۲۷۔
۸۲۸۔
۸۲۹۔
۸۳۰۔
۸۳۱۔
۸۳۲۔
۸۳۳۔
۸۳۴۔
۸۳۵۔
۸۳۶۔
۸۳۷۔
۸۳۸۔
۸۳۹۔
۸۴۰۔
۸۴۱۔
۸۴۲۔
۸۴۳۔
۸۴۴۔
۸۴۵۔
۸۴۶۔
۸۴۷۔
۸۴۸۔
۸۴۹۔
۸۵۰۔
۸۵۱۔
۸۵۲۔
۸۵۳۔
۸۵۴۔
۸۵۵۔
۸۵۶۔
۸۵۷۔
۸۵۸۔
۸۵۹۔
۸۶۰۔
۸۶۱۔
۸۶۲۔
۸۶۳۔
۸۶۴۔
۸۶۵۔
۸۶۶۔
۸۶۷۔
۸۶۸۔
۸۶۹۔
۸۷۰۔
۸۷۱۔
۸۷۲۔
۸۷۳۔
۸۷۴۔
۸۷۵۔
۸۷۶۔
۸۷۷۔
۸۷۸۔
۸۷۹۔
۸۸۰۔
۸۸۱۔
۸۸۲۔
۸۸۳۔
۸۸۴۔
۸۸۵۔
۸۸۶۔
۸۸۷۔
۸۸۸۔
۸۸۹۔
۸۹۰۔
۸۹۱۔
۸۹۲۔
۸۹۳۔
۸۹۴۔
۸۹۵۔
۸۹۶۔
۸۹۷۔
۸۹۸۔
۸۹۹۔
۹۰۰۔
۹۰۱۔
۹۰۲۔
۹۰۳۔
۹۰۴۔
۹۰۵۔
۹۰۶۔
۹۰۷۔
۹۰۸۔
۹۰۹۔
۹۱۰۔
۹۱۱۔
۹۱۲۔
۹۱۳۔
۹۱۴۔
۹۱۵۔
۹۱۶۔
۹۱۷۔
۹۱۸۔
۹۱۹۔
۹۲۰۔
۹۲۱۔
۹۲۲۔
۹۲۳۔
۹۲۴۔
۹۲۵۔
۹۲۶۔
۹۲۷۔
۹۲۸۔
۹۲۹۔
۹۳۰۔
۹۳۱۔
۹۳۲۔
۹۳۳۔
۹۳۴۔
۹۳۵۔
۹۳۶۔
۹۳۷۔
۹۳۸۔
۹۳۹۔
۹۴۰۔
۹۴۱۔
۹۴۲۔
۹۴۳۔
۹۴۴۔
۹۴۵۔
۹۴۶۔
۹۴۷۔
۹۴۸۔
۹۴۹۔
۹۵۰۔
۹۵۱۔
۹۵۲۔
۹۵۳۔
۹۵۴۔
۹۵۵۔
۹۵۶۔
۹۵۷۔
۹۵۸۔
۹۵۹۔
۹۶۰۔
۹۶۱۔
۹۶۲۔
۹۶۳۔
۹۶۴۔
۹۶۵۔
۹۶۶۔
۹۶۷۔
۹

تلخ و شیریں

اس میں شک نہیں کہ باب ایک سائنس دان اور محقق ہی نہیں ایک بہترین دوست اور استاد بھی ہوتا ہے مگر کبھی زندگی کے طرہ میں وہ بہت جلد ساتھ چھوڑ جاتا ہے جس میں کبھی بڑی اولاد خواہی ہو یا بیٹا، امداد ہونے کا ثبوت دیتے ہیں، ہم بہنوں کے لیے ایک نیا سلسلہ ”تلخ و شیریں“ کے عنوان سے شروع کر رہے ہیں اس سلسلے میں وہ خاص خواہش اپنے تجربات تحریر کر کے بھیج سکتی ہیں جو باب یا شوہر کی عدم موجودگی میں چھوٹے بہن بھائیوں یا بچوں کی پرورش کے لیے میدان عمل میں آسکتی ہیں۔ وہ خاتونیں جو چھوٹے بچے پر ذاتی برسر کر رہی ہیں۔ کمزور شل کام یا محنت مزدوری کرتی ہیں وہ بھی اپنے تجربات سے آگاہ کر سکتی ہیں۔ آپ کے تجربات ان لوگوں کے لیے رادہ نما ہوں گے جو اپنی کم محنتی کے باعث کوئی بڑا قدم اٹھانے سے ڈرتے ہیں۔ سوالات درج ذیل ہیں۔

۱: کفالت کی ذمہ داری کب سے سنبھالی؟

۲: بچہ و اولوں کی ضروریات با محنت طریقے سے پوری کرنے کے لیے آپ نے ذاتی طور پر کیا قربانی دی، خود میں کیا تجاہل لائیں؟

۳: اس عمر سے میں گھر والوں کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا رہا؟

پہلے گھر سے باہر جانے والی خاتون کو ہر اسان کیا جاتا تھا تو وہ خاموشی اختیار کر لیتی تھی مگر آج کے زمانے میں خواتین زیادہ خاموش ہیں آپ نے حقوق سے بھی آگاہ ہیں۔ اس حوالے سے سوال ہے۔

۴: اگر کبھی ناگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تو آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا؟

۵: کیا جانتا ہے کہ باحوال خواہ کیسا ہی ہو اگر آپ اچھے ہیں تو لوگ آپ کے ساتھ فطرتاً رویہ اختیار نہیں کر سکتے کیا آپ اس سے متعلق ہیں، کیا واقعی محض آپ کا کامیاب ہونا کافی ہے؟

۶: کبھی دفتری سیاست کا شکار ہوئی؟

۷: دوران ملازمت آپ کا اپنے جونیئر ذراؤں سے تعلق کے ساتھ کیسا رہا؟

۸: نوکری پر قرار کسے کے لیے کبھی عزت نفس کا سورا کیا؟

۹: ملازمت کے لیے محض محنت، ایمانداری اور قابلیت کافی نہیں خوشامیاد اور چالچی بھی ضروری ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

۱۰: آپ نے اپنے اہداف اور مقاصد حاصل کر لیے ہیں تو اب گھر والوں کا رویہ کیسا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہیں تو طرہیت کا احساس ہوتا ہے یا رنج و غم؟

آپ اپنے تجربات ہمیں لکھ بھیجیے نوک پلک ہم خود سنوار لیں گے

ہم آپ کی تحریر کے منتظر ہیں

دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

اس کے لیے دنیا ختم ہو گئی تھی۔ امرجہ حسین کے لبوں پر فاتحانہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ جگر جگر کرتی اس کی آنکھیں کسی روشن ستارے کی مانند چمک رہی تھیں۔ ایزد حسن نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا پھر خاموشی سے پرنسپل آفس سے باہر نکل آ گیا تھا۔



وہ پرنسپل آفس سے باہر آیا تو میرب بے حد پریشان سی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے باہر نکلتے ہی وہ تیزی سے ایک کراس کی طرف آئی۔

”ایزد..... ایزد یہ سب کیا ہے کیوں تمہارے بارے میں یہ لوگ فضول بکواس کر رہے ہیں کیا ہوا ہے؟“ ”پتہ نہیں۔“ تیز قدموں سے پارکنگ کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے قدرے خشک لہجے میں جواب دیا ”تب ہی وہ اس کی راہ روک کر کھڑی ہو گئی۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے ایزد میرا دل کہتا ہے ضرور کچھ غلط ہوا ہے۔ میرا دل تمہاری شرافت اور کردار کی گواہی دیتا ہے تم ایسے نہیں ہو۔“ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں ایزد نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ کیا نہیں تھا اس ایک نظر میں۔

احد عظیم اور افسانہ بھی بے حد پریشان تھے وہ سب کو نظر انداز کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ ”ایزد..... ایزد کچھ تو کہو فرار اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔“

میرب نے وہابی دی مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ عمر سعید اپنے گروپ کے ساتھ پارکنگ سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔ ایزد روک گیا۔

وہ لوگ ہنس رہے تھے کولڈ ڈرنکس ہاتھ میں پکڑے اپنی راہ کا کاٹنا نکل جانے پر جشن منا رہے تھے۔ ایزد کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آ رہا تھا۔

”چہ چہ..... اسے کہتے ہیں شکل مومنناں، کروت کارفرماں بڑا چھپر اترم نکلا یہ ایزد تو جھٹکتی تھی اس سے

مجھے کیا پتہ تھا کہ عمر سعید کی دشمنی میں یہ لائق فائق ذہن اور شریف شخص اتنا گر جائے گا کہ اپنے اور میرے مستقبل کو بھی داؤ پر لگا دے گا۔“ زندہ ہوئے لہجے میں عمر سعید کی ہدایت کے عین مطابق وہ اپنا کردار ادا کر رہی تھی۔ پرنسپل صاحب اور سر حفیظ دونوں کے سر جھک گئے بھلا کون تھا جو پوری یونیورسٹی میں عمر سعید اور ایزد حسن کے درمیان دشمنی سے واقف نہیں تھا۔

امرجہ کا جواب ہچکچوں کی زد میں تھا۔ ”میری تو پوری زندگی برباد ہو گئی سر اب ہر طرف طرح طرح کی باتیں گردش کر رہی ہیں بہتان لگ رہے ہیں یہ باتیں باہر نکلیں تو جنگل میں آگ کی طرح پھیل جائیں گی ایسی شہرت کے بعد کون میرا یقین کرے گا؟ کون قبول کرے گا مجھے میں تو برباد ہو گئی۔“ پرنسپل صاحب اور سر حفیظ کے جھکے سر دیکھ کر اس نے مزید جذباتی چوٹ لگائی۔ ایزد حسن اس سارے الزامات کے بعد پتھر کے جسمے کی مانند ساکت کھڑا رہا تھا۔

”کیا تمہیں اس شرمناک حرکت کے بعد اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے ایزد؟“ پرنسپل صاحب جو خود چار بیٹیوں کے مشفق باپ تھے اب قدرے کڑھکی کے ساتھ اس سے پوچھ رہے تھے اس نے سر اٹھا کر ایک نظر ان کے سخت چہرے پر ڈالی پھر آہستہ سے سر لٹی میں ہلا دیا۔ سر حفیظ اس کی اس حرکت پر جیسے ششدر رہے وہ گئے تھے۔ تب ہی پرنسپل صاحب بولے۔

”ہونا تو یہ چاہیے کہ تمہاری نہایت غلیظ حرکت کے جواب میں ابھی پولیس کو بلاؤ اور تمہیں ان کے حوالے کر دوں، مگر جس کرسی پر میں بیٹھا ہوں اس کرسی کا وقار مجھے ایسا کرنے نہیں دے گا تمہاری شرمناک حرکت سے ہوئی بدنامی کے بعد میں اپنے ادارے کی مزید بدنامی نہیں چاہتا لہذا تمہارے لیے یہی سزا کافی ہے کہ تمہیں یونیورسٹی سے بے دخل کر دیا جائے آج کے بعد میں بھی تمہاری شکل نہ دیکھوں سمجھ تم؟“ پرنسپل صاحب کے غضب پر ایزد حسن نے ایک نظر سر اٹھا کر ان کی طرف

شریف پوری یونیورسٹی میں کوئی نہیں۔“

عمر سعید کے گروپ کے قریب کھڑی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی نے کہا تھا۔ ایزد کے لیے وہاں ایک پل بھی ٹھہرنا دشوار ہو رہا تھا۔

جس ادارے میں اپنی عزت اور ساکھ بنانے میں اس نے چار سال لگا دیے تھے اسی ادارے سے وہ آج بے قصور ہوتے ہوئے بھی ذلیل ہو کر نکل رہا تھا۔

.....

وہ گاڑی کالا کھول رہا تھا جب احد نے پکارا۔

”کہاں جا رہے ہو اس وقت؟“

”تھوڑی دیر اکیلا رہنا چاہتا ہوں تم لوگ پریشان مت ہو میں اپنا کوئی نقصان نہیں کروں گا۔“

اس کا لہجہ درد سے چور جب کلمہ نکلیں ابھری تھیں۔ میرب احد اور اندران ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ وہ اس وقت جس اذیت سے گزر رہا تھا اس تکلیف سے یقیناً تینوں ہی بے خبر نہیں تھے۔

.....

شام ڈھل رہی تھی۔

ایزد یونیورسٹی سے سیدھا ساحل سمندر کی طرف نکل آیا تھا۔ گاڑی پارک کر کے وہ سمندر کی بھری ہوئی موجوں کے قریب آ بیٹھا۔ آج اس لمحے اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ سمندر میں آگے بڑھتا پھری ہوئی لہروں کے ساتھ بہتا ہوا کہیں دور نکل جائے۔

اس کی آنکھیں رونے کی خواہش میں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ مگر وہ کسی کی گود میں گر کر رو نہ سکا۔ کیسے اپنا دکھ بتاتا ماں تو بچپن میں ہی چھن گئی تھی۔ بچپن سے اب تک سچے سے لگتی ماں کا جو کس آنکھوں میں محفوظ تھا اب اس کی جگہ اس عکس میں اسے اپنی شکل نظر آنے لگی تھی۔

اس کے پاس کیا رہا تھا؟ کچھ بھی تو نہیں..... اس کا دامن خالی تھا۔ عجیب بے بسی تھی کہ ایک لڑکی نے اس کی پوری زندگی برابر کر کے رکھ دی تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکا تھا۔ ”کیا وہ اتنا ہی آسان ہدف تھا؟ شام سے رات ہو گئی“

وہ وہیں بیٹھا رہا۔

اعصاب کے ساتھ ساتھ جیسے وجود بھی پتھر ہو چکا تھا۔ اس میں اتنی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ اٹھ کر گھر چلا جاتا۔

شب کے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ جب وہ ساحل سمندر سے اٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ صد شکر کہ ابھی اس کی تباہی کی خبر گھر نہیں پہنچی تھی تب ہی وہاں سکون تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے گرم بستر میں دیکے سو رہے تھے۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ لاؤنج میں آیا تو عائشہ اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔

”ایزد..... کہاں تھے تم میں کب سے تمہیں کال کر رہی ہوں مگر تمہارا نمبر مسلسل بند ہے۔“ وہ اس کے لیے پریشان تھی۔ ایزد نے نظریں چرائیں۔

”ایک دوست کے ساتھ تھا میرے سیل کی بیڑی ڈاؤن ہونے کی بنا پر سیل آف ہو گیا تھا بہت تھک گیا ہوں صبح بات ہوئی ہے۔“

بمشکل اپنی سرخ آنکھیں اس سے چھپا کر وہ تیزی سے بیڑیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ عائشہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

.....

اگلے روز حمزہ عباسی صاحب ناشتے کے بعد ابھی آفس کے لیے نکلے تھے جب ایزد کی یونیورسٹی سے پرنسپل کی کال آ گئی۔ انہیں ضروری بات کرنی تھی لہذا حمزہ صاحب نے گاڑی یونیورسٹی کی طرف موڑ دی۔ اگلے میں منٹ کے بعد وہ پرنسپل صاحب کے آفس میں ان کے مقابل بیٹھے تھے۔

”حمزہ صاحب جانتے تھے کہ ایزد نہایت لائق فائق ہونہار طالب علم ہے یقیناً پرنسپل صاحب نے اسی حوالے سے بلایا ہوگا“ مگر ان کی سماعتوں کو اس وقت شدید جھٹکا لگا جب پرنسپل صاحب نے ان سے کہا۔

”ہم نے ایزد کو یونیورسٹی سے نکال دیا ہے وجہ شاید اس نے آپ کو نہیں بتائی ہوگی۔“

”یونیورسٹی سے نکال دیا.....! پر کیوں؟“ انہیں تو جیسے ”نہیں ہی نہیں آ رہا تھا۔“

”حمزہ صاحب آپ کا بیٹا اس قابل نہیں ہے کہ کسی ایسی اچھے ادارے میں اپنی تعلیم جاری رکھ سکے۔“

”مگر کیوں؟ ایسا کیا کر دیا ہے میرے بیٹے نے اپنا کب؟“

ان کے علم میں سرے سے کوئی بات ہی نہیں آئی تھی۔ پرنسپل صاحب کو انہیں الف سے بے تک سارا قصہ سنانا پڑا۔

”یہ ایک معزز ادارہ ہے حمزہ صاحب لوگ ہم پر اعتماد کر کے اپنی بیٹیاں یہاں پڑھنے کے لیے بھیجتے ہیں۔ آپ خود سوچیں ایسے کمزور میں اگر ہم کوئی ایکشن نہیں لیں گے تو پبلک ہمیں تھکیت کر مرکز پر لے آئے گی جو کچھ بھی ہوا ہے بہت افسوس ناک ہے۔ میں ذاتی طور پر بہت رنجیدہ ہوں۔ مگر آئی ایم سوری میں اب ایزد کے لیے مزید کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

ساری بات بتانے کے بعد پرنسپل صاحب نے اپنی بھوری بیان کی حمزہ عباسی پر جیسے کوئی پہاڑ آگرا۔ بھلا ایزد حسن جیسا شریف باکر دار شخص اتنی گری ہوئی نزکت کیسے کر سکتا تھا؟ بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ اس وقت وہ پرنسپل کے آفس سے کیسے نکل کے باہر آئے صرف وہی جانتے تھے۔

.....

دن کے تقریباً ساڑھے بارہ ہو رہے تھے۔ شور کی آواز سے ایزد کی آنکھ کھلی نوال بلند آواز میں چیخ رہی تھی۔

”اور پرانی اولادوں کو لا کر پالیں دیکھ لیا ناں کیسا نام روشن کیا ہے نواب زادے نے حمزہ ماموں کا پوری یونیورسٹی میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔“ جس طوفان کمانے سے وہ در رہا تھا وہ طوفان آچکا تھا۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔

نیچے لاؤنج میں یقیناً سب جمع تھے۔ سب کے بیچ ایک مرتبہ پھر اس کا تماشہ بن رہا تھا۔ ایک جنگ وہ گھر

سے باہر لڑکر آیا تھا۔ اب ایک جنگ یہ تھی جس کا سامنا اسے گھر کے اندر کرنا تھا تیز بخار میں جلتے وجود کے ساتھ وہ ابھی اٹھنے کی ہمت ہی کر رہا تھا جب سلمی بیگم چلی آئیں۔

”ایزد..... تمہارے بابا تمہیں اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔“ ان کے لہجے میں پہلے والی نرمی مفقود تھی۔ ایزد کی آنکھیں بھر آئیں۔ سلمی بیگم پلٹ رہی تھیں جب اس نے تڑپ کر پکارا۔

”امی.....“ وہ رک گئیں مگر انہوں نے پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔

”امی..... میں بہت چھوٹا سا تھا جب میری ماں مجھے چھوڑ کر چلی گئی سات سال کی عمر سے لے کر ستائیس سال کی عمر تک میں نے آپ کی آغوش میں اپنا ہر اچھا برا لمحہ بسر کیا میری پوری زندگی آپ کے سامنے ہے کیا آپ کو بھی لگتا ہے کہ میں ایسا کر سکتا ہوں؟“

”پتہ نہیں تمہارے بابا بلا رہے ہیں آ کر بات سن لو ان کی؟“ سلمی بیگم کا لہجہ کسی بھی رعایت سے عاری تھا۔ ایزد نے اپنی آنکھیں زور سے پتھری لیں۔

زندگی ایک دم سے اس پر کتنی تنگ ہو گئی تھی۔ جلتی آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر وہ کمرے سے باہر آیا تو نیچے لاؤنج میں زہرہ بیگم بارود کا ڈھیر بنی کسی کے ساتھ فون پر مصروف تھیں۔ موضوع گفتگو اس کی ذات تھی۔ وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا ابھی بیڑیاں اتر رہا تھا جب زہرہ بیگم نے موبائل سائیڈ پر رکھ کر اسے پکارا۔

”کیوں صاحب زادے بڑے بڑے گل کھلا کر آئے ہو یونیورسٹی میں اارے میں پوچھتی ہوں کیا یہی دن دیکھنے کے لیے ہم نے تمہیں کھلا پلا کر بڑا کیا تھا تمک حرام۔“ وہ اور ان کی بیٹیاں اس گھر میں شروع سے اس کی مخالف تھیں۔ اب تو گویا انہیں اپنے اندر کا زہر باہر نکالنے کا بہانہ مل گیا تھا۔ ایزد کو لگا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا

تب ہی وہ خشک لہجے میں تنگ کر بولا۔

خاموشی سے اثبات میں سر ہلادیا۔

”سورئی! میں اس وقت نہ تو آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں ہوں نہ ہی اپنی کوئی صفائی پیش کرنی ہے مجھے، بہتر ہوگا اگر آپ لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں پلیز۔“ اس کے لہجے میں بیزارگی تھی۔

زہرہ بیگم کے تو گویا تلوؤں پر لگی سر پرچھی تھی۔

”ہاں ہاں کوئی جواب ہوگا تب ہی دو گے ناں اُسے میں تو بچپن سے جانتی تھی یہی لپچھن ہوں گے تمہارے بڑے ہو کر مگر میری اس گھر میں سنا کون ہے آگئی ناں اب ساری اصلیت سامنے ہونہرہ کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا ہمیں۔“ وہ خوب برس رہی تھیں۔ ایزد خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔

”آیا بڑا لاڈ صاحب! کڑو دیکھو جیسے امریکہ فتح کر کے آیا ہوا ہے میرا بس چلے ناں تو ابھی کی ابھی ہاتھ پکڑ کر باہر کی راہ دکھا دوں نا تمہارا گویا نہیں ماں باپ نے کیا اکل کھلائے ہوں گے جو یہ مصیبت ہمارے گلے پڑی۔“

”تم اس لڑکی کے پیچھے ہال روم میں گئے تھے؟“

”جی۔“

”کیوں؟“

”اسے مجھ سے ضروری بات کرنی تھی اس لیے۔“

”کیسی ضروری بات؟“

”اپنی بہن سے متعلق۔“

”کیا وہ ایسی بات تھی کہ جس کے لیے کمرے کا دروازہ بند کیا جانا ضروری تھا؟“

”دروازہ میں نے نہیں اس نے بند کیا تھا۔“

”تم نے اس کے چہرے پر پتھر مارے تھے؟“

”جی۔۔۔۔۔“

”اس لیے کیونکہ اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا؟“

”نہیں۔“

”وہ عمر سعید کے ساتھ تھی اس کی دوست تھی اس لیے؟“

”جی ہاں۔“

”میرا جیسا ہے کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے تمہیں اس میں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”جانتی ہوں کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے مگر پھر بھی میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

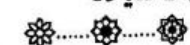
”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

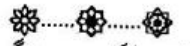
”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

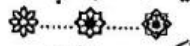
”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“

”میرا دل اس کے لیے درد مند ہے۔“





میرے روگ کا نڈال کر میرے چارہ گر
میں برا ہوا سے پال کر میرے چارہ گر
سب ہی در و درجن میرے جسم سے کسی اسم سے
میرا انگ انگ بجال کر میرے چارہ گر
یہ بدن کے عارضی گھاؤ ہیں انہیں چھوڑ دے
میرے زخم دل کا خیال کر میرے چارہ گر
فقط ایک قطرہ اشک میرا علاج ہے
مجھے بتلائے ملال کر میرے چارہ گر
میں جہان درد میں کھو گیا تھے کیا ملا؟
مجھے استخوان میں ڈال کر میرے چارہ گر
مجھے اپنے زخم کی خود بھی کوئی خبر نہیں
سو نہ مجھ سے کوئی سوال کر میرے چارہ گر
تیرا حال دیکھ کر روئے گا تیرا چارہ گر
میرا دل نہ دیکھ نکال کر میرے چارہ گر



وہ گھر آئی تو تھکن سے برا حال تھا۔

شفاء بچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی
جب کہ حسین صاحب مسجد گئے ہوئے تھے وہ فریٹش
ہونے کے بعد شفاء کے پاس بچن میں چلی آئی۔

”کیا پک رہا ہے آج؟“

”قیمہ منڑ“ ساتھ میں تمہاری فیورٹ کھیر اور بریانی
ہے۔

”واؤ، کوئی آرہا ہے کیا آج؟“

”ہاں ابو کے کوئی عزیز ہیں ان کے بیٹے کا کیس چل
رہا ہے یہاں عدالت میں ذوی موصوف آ رہے ہیں۔“

”کس چیز کا کیس ہے؟“

”جائیداد کا خیر تم سب چھوڑ دو یہ بناؤ آج اتنی لیٹ
کیسے ہو گئیں یونیورسٹی سے؟“ بریانی کو دم لگاتے ہوئے
اس کی مکمل توجہ بھی اپنے کام کی طرف تھی۔ امرحہ پاؤں
لٹکا کر بچن کے سلیب پر بیٹھ گئی۔

”آج ایک عظیم معرکہ سرانجام دے کر آ رہی ہے

تمہاری بہن، یوں سمجھو عمو حسن اور اس کے نام نہاد شریف
گھر والوں نے جو کچھ بھی تمہارے ساتھ کیا میں نے آج
ان لوگوں سے ان کی زیادتی کا بدلہ لے لیا ہے۔“

”کیا..... ایسا کیا کہہ رہی رہی ہو تم؟“ شفاء کو جیسے اس
کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک کہہ رہی ہوں عمو حسن کا لائق فائق بھائی میرا
یونیورسٹی ٹیلو ہے پوری یونیورسٹی میں نہیں منہ دکھانے لائق
نہیں چھوڑا میں نے اسے۔“ وہ فخر سے یوں بتا رہی تھی
جیسے پتہ نہیں کتنا اچھا کام کر کے آ رہی ہو شفاء جیسے جیسے
سارا ماجرا سن رہی تھی اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔

”تم سے کس نے کہا یہ سب کرنے کے لیے؟“ وہ
خاموش ہوئی تو اس نے حیرانگی سے اس کے چہرے کو
دیکھتے ہوئے پوچھا۔ امرحہ نے رخ پھیر لیا۔

”میرے دل نے۔“
”مگر کیوں جو نقصان ہوا میرا ہوا جو بھی ان لوگوں نے
برا کیا میرا کیا پھر تم کیوں اتنا بڑا قدم بغیر کسی کو بتائے بغیر
کسی سے پوچھے اٹھانے پر تیار ہو گئیں۔“

”میں تم سے الگ نہیں ہوں شفاء تم میری بہن ہو
تمہارا کردار میرا دکھ ہے۔“

”شٹ اپ“ تمہیں اندازہ ہے تم نے کتنا غلط کیا ہے
صرف عمو حسن کے بھائی کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے
ساتھ بھی۔“ ہاتھ میں پکڑا بیچ اس نے غصے سے سائیڈ پر
پھینکا۔

”اب تک میں عمو حسن پر حاوی تھی وہ میرا مجرم تھا
میں اس کی مجرم نہیں تھی مگر تم نے یہ احساس بھی چھین لیا
مجھ سے زیادتی کی شکار ہونے کے باوجود اب تا عمر میں
اس کی مجرم بن کر زندہ رہوں گی۔“ غصے سے کہتے اس کا گلا
رندہ گیا تھا۔ امرحہ کا سر جھک گیا۔

”انہوں نے ہمارے ساتھ بہت غلط کیا تھا شفاء اس
روز مارکیٹ میں ان کی پھوپھو نے.....“

”بھائو میں گئی ان کی پھوپھو وہ تو شروع سے ایسی ہیں
میں نے اگر دوبارہ سوسائٹی کی کوشش کی تو میں غلطی بہت

”نہ نہ بھی مگر تم نے تو حد کر دی امرحہ! ابو کو پتہ چلے گا تو پتہ
نہیں کیا ہوگا۔“ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر وہیں بچن
میں دھری کر سی پر بیٹھ گئی امرحہ نے فریج سے ٹھنڈے پانی
لی بوتل نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

”میں نے جو بھی کیا صرف ان کی زیادتیوں کا بدلہ
لینے کے لیے کیا پھر بھی اگر تم جھگڑتی ہو کہ میں نے غلط کیا
ہے تو میں ایزد حسن سے معافی مانگ لوں گی اور جا کر
اپنے دل صاحب کو سب سچ بتا دوں گی۔“

”یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو کاش
تم نے یہ قدم اٹھانے سے پہلے صرف ایک بار مجھ سے
مشورہ کر لیا ہوتا۔“ شفاء کا ملال نہیں جا رہا تھا امرحہ لب
لاٹ کر رہ گئی۔

حسین صاحب تک ابھی بات نہیں پہنچی تھی۔ امرحہ
اگلے روز یونیورسٹی گئی تو سب سے پہلے پرپل صاحب
کے آفس پہنچی۔

کل پوری رات آنکھوں میں کانٹے کے بعد وہ اس
نیتے پر پہنچی تھی کہ اسے اپنے جرم کا اعتراف کر لینا چاہیے۔
وہ ساری عمر اپنے اعصاب پر ایک ناپیدہ بوجھ لے کر نہیں
بہتی کتنی تھی۔ مگر پرپل صاحب کے آفس میں پہنچنے کے
بعد اسے پتہ چلا کہ وہ طبیعت کی ناسازی کے باعث چھٹی
ہے ہیں۔ امرحہ کے دل پر نمون بوجھا کر اٹھا۔

وہ جتنی جلدی اپنے دل و دماغ پر حاوی ایک عجیب
نہ بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اتنا ہی وقت
اب اس کا امتحان لے رہا تھا۔ اسی لمحہ میں گرفتار وہ
پرپل آفس سے باہر آئی تو عمر سعید سے ملے بھیڑ ہو گئی۔
امرحہ کو وہ بے حد خوش باش گھر انکھر سا لگا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ
گئی۔

”کیسی ہو امرحہ؟“
”ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟“ فائل سینے سے لگائے وہ
پہوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھی۔ جب اس نے اس
سے ملنا شروع کر دیا۔

”میں ٹھیک“ تم یہاں پرپل آفس میں سب ٹھیک تو
غرا کر وارن کرتے ہوئے عمر سعید کا چہرہ غصے کی شدت

”ہوں سب ٹھیک ہے بس میں اپنے جرم کا اعتراف
کرنا چاہتی ہوں۔“

”مطلب؟“ عمر ٹھیک کر رہا جب وہ سامنے دیکھتے
ہوئے اطمینان سے بولی۔

”مطلب میں پرپل صاحب کو سب سچ بتانا چاہتی
ہوں جو کچھ بھی کل ہوا اس بارے میں۔“

”تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟“
”ہوں ٹھیک ہے اسی لیے تو سب سچ بتانا چاہتی
ہوں۔“

”تم ایسا کچھ نہیں کر دگی آئی سمجھ؟“
”کیوں..... کیوں نہ کروں میں ایسا؟“

”کیونکہ اس سچ میں تمہارے ساتھ میرا نام بھی آئے
گا اور میں نہیں چاہتا کہ جو بھی کل ایزد حسن کے ساتھ ہوا وہ
میرے ساتھ ہو میرے ڈیڈ کو مجھ سے بہت امیدیں ہیں
میں ان کی امیدوں کو ٹوٹنے نہیں دوں گا۔“

”امیدیں تو ایزد حسن کے ڈیڈ کو بھی بہت ہوں گی اس
سے مگر ہم نے اس کی ساری امیدوں سارے خوابوں پر
پانی پھیر کر رکھ دیا۔“
”تمہیں یہ سب پہلے سوچنا چاہیے تھا۔“
”ابھی بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں ایزد حسن کے
ساتھ ایک دم ہمدردی کا بخار کیوں ہو گیا ہے؟“ وہ چراغ پا
ہوا امرحہ نظر انداز کیا گے بڑھتی رہی۔

”ضمیر جاگ ہی جاتا ہے اگر زندہ ہو
کبھی گناہ سے پہلے کبھی گناہ کے بعد“
”تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اس ضمیر کو اب
سلانے ہی رکھو کیونکہ اگر تم نے پرپل صاحب یا کسی کو بھی
سچ بتانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا امرحہ میں جتنا اچھا دوست
ہوں اس سے کہیں زیادہ برا دشمن ہوں ایسا نہ ہو کہ ایزد حسن
کے ساتھ ساتھ خود تم بھی کسی کو مٹھانے لائق نہ رہو۔“

غرا کر وارن کرتے ہوئے عمر سعید کا چہرہ غصے کی شدت

حجاب کرکچی

محبت و نفرت کی آمیزش ہے عین بائبل و قرآن کا کہنا

محبت دے دے دینی مرد و عورت کے لیے ایک برابر کا نام ہے
جس کا سب سے بڑا نام ہے فاطمہ رضی اللہ عنہا

محبت و عبادت اور عورت کی کاوش ہے ایک برابر کا نام ہے
فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک برابر کا نام ہے

جان دانی دم و راج کس طرح لڑکیوں کو ہادی کرتا ہے
ربانہ اقبال کے نام کی ایک خوب صورت تحریر

اس کے علاوہ دنیا ادب کے نئے
ستارے ہر ماہ اس میں شامل ہیں

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں
اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

Infoohijab@gmail.com

021-35620771/2

0300-8264242

انہوں کے ساتھ عاتقہ وہاں چلی آئی ایزد کے ہاتھ رک
نے وہ لپک کر اس کی طرف بڑھا۔

”عاتقہ..... کیا سب کی طرح تم بھی مجھے گناہ کا سمجھتی
ہو؟“ آنکھوں میں ہنسی آئی اس لیے وہ اس کی طرف دیکھ رہا
تھا۔ عاتقہ نے غیر محسوس انداز میں آہستگی سے اپنے ہاتھ
اس کی گرفت سے نکال لیے۔

”میرے کچھ ماننے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا
ایزد۔“

”مجھے فرق پڑتا ہے عاتقہ تم جانتی ہو میری زندگی میں
تمہاری کیا حیثیت ہے بہت چاہا ہے میں نے تمہیں بھلا
تمہارا ہو کر بھی کسی اور لڑکی کے ساتھ ایسی گھٹیا حرکت
کرنے کا سوچ کبھی نہیں سکتا ہوں۔“ اس نے پھر اس کے
ہاتھ تھامے عاتقہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

”اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ایزد جو ہونا تھا
ہو چکا ہے۔ ہم ابو کے فیصلے کے خلاف نہیں جاسکتے۔“
سلی بیگم کی طرح وہ بھی دامن چھڑا رہی تھی۔

ایزد کے اندر جیسے سب کچھ ختم ہو گیا۔
”بس..... یہی رشتہ تھا ہمارا عاتقہ؟“ دھواں ہوتی
لگا ہوں کے ساتھ کتنے دکھ سے اس نے اس کی طرف
دیکھا عاتقہ کا سر جھک گیا تھا۔

”میں جیل اور جھوٹ کے بارے میں نہیں جانتی ایزد
بس میرے پاس تمہاری ایک امانت تھی اس وقت وہی
لوٹا نے آئی ہوں ہو سکے تو مجھے بھلا دینا پلیز۔“ آنکھوں
کے تم کوٹھوں کے ساتھ اس نے ٹھٹھی میں دہی رنگ ایزد کے
ہاتھ پر رکھ دی پھر کچھ ٹھٹھوں اس کا ہاتھ اپنے دونوں
ہاتھوں میں دبا کر کھڑی رہی۔

”اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔“ اپنے نرم ہاتھوں کا لمس
اس کے سر دھوئے تختہ ہاتھوں میں چھوڑ کر وہ تیزی سے
پلٹ گئی ایزد کے لیے اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تو
وہ بیٹھ پڑے۔

کتنا کتر ہو گیا تھا وہ انہوں کی نظر میں اتنا کتر کہ کسی
نے بھی اسے اچھی طرح جاننے کے باوجود اس کا اعتبار کرنا

”مجھے تم سے کچھ شکر کرنا تھا۔“

”ہوں کہو سب خیر تو ہے؟“

”پتا نہیں آج جب میں پرنسپل آفس سے باہر نکلی تو
عمر سعید ملا میں نے اسے بتایا کہ میں پرنسپل صاحب کو
سب سچ بتانے جا رہی ہوں اس نے یہ جان کر مجھے دھمکی
دی ہے کہ اگر میں نے کسی کو بھی سچ بتایا تو وہ ایزد کی طرح
مجھے بھی کہیں منہ دکھانے لائن نہیں چھوڑے گا۔“ دونوں
ہاتھوں کی تھیلیوں کو آپس میں ملاتے ہوئے اس نے سر
جھکا کر بتایا شفاء کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”دیکھا میں نے کہا تھا ناں تم نے اپنے لیے خود گڑھا
کھود لیا ہے بھگتو اب۔“ وہ برہم ہوئی تو امرحہ کی آنکھیں
بھرا آئیں۔

”میں نے یہ سب اس طرح سے نہیں چاہا تھا شفاء
میں تو صرف تمہارے ساتھ ہوئی زیادتی کا بدلہ لینا چاہتی
تھی بس۔“

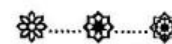
”واہ..... بدلہ بھی لیا تو اس شخص سے جو کسی بھی طرح
میری کسی بھی تکلیف میں حصہ دار ہی نہیں تھا۔“

”میں آل ریڈی شرمندہ اور پریشان ہوں شفاء اوپر
سے تم مزید مجھے پریشان کر رہی ہو۔“ وہ روہاسی ہو رہی
تھی۔ شفاء کو اس پر ترس آ گیا۔

”جو کام بڑوں کے علم میں لائے بغیر اپنی مرضی سے
کے جائیں اس میں اکثر یوں ہی پچھتانا پڑتا ہے چلو خیر
دیکھتے ہیں کیا بہتر ہو سکتا ہے اس سارے مسئلے میں تم
پریشان مت ہوئی انال تمہارا نیوورٹی جانا بھی بند ہے
جب تک امتحان شروع نہیں ہو جاتے آئی کچھ؟“

”ہوں۔“ شفاء کی ہدایت پر اس نے آہستہ سے
اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

ایک غلطی شفاء سے ہوئی تھی جس نے اس کی زندگی
برباد کر دی تھی اب ایک غلطی وہ کر بیٹھی تھی جس کا بھگتو
اسے بھگتو تھا۔



وہ اپنا سامان پیک کر رہا تھا جب روٹی روٹی سی

سے سرخ ہو گیا تھا۔
امرحہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ بے ساختہ اس
کی سماعتوں میں فاطمہ کے الفاظ گونجنے لگے۔
”تم پچھتاؤ گی امرحہ حسین وہ گھٹیا انسان تمہیں بھی
نہیں چھوڑے گا دیکھ لینا تم۔“ فاطمہ کتنی سمجھ دار تھی اور وہ
کتنی بے وقوف کاش اس نے اس شخص کی باتوں میں
آ کر ایزد کی زندگی برباد نہ کی ہوتی وقت اس کے ہاتھ
سے نکل گیا تھا اب وہ لکیر پیٹ رہی تھی عمر سعید اسے
وارن کر کے جا چکا تھا۔ وہ تھکی ہوئی سی فاطمہ کی تلاش میں
ادھر ادھر پھرتی رہی۔

امتحان کی وجہ سے اس کا پورا ڈیپارٹمنٹ سونا پڑا
تھا۔ تقریباً سب ہی طلبہ طالبات امتحان کی تیاریوں
میں مصروف تھے اس نے فاطمہ کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ بند
جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ موبائل سامنے دیوار پر دے
مارے۔

صرف فاطمہ ہی ان مشکل حالات میں اسے بہتر
مشورہ دے کر اس کی مدد کر سکتی تھی مگر وہ چھٹی پر تھی۔ وہ
پریشان سی گھر چلی آئی۔

وہ شفاء اور حسین صاحب کو سلام کرتی اپنے کمرے
میں چلی آئی تھوڑی دیر میں شفاء فارغ ہو کر اس کے پاس
آئی۔

”کیا بات ہوئی پرنسپل صاحب سے؟“

”نہیں۔“

”کیوں کہیں ارادہ تو بدل نہیں گیا تمہارا؟“

”نہیں پرنسپل صاحب پچھتی پر ہیں۔“

”اوہ..... کب تک آئیں گے؟“

”پتہ نہیں شاید کل برسوں تک۔“

”چلو کوئی بات نہیں تم کل مل لینا ناں سے۔“

”شفاء.....“ شفاء اسے تسلی دے کر اس کے لیے کھانا
لینے جا رہی تھی جب اس نے پکارا۔

”ہوں۔“ اس نے پلٹ کر دیکھا اور امرحہ نے جیسے
تھک کر بیڈ کی پشت سے سر نکال لیا۔

جی لائف

اینتی ایکنی کریم

اینتی، پیکو اور عام جلدی مسائل کو

نری کے ساتھ ختم کرے

3 دن میں شادے اینتی پیکو کا نام و نشان

جی لائف آپ کا سکن ایسیلشن

B-Life Anti Acne Cream
Gently removes the acne, Pimples & skin problems

Kollamity
0322 442 51 7

Manufactured by:
Cosmic Makers
Lahore - Pakistan

MADE IN INDIA

Fast Acting
KORUATION

After 3 Days

After 2 Days

After 1 Day

Before



گوارہ نہیں کیا۔
کیا وہ واقعی اسی سزا کے لائق تھا؟
عائشہ کی خاموشی اور بے اعتباری نے تو اسے زندہ رہنے کے قابل بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس سے اچھی تو میرب تھی جو اس کی صرف اچھی دوست تھی، لیکن وہ اس کے کردار کی گواہی دیتی تھی۔
رات دھیرے دھیرے سر رہی تھی۔
وہ بیڈک پشٹ سے ٹپک لگائے، پلکیں موندے کٹی ہی دیر ایک ان دیکھی سی آگ میں جلتا رہا۔ اگلے روز اس گھر میں صبح کا سورج طلوع ہوا تو وہ جاچکا تھا۔
بہت سالوں کے بعد اس گھر میں ایک بے حد خاموشی اداس صبح طلوع ہوئی تھی۔ سوائے زہرہ بیگم اور ان کی بیٹیوں کے کسی نے بھی ناشتہ نہیں کیا تھا۔
سلمی بیگم مارے رنج کے اپنے کمرے سے ہی باہر نہیں آئی تھیں۔
جانے والا جاچکا تھا مگر وہ جیسے آدھی موت مر گئی تھیں جاتے ہوئے وہ کسی سے مل کر بھی نہیں گیا تھا۔
زہرہ بیگم کو جیسے ہی اس کے جانے کا پتہ چلا ان کے دل میں ٹھنڈ پڑ گئی تھی۔
”چلو بھئی خس کم جہاں پاک۔“ ناشتے کی میز پر دونوں ہاتھ جھاڑتے ہوئے انہوں نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔
.....
امتحانات سر پر آ گئے تھے۔
امرحاس روز شفاء کو بتا کر فاطمہ کے گھر چلی آئی تھی۔
دل پر جو بوجھ تھا وہ کسی صورت قرار لینے نہیں دے رہا تھا۔ فاطمہ لاؤنچ میں صوفے پر بیٹھی فی وی دیکھ رہی تھی۔
جب وہ اس کی ماسے لان میں دعا سلام کر کے سیدھی واپس چلی آئی۔
”السلام علیکم“ لاؤنچ میں قدم رکھتے ہی اس نے بلند آواز میں سلامتی بھیجی، فاطمہ نے بے ساختہ چونک کر دیکھا۔
”علیکم اسلام تم یہاں؟“
”ہوں تم یونیورسٹی نہیں آرہیں؟“ فون تمہارا مسلسل بند مل رہا ہے تو جناب مجبوراً مجھے یہیں آنا تھا۔“ آگے بڑھ کر اس کے گلے لگتے ہوئے وضاحت دی فاطمہ مسکرا دی۔
”مجبوراً؟“
”ہوں! چلو تمہارے کمرے میں چلتے ہیں، کچھ ڈسکس کرنا ہے تم سے۔“
”خیریت؟“
”ہوں! فی الحال تو خیریت ہی ہے۔“ وہ بے چین دکھائی دے رہی تھی۔ فاطمہ نے فی وی آف کر دیا۔
”ہاں اب کہو کیا بات ہے؟“ اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔
”میں نے ایزد حسن کے ساتھ واقعی بہت غلط کیا“ فاطمہ بہت پچھتا رہی ہوں میں یونیورسٹی بھی گئی تھی پرنسپل صاحب کو سب سچ بتانے مگر وہ نہیں ملے عمر سعید کو پتہ چلا کہ میں پرنسپل صاحب کو سب سچ بتانا چاہتی ہوں تو اس نے مجھے وارن کیا کہ اگر میں نے ایسی کوئی کوشش کی تو وہ ایزد کی طرح مجھے بھی کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑے گا شفاء نے اس روز کے بعد مجھے یونیورسٹی نہیں جانے دیا مگر میں بہت بے چین ہوں فاطمہ رات سکون سے سو نہیں پائی، پلیز تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔“ وہ واقعی بہت پریشان تھی فاطمہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔
”میں نے کہا تھا تم سے..... تم پچھتاؤ گی مگر تب میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی تھی بہر حال تمہیں کس احمق نے مشورہ دیا تھا کہ تم عمر سعید کو یہ سب بتاؤ اس کے علم میں لائے بغیر بھی تو تم پرنسپل صاحب اور سر حنیف کو سب سچ بتا سکتی تھیں بعد میں جو ہوتا دیکھا جاتا۔“
”یار مجھے انداز نہیں تھا کہ وہ اتنا برا بن کر پیش آئے گا۔“
”مگر مجھے اندازہ تھا اسی لیے میں تمہیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیتی تھی! چلو خیر جو ہوا اس پرنسپی ڈالو اور ابھی میرے سامنے تم پرنسپل صاحب کو فون کر کے سب سچ بتاؤ“

خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ اس کے تلووں پر لگی سر پر بھی تھی۔
”ایکسی کی زنی“ اگلے ہی پل وہ ان کے مقابل کھڑی تھی۔

وہ دونوں تو یوں ہی اسے جک کر رہے تھے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا وہ یوں دیدہ دلیری سے سامنے جائے گی۔ تب ہی وہ قدرے حیران ہوئے۔

شفاء نے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔
”میل کلاس لڑکیوں کے بارے میں آپ کی نہایت چھوٹی سوچ، صنف نازک سے متعلق آپ کی ناقص معلومات اور غلط تربیت کا منہ بولتا ثبوت ہے میں میل کلاس لڑکی ہوں مگر میں کسی بھی آپ جیسے رئیس زادے کی آفر پر لعنت بھیجوں گی یاد رکھیے گا اپنی دولت کے کھٹکتے سکوں سے آپ کسی مجبور عورت کا جسم تو خرید سکتے ہیں دل نہیں آئی سمجھ۔“ جذباتی تو وہ شروع سے بھی ایسے موقعوں پر تو ویسے بھی اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا تھا۔

احد جو پہلی نظر میں ہی اس کا اسیر ہو گیا تھا اس کی اس دیدہ دلیری اور صاف گوئی پر تو جیسے چاروں شانے چت ہو گیا تھا۔

اس کی ستاروں سی چمکتی سیاہ آنکھیں جگر جگر کر رہی تھیں شفاء چکی تھی مگر وہ جس راہ پر قدم رکھ چکا تھا وہاں سے اس کا پلٹنا اب تقریباً ناممکن تھا۔

زمینوں اور زمانوں میں محبت پھیلتی جائے
محبت اسم اعظم ہے
کبھی بھولے سے کسی اس کی کہانی ٹوک مت دینا
محبت ہونے دینا تم محبت روک مت دینا
محبت ٹوک دی جائے تو پھر
خاموشیوں کا اک سفر آغاز ہوتا ہے
دوبارہ بولنے میں بات کا چہرہ
کبھی وہ نہیں رہتا
کہاں برکون سا جملہ کہا تھا؟ کیا بتایا تھا؟

دوبارہ یاد کرنے کے عمل میں اتنی وحشت ہے کہ بندہ مر بھی سکتا ہے
(سب ہی مجھ سے نہیں ہوتے بہت سے مر بھی جاتے ہیں)

مجھے مرنے سے پانا یا
محبت پر بھی شک نہیں کرنا۔
تمہیں جس سے محبت ہو اسے پابندیوں میں قید مت کرنا۔

اسے یہ بھی نہیں کہنا
مجھے تم سے محبت ہے تمہیں مجھ سے محبت کیوں نہیں آفر؟

کبھی بھی یوں نہیں کرنا
محبت سے کبھی کچھ پوچھنا چاہو
بھروسہ کر کے کچھ بھی پوچھ لینا سب بتائے گی
محبت کا تو سارا مسئلہ ہے
اسے پوچھنا نہیں آتا

بہت مصدوم ہوئی ہے
کبھی یہ روٹھ بھی جائے تو پھر بھی دل میں کہتی ہے
”سنو بچہ کو منا لو نا۔“

منالینا.....
محبت ماننے میں دیر کرنے کا ڈرامہ جس قدر بھی کر سکے کر لے
مگر یہ مان جاتی ہے
اور اس کے بعد یہ سو جان سے قربان جاتی ہے
محبت سے کبھی بیزار مت ہونا
محبت پھیلے دینا!

اس روز امرحہ کا پہلا بیہوش تھا۔
شفاء نے پچھلے تین چار روز سے اس کا ایک ماں کی طرح خیال رکھا تھا۔ رات گئے تک وہ اٹھ اٹھ کر اسے بھی چائے تو کبھی کافی دیتی رہی تھی۔
تیاری اچھی تھی۔ لہذا پُر جوش سی ناشتہ کر کے وہ گھر سے اپنے اسٹاپ کے لیے نکل گئی۔

شفاء نے گھر سے نکلنے کے وقت اس پر آیت الکرسی پڑھ لی۔
پہنکی تاکہ وہ ہر قسم کی مشکل اور حادثے سے محفوظ رہے۔

اسٹاپ پر آج بالکل بھی رش نہیں تھا کیونکہ اسکول کالج کے امتحانات کے وقت سے الگ تھے۔

وہ سامنے دیکھ رہی تھی جب قریب سے گزرتی سیاہ رنگ کی کار تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گئی تھی۔
امرحہ کا اس کی طرف دھیان نہیں تھا۔ یہی بے دھیانی اسے پہنچی پڑ گئی تھی۔

گاڑی میں سے کمانڈو ٹیپ جو شخص باہر نکلا تھا اس نے پیچھے سے امرحہ کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ کر پانی اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ اگلے پانچ منٹ کے بعد گاڑی اسے لے کر فرار ہوئی اپنی منزل کی جانب کا مزن ہو گئی تھی۔

نیم تاریک کمرے میں جس وقت اس کی آنکھ کھلی اسے آغا ہوئے پورے سات گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس کا سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔
کئی بار اس نے آنکھ کھولنے کی کوشش کی مگر ہر بار اسے لگا جیسے اس کے پونے آپس میں جڑ گئے ہوں پورا دم دکھ رہا تھا۔

چند لمحے وہ یوں ہی بے حس و حرکت پڑی رہی پھر اسے آہستہ آہستہ اس نے پوری آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ایک سادہ سا مگر صاف ستھرا کمرہ تھا۔ باہر شام ڈھل رہی تھی۔

امرحہ کے حواس آہستہ آہستہ بیدار ہوئے تو اس نے بلنا وہ ایک رہائشی کمرہ تھا۔ صاف ستھرا بیڈ ایک بڑی سی ٹی بی الماری جس میں مردانہ کپڑے لٹک رہے تھے۔ ایک کونے میں میز رکھی تھی جس پر کچھ کتابیں موجود تھیں۔ دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا آئینہ بھی لٹک رہا

وہ ایک ایک چیز پر سرسری نظر ڈالتی دروازے کی طرف آئی جو باہر سے منقل تھا۔

”کوئی ہے؟“ دروازے کے قریب ہی کھڑکی میں جھانک کر اس نے صدا لگائی مگر باہر پھیلے اندھیرے کی وجہ سے اسے کچھ بھی صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

گزرتے ہر لمحے کے ساتھ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی گھبراہٹ بھی۔ وہ جانتی تھی وہ آغا ہو چکی ہے اور اب تک یقیناً اس کے آغا ہونے کی خبر شہر میں جنگل میں آگ کی طرح پھیل چکی ہوگی مگر شفاء اور اس کے والد اس خبر کے بعد کس حال میں ہوں گے یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

شفاء اور فاطمہ جس انہونی کے ڈر سے خوف زدہ تھیں وہ انہونی ہو چکی تھی تو گویا ایزد حسن کی طرح اس کی زندگی بھی سوالیہ نشان بن گئی تھی۔

ابھی جانے آگے اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

”کوئی ہے؟“ ایک مرتبہ پھر اپنی ساری ہمت جمع کر کے اس نے صدا لگائی مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ بس..... دروازہ سامان پر ابھرتا اور اس چاند تھا۔

سر دھوا بھی اور مہیب سناٹا.....

اسے آغا کر کے لانے والے غالباً اس کے وجود سے بے خبر ہو چکے تھے۔

(تیسرا اور آخری حصہ ان شاء اللہ اگلے ماہ)

الکائی

عشنا کوثر سردار قسط نمبر 05

کیا	عشق	ایک	زندگی	مستعار	کا
کیا	عشق	پائیدار	سے	ناپائیدار	کا
کر	ہلے	مجھ	کو	زندگی	جاوداں عطا
پھر	ذوق و	شوق	دیکھ	دل	بے قرار کا



(گزشتہ قسط خلاصہ)

تاج بیگم نواب صاحب کو فاطمہ سے ملنے کی اجازت دے دیتی ہیں لیکن وہ اپنے ارادے کو خود ہی نظر انداز کرتے واپسی کی راہ لیتے ہیں۔ سخاوت بیگم فاطمہ کے لیے بے حد پریشان ہوتی ہیں لیکن حالات کو بدنامان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ نواب زمان الحق گھر پہنچ کر نواب وقار الحق کو نکاح کی بات سے آگاہ کرتے ہیں اور یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ فاطمہ کا نکاح ان کے بیٹے سے طے ہو جائے نواب وقار الحق باپ کے فیصلے پر رضامندی دیتے ہیں لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ نواب صاحب اپنے فیصلے سے ناظم الدین کو آگاہ کرتے ہیں کہ فاطمہ کا نکاح دراصل چھوٹے نواب سے ہوگا لیکن صرف اماں جان کی ضد کی خاطر وہ اس بات کو سب پر ظاہر نہیں کرتے یہاں تک کہ فاطمہ بھی اس بات سے انجان ہوتی ہے۔ ناظم الدین اماں کی شرائط کے متعلق جان کر دنگ رہ جاتے ہیں لیکن اماں کے فیصلے کو وہ کس مصلحت کا نام دیتے ہیں اور خاموشی سے فاطمہ کا نکاح چھوٹے نواب سے کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں تاج بیگم اس حقیقت سے یکسر انجان ہوتی ہیں۔ دوسری طرف بیگم تو قیصر اپنی توہین پر شدید برہم ہوتی ہیں اور اس بات کو اتنی آسانی سے بھول جانے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ فاطمہ چھوٹے نواب کے ساتھ رخصت ہو کر گھر پہنچتی ہیں تو چھوٹے نواب انہیں تمام حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں دراصل وہ خود بھی اس رشتے کے لیے خود کو آمادہ نہیں پاتے جب ہی فاطمہ سے کچھ وقت کی مہلت طلب کرتے ہیں۔ فاطمہ کے لیے زندگی ایک نئے روپ میں نئے امتحانات میں ڈھل جاتی ہے۔ جنت سے سامنا ہونے پر چھوٹے نواب فاطمہ کا تعارف اماں کے دوست کی بیٹی کی حیثیت سے کراتے ہیں جبکہ فاطمہ اس تعارف پر شرمندگی سے وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ رجت سنگھ کو کرم دین کے ذریعے فاطمہ کی شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ عجیب بے قراری کا شکار ہو جاتا ہے۔ رجت سنگھ اپنے سرحد پار کرنے کی بات کرتے کرم دین کو حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے جبکہ وہ اس کے اندر آنے والی تبدیلیوں سے یکسر انجان ہوتے ہیں۔ تاج بیگم کو جب فاطمہ کے نکاح کی حقیقت پتا چلتی ہے تو وہ شدید برہمی کا اظہار کرتی ہیں انہیں ناظم الدین سے اس واقعے کی امید نہیں ہوتی جب ہی وہ غصے میں کھانا پینا ترک کر دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



”بیٹا زندگی پھولوں کی سبج ہو ضروری نہیں۔“ نواب صاحب شفقت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے اور فاطمہ بی بی بغور سن رہی تھیں۔

”زندگی کو امتحان کے طور پر لینے والے لوگ کہیں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ نسبت ان لوگوں کے جو پھولوں کے بستر پر زندگی گزارتے ہیں کل لہ آباد میں ایک جلسہ ہے ہمارے محترم رفیق مسٹر جناح جلسے کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ان کا خطاب سننے لائق ہوگا۔ ہم چاہیں گے کہ آپ اس خطاب کو سننے کے لیے ہمارے ہمراہ لہ آباد ضرور چلیے، مسٹر جناح زندگی اور سیاست کے متعلق بہت واضح نظریات رکھتے ہیں ان کے نظریات نے فرنگیوں کی عقل پر پڑے پھر ہٹا دیے ہیں، اگر آپ سیاست دیکھنا چاہتی ہیں تو قائد سے بڑھ کر کوئی اور نہیں، مسٹر جناح نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنا مدعا فرنگیوں کے سامنے رکھا، دو قومی نظریہ پیش کیا اور فرنگیوں کو سننے ہی بنی۔ آپ کو اس عظیم لیڈر سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا ہے تو ہمارے ہمراہ ضرور چلیے۔“ نواب صاحب دھیمے لہجے میں گویا تھے۔ فاطمہ بی بی نے سر اثبات میں ہلادیا تھا۔

”ہم آپ کے ہمراہ ضرور چلیں گے ویسے بھی، ہم مسٹر جناح کے افکار سے بہت متاثر ہیں، بچا جان، ہم ان کو براہ راست سننے کا شرف حاصل کریں اس سے بہتر کیا ہوگا؟“ وہ سر جھکا کر بولی اور نواب صاحب نے سر ہلادیا۔ وہ خاموش ہوئے تو فاطمہ بی بی کو لگا ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ اور بھی ہے وہ سر جھکائے منتظر بیٹھی رہی نواب صاحب شاید الفاظ جمع

کر رہے تھے قدرے توقف کے بعد گویا ہوئے۔

”بیٹا، زندگی میں اعتدال اور یقین بہت ضروری ہے اعتدال آپ کو چھٹکنے نہیں دیتا اور یقین ہارنے نہیں ہم آپ کے اور چھوٹے نواب کے رشتے سے متعلق بات کرنا چاہتے ہیں رشتے دھاگوں کی طرح ہوتے ہیں ہمیشہ سلجھ رہے ہیں ضروری نہیں کبھی کبھی سلجھانے میں عمر بھی نکل جاتی ہے ہمیں جو مناسب لگا ہم نے کیا ہماری نگاہ میں چھوٹے نواب آپ کے لیے مناسب ہو سکتے ہیں مگر آپ کو رشتوں کی سمت تلاشنا ہوگی ورنہ رشتے اپنی سمت خود بنائیں گے اور وہ آپ کی منتخب کردہ سمت سے کہیں مختلف ہوگی۔ اس سے قبل کہ رشتے خود اپنی سمت بنا کر آپ کو چوکا دیں گے، بڑھ کر رشتوں کی ڈور اپنے ہاتھ میں لیجیے اور زندگی اور رشتوں کی سمت خود متعین کیجیے“ انہوں نے بہت اہم بات کہی تھی۔

”آپ ہماری بات سمجھ رہے ہیں ناں؟ فاطمہ بیٹی۔“ نواب صاحب نے تصدیق کے طور پر پوچھا۔

”جی چچا جان۔“ فاطمہ بی بی نے آہستگی سے سر ہلایا۔

”چھوٹے نواب تمام عیدوں سے پاک ایک انتہائی معقول انسان ہیں مگر ہم ایسا کہیں تو غلط ہوگا عیب یا کمی بیشی ہر کسی کی شخصیت میں ہوتی ہے۔ چھوٹے نواب ایسے مکمل انسان نہیں ہیں اگر چہ ان کی والدہ کی رحلت کے بعد ہم نے کوشش کی ہے کہ ان کی پرورش میں کوئی کمی نہ رہے مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں غلارہ گیا ہو تو اسے پر کرنا اب آپ کی ذمہ داری ہے۔“ وہ چھوٹے نواب کی شخصیت پر روشنی ڈال رہے تھے۔ چھوٹے نواب کا رشتہ اور جنت کی ان کی زندگی میں موجودگی یقیناً اس کے ذہن میں بہت پائیدار چمکے ہوئے تھے اور کئی سوال اٹھ رہے تھے مگر وہ چچا جان سے کچھ کہ نہیں پاتی تھی۔



چھوٹے نواب بہت بے چین تھے۔ وجہ ان کا اپنا رویہ تھا جسے وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ اس رشتے کو لے کر وہ الجھ کر رہ گئے تھے۔ وہ جنت کے ساتھ اپنی وابستگی کو چھپا نہیں سکے تھے مگر اس سے فاطمہ بی بی کو کس قدر تکلیف ہوئی تھی انہیں اندازہ نہ تھا اس لیے وہ کسی سمت کا تعین نہیں کر پا رہے تھے۔ یہ رشتہ یک دم جڑا تھا۔ اگرچہ انہوں نے ایک وقت میں خود کو اپنی مرضی سے اس رشتے کے لیے پیش بھی کیا تھا مگر وہ محض وقتی فیصلہ تھا ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت وہ قدرے جذباتی تھے اور محض فاطمہ بی بی کی مدد کی غرض سے وہ جنت کے اور اپنے رشتے کو نظر انداز کر رہے تھے۔ انہیں اس وابستگی کا اندازہ اب ہوا جب وہ ایک رشتے میں بندھ چکے تھے اگرچہ یہ اخلاقی طور پر مناسب نہ تھا کہ وہ ایک غیر شرعی رشتے کی خاطر ایک شرعی رشتے کو نظر انداز کرتے مگر وہ خود کو فی الحال سمجھا نہیں پا رہے تھے۔ انہوں نے جس طرح حدود متعین کر کے اپنے اور فاطمہ کے رشتے کی ساخت بنائی تھی اس پر وہ نام ضرور تھے مگر جنت سے اپنے رشتے کو وہ چاہہ کبھی نظر انداز نہیں کر پا رہے تھے وہ اپنی سوچوں میں گھرے ہوئے تھے۔ جب فاطمہ بی بی باورچی خانے میں کھڑی ملازمین کو ہدایات دیتی دکھائی دیں، وہ جانے کیوں رک گئے اور فاطمہ بی بی کو بخود دیکھنے لگے۔ فاطمہ ان سے قلعابے نیاز جب بچتی تو چھوٹے نواب کو مقابلہ دیکھ کر سکت رہ گئی۔ انہوں نے قدم روک لیے مگر نہ ممکن تھا کہ وہ ان سے ٹکرا جائی چھوٹے نواب نے انہیں دیکھ کر جانے کیوں نگاہ پھیر لی تھی۔

”وہ..... ہمیں..... ہمیں آپ سے بات کرنی تھی۔“ چھوٹے نواب نے کہا تو فاطمہ بی بی نے خاموشی سے انہیں دیکھا۔ چھوٹے نواب نے جانے کس استحقاق کے تحت ہاتھ بڑھا کر ان کا نازک سا ہاتھ تھاما۔ فاطمہ کے وجود میں سسکی سی دوڑ گئی تھی اس ایک لمحوں نے کیا کیا نہ طوفان بپا کیا تھا مگر وہ میکا کی انداز میں چھوٹے نواب کے ہمراہ چلتی ہوئی ہال میں آ گئی۔ وقار الحق نے ان کا ہاتھ اپنی گرفت سے زور کر کے ہونے بیٹھے کا اشارہ کیا تو فاطمہ بی بی سر جھکا کر خاموشی سے بیٹھ گئی وقار الحق کچھ ثانیوں تک خاموش رہے پھر گویا ہوئے۔

”فاطمہ ایسا نہیں ہے کہ ہمیں اس رشتے کی اہمیت کا اندازہ نہیں مگر.....“ وہ جانے کیوں الجھن کا شکار دکھائی دیے یا لامل کے حسن نے سب بھلادیا تھا وہ جو اس کی جانب متوجہ تھے اس کی سمت سے نگاہ پھیر گئے۔ فاطمہ نے اس دوران سر اٹھا کر انہیں دیکھا ایسا نہیں تھا کہ وہ ایسی بھولی تھی کہ ان کے محسوسات کو سمجھ نہیں پاتی یا ایسی نا سمجھ تھی کہ اس رشتے کی نوعیت کو جان نہ پاتی۔

”آپ کو جو کہنا ہے کل کر کہیے۔“ فاطمہ بی بی نے مدہم لہجے میں کہا تھا تب وقار الحق ان کی طرف دیکھنے لگے۔

”معذرت چاہتے ہیں فی الحال دماغ اس قدر منتشر ہے کہ ہم آپ کو سمجھا نہیں پائیں گے۔“ وہ جانے کیا کہنے کا قصد کیا ہوئے تھے۔ فاطمہ نے ان کی سمت اپنی ازلی خود اعتمادی سے دیکھا۔

”آپ سب سے پہلے اپنے ذہنی انتشار کی وجہ تلاش کیجیے چھوٹے نواب کیونکہ ایسا انتشار فساد کا باعث بن سکتا ہے۔“ ان کی بات گہرائی لیے ہوئے تھی۔ چھوٹے نواب نے ان کی آنکھوں میں دیکھا اور جیسے ایک لمحے میں سب ڈوبتا دکھائی دیا۔ ان کی پلکیں اٹھ کر جھکی تھیں ان لانی پلکیں کی لرزش قیامت اٹھانے کو کافی تھی۔ وہ جو غیر راستہ ان کی سمت دیکھ رہے تھے ایک لمحے میں نگاہ پھیر گئے وہ وہ شرعی طور پر حقوق رکھتے تھے ان کی سمت دیکھتے رہنے کے مکر وہ گریز ان رہے۔

”ہم..... ہم جنت بی بی سے محبت کرتے ہیں فاطمہ۔“ وہ کہہ گئے جیسے انہیں ڈر تھا کہ وہ نہ کہہ سکے تو اس حسن کے گرویدہ ہو جائیں گے اور پھر واپسی کا راستہ کھوجانے لگا۔ وہ خود کو مطمئن کرنا چاہ رہے تھے یا یہ کوئی دھوکہ تھا وہ سمجھ نہیں پائے مگر انہوں نے اپنے کہے کا رد عمل فاطمہ کے چہرے پر تلاشنا چاہا تھا۔ فاطمہ شاید بہت مضبوط واقع ہوئی تھی۔ انہوں نے خود کو بکھرنے سے بچانے کے لیے تیار کر لیا تھا یا وہ مجرم رکھنا چاہتی تھی۔ وہ جان نہیں پائے ان کے چہرے پر کوئی واضح تاثر نہ تھا ان کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور وہ خاموشی وقار الحق نے ایک گہری سانس خارج کی اور نگاہ پھیر کر بولے۔

”ہم نے جنت بی بی کو اس تعلق کے متعلق کچھ نہیں بتایا وہ یہ صدمہ جھیل نہیں پائیں گی انہوں نے بچپن سے ہمارے والے سے خواب دیکھے ہیں وہ ہمارے علاوہ کبھی کسی اور کا تصور نہیں کر سکتیں۔“ وہ تمہید باندھ رہے تھے فاطمہ نے نگاہ اٹھا کر ان کو دیکھا۔

”آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟“ فاطمہ نے نہ کریدا تھا۔

”ہم چاہتے ہیں جنت بی بی کو آپ کے اور ہمارے رشتے کی حقیقت کا علم نہ ہو۔“ وہ کیسی فرماؤں کر رہے تھے ان کو فاطمہ بی بی کی کیفیت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ وہ کیسے سمجھتے تھے ان کے مصوم دل پر ڈھار ہے تھے۔ فاطمہ بی بی بہت بڑا اعتمادی سے ذہنی انہیں سن رہی تھیں۔

”اگر ان کو بتانا مقصود بھی ہوا تو صرف یہ بتایا جائے گا کہ ہماری مقبلی ہوئی ہے ہم اس نکاح کا ذکر نہیں کرنا چاہتے۔“ ان کا لہجہ کیسے ستم ڈھار ہا تھا فاطمہ بی بی خاموشی سے سر جھکا کر ان کو سن رہی تھیں۔

”ہم جنت بی بی کو کبھی نہیں دیکھ سکتے وہ بے انتہا محبت کرتی ہیں ہم سے، ان کے لیے اس حقیقت کو چھپانا ضروری ہے۔“ نواب زادے نے درخواست کی۔

”اس میں تردد کی کیا بات ہے چھوٹے نواب..... آپ کو جنت بی بی سے جو کہنا ہے کہہ دیجیے ہمیں بتانا کیا معنی رکھتا ہے؟“ وہ اپنے رشتے کی بے قدری کا احساس دلاتے ہوئے جتانے والے انداز میں بولی۔

”جب کوئی آپ کے لیے اہمیت نہیں رکھتا تو دوا دیا کس بات کا..... سارا کھیل اور کھیل کی ڈور آپ کے ہاتھ میں ہے آپ اپنی مرضی کا انجام منتخب کر سکتے ہیں اس میں کوئی دورانیہ نہیں ہے سو اب کا الجھاؤ اور ذہنی غلط فہمی خلافت را کوئی معنی نہیں رکھتا۔“ فاطمہ بی بی کا لہجہ بڑا اعتمادی تھا اور آواز میں خاص ٹھہراؤ بھی تھا۔ کم عمر بھی شاید کسی قدر نا سمجھ بھی مگر انہیں حرمت عزیزی اور انہیں

تھانے کو ہے۔ انہوں نے مسکرا کر کہا: لہجہ میں ایک لطیف سا طنز تھا اور شاید شکوہ بھی۔
 ”ہم کوئی وعدہ نہیں کر سکتے فی الحال مگر.....“ وہ بات کرتے رہے تو فاطمہ بی بی ان کی بات مکمل کرنے کی منتظر رہی۔

”ہم وعدہ ایفانہ کر پاتے تو ہمیں شرمندگی ہوگی جو کہ مناسب نہیں، ہم چھوٹے نواب اپنی بات سے کمر نہیں لگاتے، ہم اپنی بات کے پابند تصور کیے جاتے ہیں سو وعدہ نہیں کر سکتے مگر ہم وقت چاہتے ہیں، ہمیں وقت دیجئے اس رشتے کو قبول کرنے کے لیے آپ نے جو کہا، ہم متفق ہیں اگرچہ یہ رشتہ کوئی افتادہ نہیں مگر جس پرنگامی طور پر ہماری زندگی میں داخل ہوا اس پر ہم حواس باختہ ضرور ہیں کچھ وقت دیجئے کہ ہم اپنے اوسان بحال کر سکیں اس رشتے کو قبول کر سکیں۔“ وہ جانے کیا سوچ کر کہہ رہے تھے فاطمہ بی بی خاموشی سے باہر نکل گئیں اور قارح ان کو دیکھتے رہ گئے تھے۔



”ناظم الدین آپ نے گویا کیا پلٹ دی، ہمیں آپ سے ایسی امید نہیں تھی آپ نے ہمارے اعتماد کا نصف خون کیا بلکہ ہماری نظروں سے بھی گر گئے آپ ہماری واحد اولاد تھے جس کو ہم قابل اعتبار سمجھتے تھے مگر آپ نے ہمیں حیرت کا مریخ کر دیا، ہم تو انگشت حیرت سے دانستوں میں دبائیں گے تو بھی اس ورطہ ہجرت سے باہر نہ نکل سکیں گے آپ نے تو وہ عمل کیا کہ آنکھوں میں عالم اندھیر ہو گیا۔“ وہ انتہائی افسردہ دکھائی دیں جیسے ناظم الدین کے اس عمل سے واقعی ان کو بہت تکلیف پہنچی ہو۔ ناظم الدین نگاہ نہ اٹھا رہے تھے خروخرو عین امان جان کے سامنے تو آنا ہی تھا اور انہوں نے بہتر جانا کہ انہیں خود اس سچ کو بیان کر دیں۔ اس سے قبل کہ انہیں کہیں اور سے خبر نہ ہوئی اور ان کا مزاج آگ بگولہ ہو جاتا وہ سچ پا ہوتیں اور پھر کوئی ان کے عتاب کا شکار نہ بنتا۔ امان جان حیرت میں ہاتھ مل رہی تھیں وہ اسی عالم حیرت میں خود کلائی کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔
 ”بجائے جسے عالم سے بجا سمجھتے ہیں دنیائے کہا کہ ناظم الدین پر اس درجہ محبت لٹانا اور اعتماد کرنا ٹھیک نہیں مگر ہم ہی نہ سمجھتے۔ آپ نے تو ایک لمحے میں اپنی دختر سے محبت کا ثبوت دے دیا مگر ہم ہی نہ سمجھتے مگر سچ کہتے ہیں اولاد کی آنچ بڑی ہوتی ہے ہم تو جیسے فاطمہ کے دشمن تھے ناں خیر خواہ تو جیسا آپ ہی تھے۔ کیا سو رہے کی پوچھی اور کیا ایک بیٹے کی اولاد، مال سے سود زیادہ عزیز ہوتا ہے مگر افسوس ہماری ہی نیت پر شک کیا گیا آپ نے تو ثابت کر دیا کہ آپ کو اولاد زیادہ عزیز ہے مگر آپ کے اس اقدام نے ہمیں اخلاف کا دشمن بنا دیا اس عیال داری میں شخص کر ہم تو دور کوڑی کے نہ رہے نواب صاحب کے سامنے الگ شرمندہ ہوئے اور حیرت تو ہمیں نواب صاحب پر بھی ہے انہیں کوئی اعتراض تھا تو ہمیں کہا ہوتا۔ ہمیں ہمارے ہی کنبے کے سامنے ذلیل و رسوا کرنے کی کیا تکبھی۔ ہم تو خود کو دانا سمجھتے رہے مگر اتنی عقل بھی اجمیران ہوتی ہے عزت و دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی۔ خاک اٹھا کر سر میں ڈال لی آبرو آب آب ہوئی۔“ امان جان کی آنکھیں اشک بار تھیں خواجہ ناظم الدین کو بہت افسوس ہوا وہ اپنی جگہ بہت شرمندہ دکھائی دے رہے تھے۔

”امان جان ہم شرمندہ ہیں جو کیا ہم نے کیا اس میں نواب صاحب کی کوئی غلطی نہیں۔“ خواجہ صاحب نے کہا۔
 ”اے بیٹا جانتے ہیں اپنی گھٹنا تھو لے لیے آپ ہی لاجوں مرے ہمیں کسی غیر نے خاک میں نہیں ملایا یہی تو دکھ ہے ہماری اولاد کی آنکھوں میں ہی شرم نہ تھی تو غیروں سے گلہ کیا کریں ہم تو صدمہ کی کیفیت سے باہر نکل نہیں پارے۔ اولاد کے ہاتھوں ایسے ہمو کے کھائے آدھی اولاد ماں کو چھوڑ کر اپنی زندگی جیسے کٹ کر الگ ہوئی جو بچی اس نے وہ فعل کیا کہ دشمن بھی پناہ مانگے۔ ناظم الدین آپ نے تو اپنی ماں جان کو بحر نہامت میں غرق کر دیا۔“ امان جان نے جذباتی انداز میں سر پٹا ناظم صاحب شرمساری سے آگے بڑھے اور امان جان کے ہاتھ تھام لیے۔

”اماں جان معذرت خواہ ہیں بہت پشیمان ہیں، ہمیں معاف کر دیجیے مگر جب ہمیں خبر ہوئی کہ آپ نے تو قیر کو ریحان میاں کے لیے منے کر دیا ہے پریشان ہوا مجھے تھے۔ نواب صاحب ہمارے رفیق ہیں اور بچپن سے فاطمہ نے انہیں اپنا چچا

ہماں مانا ہے وہ رشتہ ہمیں مناسب نہیں لگا سو ہم نے نواب صاحب سے خود درخواست کی کہ وہ چھوٹے نواب کا نکاح فاطمہ نے کرنے پر زور دیں مگر وہ اس پر آمادہ نہیں تھے انہیں آپ سے حکم عدولی قبول نہ تھی سو ہم نے دباؤ ڈالا جس پر وہ اس پر آمادہ تو گئے مگر انہوں نے صاف جتنا دیا کہ التزام اتمام آپ کے سر ہوگا اور ہم چونکہ اپنی صاحبزادی کا بھلا چاہتے تھے سو ہم نے ان کی بات کو مان لیا۔“ ناظم الدین نے بیٹی کی محبت میں تمام معاملے کو اپنے سر لیا تھا۔ امان جان نے انہیں گھورا مگر وہ سر جھکا گئے جیسے وہ ہر سزا بھگتتے کو تیار ہوں امان جان نے اپنے فرماں بردار بیٹے کو خاموشی سے دیکھا۔



نواب صاحب اپنے رفیق انوار الحق سے بہت پر تپاک انداز میں ملے۔
 ”میاں آپ تو عید کا چاند ہو گئے عرصہ ہوا ہم تو شطرنج کے مہروں سے اکیلے ہی الجھتے رہنے کے عادی ہو رہے تو جب آپ نے اپنا دیدار مبارک کر دیا۔“ نواب صاحب مسکرائے انوار الحق صاحب بھی مسکراتے ہوئے براہِ جان ہو گئے۔
 ”اگرے میاں بس جان سلامت ہے سانس آ جا رہی ہے، باقی ماندہ بچوں کی ذمہ داری سے تو سبکدوش ہو سکے اب اپنی زندگی میں ہی جنت کی ذمہ داری سے بھی فارغ ہو سکیں تو چین آئے اور موت آسان ہو سکے گی۔“ انوار صاحب نے کہا تو نواب صاحب کے مسکراتے لب پہنچ گئے پھر وہ بات بدلنے لگے مسکرائے۔

”اگرے جناب آپ کی عمر بہت لمبی ہے، بے کار میں پریشان نہ ہوں سیاسی، سماجی اور معاشرتی معاملات پر آپ کی نگہری نگاہ رہی ہے آپ کے ساتھ نشست کر کے ہمیشہ کچھ نیا سیکھنے کو ملا اچھا ہوا آپ ملاقات کا شرف بخشے چلے آئے ورنہ ہم آپ کی طرف آنے والے تھے۔“ نواب صاحب نے کہا انوار الحق صاحب نے سر ہلایا۔
 ”ہم بھی آپ سے ملنے کا سوچ رہے تھے طبیعت ذرا معمولی تو سوچا خود جا کر مل لیں۔ نواب صاحب آپ کی محبت ہے جو عزت دیتے ہیں ورنہ ہمہ خاکسار جانتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں اچھا وہ آپ کے نکاح کا معاملہ کیا ہوا؟“

انوار الحق صاحب کے پوچھنے پر نواب صاحب چند لمحوں خاموش رہے۔ وہ بیٹے کے تیز رو کچھ رہے تھے سونا سب نہ جانا کہ فاطمہ کے متعلق واضح انکشاف کریں سو دھیسے لہجے میں بولے۔
 ”ہم اس بچی کو اپنے گھر لائے ہیں انوار صاحب۔ ہم ان سے نکاح نہیں کر سکتے تھے وہ ہماری بیٹی ہیں۔ ہم شش و پنج میں مبتلا ہو گئے تھے۔ تاج بیگم صرا کر رہی تھیں مگر ہم خود کو آمادہ نہیں پاتے تھا اب اس عمر میں کیا گھوڑی چڑھتے اچھے لگتے۔“ نواب صاحب مسکرائے اور انوار الحق صاحب کو مطمئن کرنے کے لیے مزید کہنے لگے۔

”بس انوار صاحب بیٹی ایک گھر سے دوسرے گھر آ گئی ہے۔ ہم نے ان کی کفالت کا ذمہ اٹھا لیا ہے اور سیاسی تربیت کا بھی وہ بلا کی ذہین بچی ہے ابھی کم سن ہے مگر فطین واقع ہوئی ہے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ وہ معصوم بچی اپنی دادی جان کے قاتل کا شکار بنے محض تعلیم کو لے کر ان پر پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔“ نواب صاحب نے کہا تو انوار الحق صاحب نے متفق ہو کر سر ہلایا۔

”آپ نے دوستی کا حق ادا کر دیا نواب صاحب ناظم الدین سے آپ کے مراسم پرانے ہیں۔ نسل و نسل منتقل ہونے والی محبت کو آگے بڑھایا ہے آپ نے مگر کیا تاج بیگم بچی کی اس گھر سے اس گھر کی منتقلی پر متفق ہو گئیں؟ براہ راست تو ملاقات نہیں ہوئی مگر آپ کی گفتگو سے جتنا جانا اس سے تو حاضری ٹیڑھی کھر گئی ہیں محترمہ۔“ انوار الحق صاحب نے کہا تو نواب صاحب کو جھوٹا یوں نامناسب نہیں لگتا تھا مگر ابھی بات کو کھلنا مناسب نہیں جاتا۔
 ”مشکل تو تھا مگر ہم نے پرانے تعلقات کا واسطہ دے کر رام کر لیا، بہر حال اب دیکھیں گے کیا کرتا ہے۔“ نواب

صاحب کی بات اور انداز نے انوار الحق صاحب کو چٹکا دیا تھا۔

”کیا مطلب؟ اب کیا اس بچی کے مستقبل کا فیصلہ بھی آپ ہی کریں گے۔“ نواب صاحب نے آہستگی سے سر اٹھاتے ہوئے کہا تو انوار الحق صاحب چونکے۔

”کہیں آپ اس بچی کا نکاح چھوٹے نواب سے کرنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے اسی باعث آپ شش و پنج میں مبتلا ہیں؟“ انوار الحق صاحب نے کہا تو نواب صاحب کوئی واضح جواب نہ دے سکے۔

”رشتے آسانوں پر طے ہوتے ہیں میاں، آپ بھی کیا بات لے کر بیٹھ گئے فی الحال اس متعلق بات کرنا قبل از وقت ہوگا چلیے قہوے کے ساتھ ایک شطرنج کی بازی ہو جائے۔“ نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا انوار الحق صاحب دیکھ کر رہ گئے۔

”آپ چھوٹے نواب کی نسبت جنت بی بی سے طے کرنے کے حامی دکھائی نہیں دیتے تو کیا اسے انکار سمجھوں؟“ انوار الحق صاحب گویا ہوئے جبکہ نواب صاحب کی طرف گہری خاموشی تھی۔



”بیگم کو درس گاہ لے جانے کے لیے ایک وفادار ملازم کی ضرورت ہے جو موٹر گاڑی چلانے میں تجربہ اور مہارت رکھتے ہوں۔“ چھوٹے نواب نے کہا تو وفادار ملازم نے سر ہلادیا۔

”چھوٹے نواب ہم بندوبست کر دیں گے۔“ ملازم نے مؤدب ہو کر کہا۔

”خادم صاحب ہم نہیں چاہتے گھر کے ملازمین میں سے ان کے ہمراہ کوئی یہ ذمہ داری نبھانے جائے۔ ہم اتنے ملازمین میں سے کسی کو بھی حکم دے سکتے ہیں مگر یہ مناسب نہ ہوگا۔“ انہوں نے جتایا اور خادم صاحب نے مؤدب ہو کر سر ہلایا مکمل کے ملازمین وفادار تھے مگر ایک نئے ملازم کی تلاش کا معاملہ اٹھا تو نگلے دن یہ بھی بسلکھادیا گیا۔ خادم جانے کہاں سے ڈھونڈ کر ایک اونچے ملائے نوجوان کو لیے چلا آیا تھا وقار الحق نے اس نوجوان کو سر تاپہ دیکھا۔

”آپ کا اسم شریف جان سکتا ہوں؟“ چھوٹے نواب نے دریافت کیا، اس نوجوان نے خاموشی سے دیکھا اور پھر قدرے بروہاری سے بولا۔

”رجت سنگھ۔“ اس کے انداز، خود اعتمادی اور ناز سے تنی گردن کو وقار نے بغور دیکھا۔

”شکل سے تو بڑھے لکھے لگتے ہو، ایسی ملازمت کرنے کا خیال کیوں کرتا یا؟“ وقار الحق نے اس کی مردانہ جاہت دیکھ کر یہ نہایت مناسب خیال کیا۔

”ضرورت اور پیٹ کی آگ اجرت دیکھتی ہے کام کی نوعیت نہیں۔“ رجت سنگھ نے کہا تو وقار الحق اس کی مدبرانہ بات پر چونکے۔

”تم ہمارا مذہب اور پھر اس پر متضاد تمہارے تیرا اور انداز ہمیں فکر میں مبتلا کر رہے ہیں معذرت چاہتے ہیں مگر آپ کو اس ملازمت پر نہیں رکھ سکتے۔“ وقار الحق نے واضح انکار کیا تو رجت سنگھ ایسا اعتماد سے مسکرایا۔

”رب نے دنیا بنا تے ہوئے اور رزق کا ہنسنے ہوئے تغیر لیں نہیں کی چھوٹے نواب۔ آپ ملازمت دینے پر مذہب کو وجہ بنا رہے ہیں، کیا بیٹھ رہو دیکھتا ہے یا بھوک صرف ایک مذہب کے پیروکاروں کو لگتی ہے؟“ رجت سنگھ کی گفتگو میں جو وزن تھا وہ حیران کن تھا، وقار الحق نے انہیں بغور دیکھا پھر سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے مگر شکایات کا موقع نہیں ملنا چاہیے خادم صاحب موصوف کو ان کی ذمہ داری سمجھا دیجیے۔“ وقار الحق اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئے خادم رجت سنگھ کو ذمہ داری سے بہرہ مند کرنے لگے جبکہ رجت سنگھ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔



فالہ بی بی کا دل بہت مضطرب تھا سو وہ چچا جان کے کتب گھر میں آن بیٹھیں۔

دل میرا سوز نہیں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا
آنکھوں میں یک دم نمی گھر کرنے لگی، وہ با آواز بلند دیوان غالب سے غزل پڑھنے لگیں۔

دل میں ذوق و یاد یار تک باقی نہیں

آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا
نا کجا افسوس گری ہائے محبت اے خیال
دل بہ سوز آتش داغ تمنا جل گیا

لفظ تھے کہ حال دل، ضبط ٹوٹنے لگا آواز بھرانے لگی تھی۔ آنکھوں کے پیالے جانے کیوں جھلکنے لگے وہ تھک کر انہیں موند کر کرسی کی پشت سے سرکا گئیں۔ دل جانے کیوں غبار سے بھرتا ہوا محسوس ہوا اندر باہر کشائیں تھیں آسو تمام نہ تو ذکر بہہ نکلے ان کی سسکیاں فضا کو ٹوٹنے لگیں جب یک دم کسی کی آواز ابھری۔

کہتے ہو نہ دیں گے دل اگر پڑا پایا
دل کہاں گم کیجیے ہم نے مدعا پایا
سادگی و پرکاری بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا
حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

فاطمہ بی بی نے یک دم نگاہ اٹھا کر دیکھا قدرے فاصلے پر وقار الحق کھڑے کھائی دیئے کیا وہ دانستہ فاطمہ بی بی کا انقاب کرتے ہوئے اس کے پیچھے آئے تھے یا پھر یہ محض اتفاق تھا مگر یہ بات تو طے تھی کہ چھوٹے نواب نے فاطمہ بی بی کو شامی پڑھتے ہوئے نہ لیا تھا اور جواب انہوں نے چند اشعار غالب کے پڑھ دیئے فاطمہ بی بی نے فوراً رخ پھیر لیا۔ غنیمت تھا کہ قدرے فاصلے پر تھے وہ ان پر اپنے آنسوؤں کی حقیقت آشکارا نہیں کرنا چاہتی تھیں سو وہ آنکھوں کے کناروں سے نمی کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا اب اس عمل کو چھوٹے نواب نے دیکھا کہ نہیں، وہ نہیں جانتی تھیں مگر وہ کسی بھی طرح ان پر اپنی کمزوری ظاہر کرنے کی خواہش نہیں تھیں شاید ایک حقیقت یہ بھی کہ درودینے والے کو جتایا نہیں جاتا کہ اس کی ضرب نے کیسا لڑا اور کیا اور کوئی کتنا غمناک تھا ہوا۔ وہ اگر اتنا ہی تھک بھی چکی تھی تو خود کو تھکا ہوا ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی خود کو کمزور ظاہر کر کے کسی کو برتری کا موقع دینا نہیں چاہتی تھی سو خود کو معمول کے مطابق ظاہر کرنے لگیں جب تک چھوٹے نواب قریب آئے اور ان کو خبر ہوئی۔ وہ سنبھل چکی تھیں۔ چھوٹے نواب نے قریب کھڑے ہو کر انہیں بغور دیکھا وہ پلٹ کر دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔

”آپ کو غالب کی شاعری سے اس قدر لگاؤ ہے آپ نے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا؟“ چھوٹے نواب نے اسے کہا تو کیا ان کے درمیان معمول کی بات چیت، بہت عام سی بات ہو۔ فاطمہ بی بی اس لمحے کسی سے بات کرنے کی خواہش نہیں تھیں سو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور خاموشی سے چھوٹے نواب زاوے کے قریب سے گزر جانا چاہتا تب پاؤں کو قاب

لکھو۔

”اگلا آپ کے ہونہار سپوت۔“ تو قیر صاحب نے ناگواری سے کہا۔ ریحان میاں اباجان کی بات سن کر مسکرائے اور اٹھ اڑتے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔

”اباجان، بتایا جان نے اچھا نہیں کیا جسے دیکھو ایک ہی ذکر زبان زد عام ہے آج کل۔ کس کس کا منہ بند کریں ہم لوگ ہماری طرف انگلیاں اٹھاتے ہیں گویا عزت دو ٹکے کی نہیں رہی ہماری منگیتر کو کوئی اور بیاد لے گیا اور ہم دیکھتے ہی رہ گئے۔“ اہل کھڑا کر گئے تو کتھے جب بیگم تو قیر نے آگے بڑھ کر سہارا دیا تو قیر صاحب نے ناگواری سے ٹھوڑا۔

”محترم۔۔۔۔۔ آپ کسی قابل ہوتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، ہم نے ایک نالائق اولاد کو جنم دیا یہ جرم کڑا ہے سولوگوں کی لڑوی کی سی منتاب ہمارا حق بنتا ہے۔“

”اے جانے دیجیہ ریحان کے باپ دنیا کی اولادیں اگر نیک ہیں تو ہمیں کیا سر و کار ان سے اب اپنی اولاد کا گلہ گھونٹ دو؟“ آپ کو تو یوں بھی دنیا کے عیب دکھائی دیے نہ سناں اگر ناگلی اٹھائی تو ہمیشہ اپنی اولاد کی ناہنجاری پر لوگوں کی اولاد پار سا ہے تو اکرے ہمیں ان سے کیا واسطہ؟“ بیگم نے لڑنا ناچا مگر تو قیر صاحب بولے۔

”بیگم آپ کی ایسی حمایت کے باعث آپ کے صاحبزادے اس حالت کو آن پہنچے ہیں اگر آپ نے ایک ماں بن کر انہی تربیت کی ہوتی تو آج یہ نوبت نہ آتی۔“ تو قیر صاحب کے لہجے میں نفوس دنا آیا تھا۔

”ہم اس کا بدلہ لیں گے ماں آپ فکر مند نہ ہوں دنیا کے طعنوں کو اور نہیں سہہ سکتے۔“ ریحان میاں کے بیان نے تو قیر صاحب کے کان کھڑے کر دیے۔

”چپ کر کے بیٹھے رہیے آپ میں ہمت ہوتی تو ہم ماں جان سے ذلیل ہو کر اس کو بچے سے نہ نکلتے“ آپ کی نالائقی نے یہ دن دکھائے ہیں سو شکوہ زمانے سے نہیں خود سے کیجئے۔ اس جگہ ہنسائی میں آپ کی اپنی حرکتیں کا فرما ہیں وگرنہ ایسے حالات نہ ہوتے آپ اگر اب کچھ کر سکتے ہیں تو اس اپنا محاسبہ کیجئے۔“ تو قیر صاحب نے ڈنکا مگر ریحان سرگرمی میں ہلانے لگا۔

”اباجان ہم چپ نہیں بیٹھیں گے ہم عملاً کوئی تحریک ضرور چلائیں گے اس جگہ ہنسائی پر ہم خاموش نہیں رہ سکتے فاطمہ بی بی ہماری منگیتر ہیں سو ہم ایک بار ان کو لکھو ضرور لائیں گے پھر چاہے کسی جائز راہ سے لائیں یا ناجائز عمل سے۔“ ریحان میاں جیسے عزت کے نام پر بڑے دکھائی دیے تو قیر صاحب بشدرہ گئے اور اس کا تو بیگم تو قیر بھی رہ گئی تھیں ماحول میں بے بسکتے کی سی کیفیت تھی مگر ریحان میاں غصہ سے اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔



چھوٹے نواب بہت نام سے نواب صاحب کے سامنے بیٹھے تھے نواب صاحب کی خشگیں نظریں ان پر جمی تھیں وقار اُن کے پاس لفظ نہیں تھا اور نواب صاحب جیسے باتوں کے معنی جتنا نہیں چاہتے تھے۔

”ابا حضور ہم پشیاں ہیں مگر ہم کچھ نہیں پارہے حقیقت آپ جانتے ہیں۔“ وقار اُن کے لب کھولے نواب صاحب نگاہ پھیر گئے اور وہ ہم لہجے میں گویا ہوئے۔

”ہم جانتے ہیں یہ ہماری غلطی ہے ہم نے آپ کو یہ رشتہ استوار کرنے کو کہا مگر آپ کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ یہ سب آپ کے ایک فضلے کے باعث ہوا فاطمہ بی بی نے جن مصیبتوں کو جھیلنا آپ کے باعث ہوا اور آپ اس سب سے نگاہ نہیں چرا سکتے بہر حال جو ہوا سو ہو مگر ہم کی بددیانتی یا بد عنوانی کو ہوائیں دیں گے آپ ہماری اولاد ہیں مگر ہم آپ کو آپ کی غلطی پر اس طور سرزنش کریں گے جیسا کہ ایک والد کو کرنا چاہیے۔“ نواب صاحب مضبوط لہجے میں بولے وقار اُن

کے غرارے میں انکا، چھوٹے نواب نے ان کا ہاتھ تھاما مگر خود کو سنبھال کر انہوں نے چھوٹے نواب کی طرف دیکھا اور چھوٹے نواب نے نگاہ پھیر لی تھی۔

”معذرت چاہتے ہیں دانستہ۔۔۔۔۔“ انہوں نے وضاحت دینا چاہی فاطمہ بی بی نے روک دیا ان میں شرعی رشتہ تھا اور جائز وارث تھے ایسا گریز اور فاطمہ کوئی معنی نہیں رکھتا تھا مگر اس تعرض کی وجہ جانتی تھی سول کٹ کر رہ گیا نا سمجھ کم سن تھی مگر ایسی نا سمجھ بھی نہیں کہ اپنے رشتے کی نوعیت نہ سمجھ سکتیں اور اپنے سے وابستہ رشتے برائے حقوق کو بھول جاتیں۔ جانے کیوں ایک تفحیک کا احساس دل میں ان کی طرح کھب گیا آنکھوں میں نمی تیرنے لگی وہ ٹھوہ نہیں کر سکتی تھیں مگر اپنی بے قدری، بے پلو قیری اور اس رشتے کی تفحیک کے احساس نے رلا دیا تھا۔

”آپ دور ہی ہیں فاطمہ، خیریت؟“ وہ انجان بن کر پوچھنے لگے فاطمہ نے ان کی سمت دیکھ کر نگاہ پھیر لی اور بنا کچھ کہہ باہر نکل گئیں چھوٹے نواب ان کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔



بیگم تو قیر غصے اور نفرت کے احساس سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھیں اور ہلا خورک کر اپنے شوہر نامدار کو گھورا۔

”ایسی بے عزتی آپ سے ہضم ہوگی ہم نہیں جھیل سکتے آج پڑوسن جو کہہ گئی فطال اس لیے کان لپیٹ کر سن لیا کہ آپ کی اماں جان نے بے عزت کر کے گھر سے تو نکالا ہی رشتہ بھی کسی اور کو دے دیا ان کو کیا لگا نکاح کی خبریں ہمارے کانوں تک نہ پہنچیں گی؟ انہوں نے سمجھ کیا رکھا ہے ہمیں اور ایسی دو ٹکے کی اوقات بنادی گویا ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں اب لوگ ہیں کہ طعنہ زنی کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہے مگر ہم شکوہ کریں بھی تو کس سے؟“ بیگم تو قیر سر پٹختی ہوئی بیٹھ گئیں تو قیر صاحب نے ٹیبل پر رکھی قبوے کی پمائی کا اٹھا یا اور مزے سے چسکیاں لینے لگے جیسے انہوں نے بیگم کی کسی بات کو سرے سے سنایا نہ ہو بیگم نے اس فعل پر باقاعدہ آنکس گھورا۔

”بیگم آپ تو ایسے بے خبر بنے بیٹھے ہیں جیسے بے عزتی ہماری نہیں کسی اور کی ہوئی ہو تو قیر صاحب حد ہو گئی اماں کے سامنے گھٹنے ٹیک کر آپ نے جو بے عزتی کا طوق سینے پر سجایا ہے وہ کسی کام نہیں آنے والا۔“ بیگم تو قیر نے کہا تو تو قیر صاحب نے گہری سانس خارج کی۔

”تو کیا کریں ہم آپ ہی بتائیے ناظم بھائی صاحب نے بذات خود جھان بین کر لی تھی اور انہیں خبر ہو گئی تھی کہ ہمارے نالائق، ناہنجار صاحبزادے ان کی قابل صاحبزادی کے قابل نہیں اور یہ سچ بھی تو ہے اگر ہمارے ریحان صاحب کسی قابل ہوتے تو ہم سیدہ شونک کران کی حمایت میں کھڑے بھی ہوتے مگر ایسی اولاد کی حمایت میں کیا کھڑا ہوتے جو کچھ ہانا چھابرا نہ سمجھتی ہوں وہ آپ کے لاڈ لے ہو نہ ہار سپوت پڑے ہوں گے اب بھی مگلی کے کسی بکڑے کو آپ ایسی اولاد کی حمایت کے لیے ہمیں اکسار ہی ہیں؟“ تو قیر صاحب نے پہلی بار بیگم کا ڈرے ہاتھوں لیا تھا بیگم کو کیا انگشت بدندان رہ گئی تھیں۔

”اے لڑاچی ہی اولاد کے عیب دکھائی دیتے ہیں آپ کو؟“ نیک سیرت بیگم کے کرم دکھائی نہ دے اماں جان نے اس قدر کم سن میں اسے کسی جواہری کے لیے باندھنے کا سوچا تو کچھ تو عیب اس اپسر میں بھی ہو گا ناں۔“ بیگم تو قیر دور کی کوڑی لائیں تو قیر صاحب خاموشی سے بیگم کو دیکھتے رہے۔

”ایسے بڑھے کے سر منڈھ دیا اس حسن پری کو تو کوئی تو گڑ بڑ ضرور ہے ناں اللہ جانتا ہے ہم کسی کی کردار کشی نہیں کرنا چاہتے خود کی بیٹیوں والے ہیں مگر تو قیر صاحب آپ کی اس بیگم صاحبہ کے چھٹن لگتے نہیں لگناں جان نے کچھ سوچ کر ہی ان کا نکاح ان نواب صاحب سے کیا ہو گا چلو ہمیں کیا کسی کی بلا کسی کے سر ہماری تو جان چھوٹی۔“ بیگم تو قیر نے ہاتھ جھاڑے تب ہی گھر کا چھانک کھلا اور نشے میں دھت ریحان میاں نے اندر داخل ہوئے تو قیر صاحب نے صاحبزادے

ان کو دیکھ کر رہ گئے کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر وقار الحق نے اس محمود کو ٹٹا۔

”ہا حضور، ہم ماننے ہیں، ہم غلطی پر ہیں مگر شاید کبھی کبھی رشتے وقت چاہتے ہیں کیا ہمیں وقت کی وہ مدت نہیں مل سکتی جب ہم اس رشتے کو ذہنی طور پر قبول کرنے لائق ہو سکیں۔“ وقار الحق نے سر اٹھائے بنا کہا تو نواب صاحب فوری طور پر کچھ کہہ نہیں سکے۔

”ہا حضور، رشتے فقط ناموں کی تختی گلے میں لگا دینے سے نہیں بنے رشتے دلوں میں آباد ہوتے ہیں اور دلوں کے رابطے سے پھلتے پھولتے ہیں۔“ وقار الحق کی بات اس نقطے پر دلالت کرتی تھی کہ ان کا کوئی دلی واسطہ یا تعلق فاطمہ بی بی سے نہ بنا تھا اور ہمدردی میں عمر ایک ساتھ نہیں کاٹی جاسکتی۔ نواب صاحب وقار الحق کی بات سمجھ رہے تھے مگر وہ جوان اولاد پر بے جا سختی کرنے کے قائل نہیں تھے وہ بہت سوچ سمجھ کر اس مدد کو جانچ رہے تھے۔

وقار الحق نہیں جانتے تھے کہ کیا حضور تک اس رشتے کی اس پوشیدہ کیفیت کو کس نے پہنچایا مگر ان کا اندازہ ہوا تھا کہ فاطمہ بی بی اور ان کے مائیں جو بھی چل رہا تھا صرف وہی دوفریق اس بات سے واقف تھے سواگر انہوں نے اس مدد کو نہیں اٹھایا تو وہ دوسرا فریق یقیناً کوئی اور نہیں فاطمہ بی بی ہی تھیں انہوں نے اسے طور پر جو اذکار کیا اس کو سوچ کر ہی ان کی رگس تن گئیں مگر اس شام وہ خاموشی سے نواب صاحب کے پاس سے اٹھ آئے مگر وہ فاطمہ سے جیسے مزید دور ہونے لگے تھے۔ وہ دانستہ سامنا کرنے سے گریزاں رہتے جان بوجھ کر نظر انداز کرتے۔

فاطمہ بی بی ان کی کیفیات سے یکسر لاعلم تھیں وہ حیرت سے انہیں دیکھتی مگر مدعا سمجھ میں نہ آتا اور اگرچہ اس فاصلے کی موجودگی اول دن سے بھی سوفا صلتو بہر حال تھا اور بڑھنے یا گھٹنے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ فاطمہ بی بی نے مگر یہ ساس خارج کی آواز اپنے ہی دھیان میں لگے کھولنے کی بھی سعی کی جب ایک دم چوک پڑا سانسے کوئی کھڑا تھا اور وہ حیرت سے دیکھتی رہیں۔

”کون ہیں آپ؟“ رخ پھیرتے ہوئے آچل اٹھا کر سر پر کھاسا سننے ایسا وہ رجعت سنگھ نگاہ چکی کر گیا۔

”محترمہ نہیں پچھوئے نواب صاحب نے بھیجا ہے ہم آپ کو درس گاہ لے جانے اور واپس لانے کے امور پر مامور کیے گئے ہیں حکم ہے آپ کو وقت پر درس گاہ پہنچایا جائے۔“ رجعت سنگھ مؤدب لہجے میں گویا ہوا لہجے کی شائستگی اور ان آداب پر فاطمہ چومیں بغور سامنے کھڑے رجعت سنگھ کو دیکھا انہیں بالآخر بروہو جوان ایک لمحے کو گناہی سے پہلے کہیں دیکھا ہو کہ نہیں؟ یہ یاد آنا یا تھا، پر انہوں نے ذہن پر زیادہ زور نہیں دیا اور ان کو جانے کا اشارہ کر دیا تھا۔



”اماں جان کا غصہ کم ہونے والا نہ تھا وہ کس مزاج کی حامل تھیں ناظم الدین جانتے تھے مگر وہ اپنی غلطی پر پشیمان تھے سو معافی کے خواستگار نہ ہونے والے ہونے کا فرض تو انہوں نے ادا کر دیا مگر ابھی سپوت ہونے کا فرض پورا کرنا باقی تھا وہ اپنی جنت کو خفا نہیں کر سکتے تھے سو بہت بے چینی سے یہاں سے وہاں چکر لگا رہے تھے۔ اماں جان تھیں کہ دروازہ کھول کر نہیں دے دی تھیں سخاوت بیگم ان کے قریب آن کرئیں۔

”ہم سمجھ سکتے ہیں آپ کی پریشانی مگر آپ اس درجہ فکر مند نہ ہوں اماں جان ضرور آپ کو معاف کر دیں گی ایک ماں ہیں وہ اور ماں کا دل اللہ نے بہت محبت سے بنایا ہے ایک ماں اپنے بچے کے لیے محسوسات نہیں بدلتی اول دن سے آخر تک اس کے محسوسات اور جذبات بچے کے لیے جوں کے توں رہتے ہیں تب ہی تو ماں کے قدموں تلے جنت رکھی گئی ہے۔“

سخاوت بیگم کے بھانے پر ناظم الدین صاحب نے خاموشی سے بیگم کو دیکھا سخاوت بیگم نے ہاتھ سے تھام کر انہیں کرسی پر بٹھایا اور پاس بیٹھی ہوئی نرمی سے بولیں۔

”آپ ایسا مت سوچیں کہ آپ نے اپنی اولاد کے لیے ماں کو دور کر دیا آپ نے اپنا فرض نبھایا ہے آپ کے سامنے

فرائض تھے اور دونوں اہم تھے آپ ماں کی حکم عدولی بھی نہیں کر سکتے تھے مگر آپ اولاد کو تنہا بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے آپ نے ادا کا فرض ادا کر دیا اب آپ کی جنت بھی آپ سے زیادہ دیر خفا نہیں رہے گی دل چھوٹا مت کیجئے ہم اماں جان سے بات کرتے ہیں۔“ سخاوت بیگم ایک بہت نرم خور خاتون اور بہترین ہم سفر تھیں انہوں نے زندگی میں کبھی کسی بات کی شکایت نہیں کی، کبھی کوئی عداوت نہیں رکھی وہ انتہائی متانت اور سمجھداری سے مسائل کا حل تلاش کرنے میں مددگار رہی تھیں۔ ناظم الدین صاحب جانتے تھے کہ سخاوت بیگم کو ان کی پریشانی کا اندازہ نہ ہو اور وہ ان کے باعث پریشان ہیں۔

”آپ اماں جان کو کھانا وقت پر دینی رہے گا وہ خفا ہوتی ہیں تو کھانے سے ہاتھ روک لیتی ہیں ہمیں ڈر ہے کہیں وہ مایل نہ ہو جائیں۔“ ناظم الدین صاحب نے فکر مندی سے کہا تو سخاوت بیگم نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے نرم بولی میں دلائل دیے۔

”آپ فکر مند نہ ہوں وہ ہماری بھی اماں جان ہیں جب تک ان کی گرجدارا وازن نہ لیں ہماری بھی صبح کہاں ہوتی ہے آپ کو لگتا ہے ہم انہیں تنہا چھوڑ دیں گے؟ تیرہ برس کے تھے جب سے ان کی ڈانٹ سنتے آ رہے ہیں اب چاہے وہ جتنا بھی ڈانٹ لیں مگر کھانا تو ہم ان کو کھانا کر رہیں گے۔“ سخاوت بیگم عزم سے گویا ہوئیں تو ناظم الدین صاحب نے اطمینان سے سر ہلایا تھا۔



فاطمہ کو درس گاہ سے واپسی کی راہ کچھ طویل لگی تھی۔

”آپ نے یہ الگ سے کوئی راستہ چننا ہے کچھ طوالت پکڑ رہا ہے؟“ فاطمہ نے دریافت کیا تو رجعت سنگھ نے سیاہ چادر لے نقاب سے چھائی ان دنوں کھول کوئی آئینے میں دیکھا ایک روشنی سی آنکھوں سے پھوٹی دکھائی دی رجعت سنگھ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا۔

”ہم کچھ پوچھ رہے ہیں جواب نہیں دیا آپ نے؟“ لہجہ کارعب نمایاں ہوا تو اب کی بار رجعت سنگھ نے عقبنی سے دیکھنے کا تردد نہیں کیا اور مدہم لہجے میں گویا ہوا۔

”بی بی صاحبہ یہ راستہ متبادل ہے اس راستے پر کوئی ریلی نکل رہی ہے سو یہ راستہ منتخب کرنا پڑا۔“ اس کے جواب پر فاطمہ خاموشی سے دیکھتی رہ گئی پھر قدرے توقف سے بولیں۔

”آپ نے ملازم ہیں مگر ایسا کیوں لگتا ہے ہم نے آپ کو کہیں دیکھا ہے، ہم تو محل میں اس سے قبل نہیں آئے پھر ہم آپ کو کہاں دیکھا؟“ فاطمہ نے اچھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”ہیں..... وہ.....“ فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا جیسے رعب حسن زبان گنگ کر گیا تھا سارا اعتماد اور شخصی تشخص ہوا۔

”ایسا تھا۔“ وہ ہم تاج بیگم کے یہاں کھاتے داری کے معاملات دیکھنے کا کام انجام دیتے تھے کرم دین چاچا نے ہمیں اس فوری پر لگوا تھا۔“ رجعت سنگھ نے آہستگی سے زبان کھولی تو فاطمہ قدرے چونکیں۔

”تو پھر تم نے وہ ملازمت کیوں چھوڑ دی اس میں کیا مسئلہ آن پڑا تھا، شکل و صورت سے پڑھے لکھے گتے ہو پھر ایسی دلی ملازمت؟“

”ہم کھاتے داری کے کام میں سر کھپا کر تھکنے لگے تھے۔ خاصا جان جو کھوں کا کام تھا وہ، ہم جاری نہیں رکھ سکے ہم کچھ انداز میں بیٹھو ہمیں اس نہیں آتیں چاہے وہ زمان و مکان کی قیودوں یا ملازمت کی بہت خطرناکیت میں مبتلا رہے ہم اس کام کو لے کر اور بلا خیر باد ہی کہنے میں عافیت جانی۔“ وہ کچھ جنونی سا لگا فاطمہ بی بی کو حیرت ہوئی پڑھا لکھا بندہ لمبائے داری کا کام چھوڑ کر ایسی ادنیٰ سی ملازمت اختیار کر بیٹھا جنوں پسندی تھی یا اس میں کوئی اور زلیا اسباب کار فرما تھے

فاطمہ بی بی سمجھ نہیں پا سکیں۔

”کئی طبیعت اچھی نہیں ہوتی، ہمیں شکوک و شبہات گھیر رہے ہیں آپ کو چھوٹے نواب نے اس ملازمت پر رکھا ہے؟“ فاطمہ نے اسے اڑے ہاتھوں لیا، رجت سنگھ بولکھلا گیا۔

”ہم ایسے ناقابلِ بھروسہ نہیں ہیں بی بی صاحبی آپ چا کر موم دین سے ہماری بابت باز پرس کر سکتی ہیں۔“ رجت سنگھ نے کہا اور فاطمہ نے جواباً خاموشی اختیار کر لی اس کے بعد رجت سنگھ خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا اور جیسے ہی موٹر کار محل کے احاطے میں داخل ہوئی فاطمہ بی بی نے فوراً اندر کی راہ لی رجت سنگھ نے اسے جانا دیکھ کر گہری سانس بھری تھی۔

راہزوں کو کسی رجنما نے لوٹ لیا

ادائے عشق کو رسم وفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھو شوخی تقدیر خانہ بربادی

جمال یار کہاں نقش پا نے لوٹ لیا

رجت سنگھ کا ہر عضو جیسے کھٹکھٹا اور نگاہ راستے کے اختتام تک کسی راہ کی تلاش میں تھا یا پھر فریب نگاہ کے گمان کی تقلید کرنے کا شوق جہاں تھا کہ بیٹھے بیٹھے جنوں مول لے لیا کیا کیا تھا کیوں کیا تھا؟ وہ جیسے خود بھی نہ جانتا تھا۔



”عزت دو کوڑی کی ہوگی مگر صاحبزادے ہیں کہ انہیں کوئی احساس تک نہیں گویا ہماری زبان کی کوئی اہمیت ہی نہیں ماں کا سر جھکا کر رکھ دیا۔ کھ میں شرم ہو تو دیا سے بھاری ہے مگر لاج شرم ہو تو ناں..... اپنی عزت عزیز ہوئی اور ماں کی عزت کا جنازہ نکال دیا۔ بحرِ ندامت میں غرق ہو گئے، ہم مگر اولاد کو ہوش کہاں وہ اولاد جس کے لیے ایسی قربانیاں دے دیں مگر قدرِ خاک نہ ہوئی ہم بیٹھے دستِ ناسف مل رہے ہیں اور ادھر ہماری اولاد دھول تاشے پیٹ رہی ہے۔“ اماں جان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں سخاوت بیگم کو جھکا کر لے کر اندر داخل ہوئیں ان کا دل آج کر رہ گیا۔ جو بھی تھا وہ خاندان کی بزرگ تھیں اور ماں کا اس طرح افسردہ ہونا اچھا نہیں لگتا تھا۔ سخاوت بیگم نے دیکھا کہ حق تعالیٰ نے ہوائے بنا کوئی میں رکھا اپنی بے قدری کا رونا رہا تھا۔ سخاوت بیگم کو دیکھ کر تاج بیگم نے منہ پھیر لیا جو بھی تھا وہ کسی کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھیں سو نظر بچا کر آنسو پونچھ لیے سخاوت بیگم نے ان کا ہاتھ رکھنے کو نظر چرائی تھی۔

”اماں جان کھانا کھا لیجیے۔“ سخاوت بیگم نے ادب سے جھک کر کہا تو اماں نے انہیں گھورا۔

”اے بوا، ہم کوئی بھوکے مرتھوڑا نہ جائیں گے ایسے ہمدردی جتانے چلی آئیں آپ جیسے ہم کوئی اختیار ہی نہیں رکھتے اپنا بھی گھر ہے ہم ایسے بے بار و مددگار نہیں بی بی جو بچھڑی کی سی حالت ہوئی ہے ناں اس گھڑی ہماری یہ تمہارا ساپنے باعث ہے مگر تانے دینے میں اب بھی ایسے گھٹے گزرنے نہیں ہم پر کوئی مصیبت کا پہاڑ نہیں ٹوٹا، ہم نے یہ آفت اپنے سر خود لی ہے اولاد کو ایسے لاڈ تو مے پالا کہ وہ زمانہ کے سرد و گرم سے روشناس نہ ہوئے اور ہم بیروں تلے چھپا کر اس گمان میں رہے کہ ابھی اڑان بھرنے کے قابل نہیں مگر اولاد نے بتا دیا کہ ہم کہاں غلط نہیں۔“ اماں جان بہت غم زدہ تھیں سخاوت چپ چاپ ان کی سنتے ہوئے نوالے بنا کر ان کے منہ میں ڈالنے لگیں اور اماں جان حیرت سے سانس نہیں لے سکتی تھیں۔

”ناراضگی آپ کی اپنی اولاد سے ہے، ہم تو پرانے گھر سے آئے ہیں، ہم سے غلطی کیسی؟ آپ کو جو ناگزیر اس کی چٹا اپنی اولاد کو سنا ہے گا جو طبیعت پر گراں گزرا اس کی شکایت اولاد سے کرنا جائز ہوگا ہم تو آپ کی بہو ہیں، ہم سے تمام معلومات کا تذکرہ کرنا کوئی ضروری نہیں۔“ سخاوت بیگم نے کہا اور اماں جان کو کھانا کھلانا جاری رکھا اماں جان حیرت سے ان کو کوئی نوالہ چپاتی رہیں۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں اماں جان، ہم غلط کہہ رہے ہیں کیا؟“ مگر اماں جان نے مزید کچھ نہ کہا اور سخاوت بیگم کا ہاتھ روک

”سخاوت بیگم بہو پرانے گھر سے آتی ضرور ہے مگر گھر کو گھر بھی پرانی بناتی ہے، ہم بھی کبھی پرانے گھر سے آئے تھے مگر پرانے پرانے ہم بھی مند ہے تھا آپ جائے اور حق تعالیٰ نے اس کا حکم دے دیجیے۔“ سخاوت بیگم کو غنیمت لگا کہ انہوں نے نہ ان کے اہلِ خلق سے اتار لیے تھے سوزیادہ تردد کرنا انہوں نے مناسب نہ جانتے ہوئے وہاں سے جانے میں عافیت جانی، ہاتھ ہوتے ہوئے انہوں نے ملازمہ کو حق تعالیٰ نے اس کا حکم دیا اور خود باورچی خانے میں جا کر اماں جان کے لیے قہوہ تیار کرنے لگی تھیں۔



فاطمہ نے کتاب کھول کر سامنے رکھی تھی مگر نیکوئی ناہونی کی بنا پر اکتاتے ہوئے کتاب کو بند کر دیا تھا۔ تب ہی کسی کے قدموں کی چاپ نے متوجہ کیا بھاری جوتوں کی آواز پشت پرستانی دی تو فاطمہ نے پلٹ کر دیکھنا ضروری سمجھا وہاں اور کوئی نہیں وقار لکھ کو کھڑے دیکھ کر جانے کیوں لمحہ بھر کو گھبرائیں بے ترتیب ہوئیں فاطمہ نے آنچل سنبھال کر دوبارہ سر پر ٹھیک آیا نگاہ جھکتی چلی گئی اور پلکوں پر جیسے منوں بوجھا گیا تھا۔ فاطمہ نے آنے کا سبب نہیں پوچھا۔ وقار الحق کچھ فاصلے پر کھڑے انہیں چپ چاپ دیکھتے رہے پھر ان کے قریب آگئے فاطمہ کی رگوں میں خون کا فشار بڑھنے لگا تھا۔

”ہم آپ سے بات کرنا چاہتے تھے۔“ چھوٹے نواب نے کہا۔

”ہمارے درمیان اس رشتے کی جو نوعیت ہے اسے باحضور کے سامنے کس نے رکھا؟“ ان کا سوال فاطمہ بی بی کو بری طرح جھونکا گیا۔

”کیا مطلب؟“ وہ سمجھنے میں قطعاً نا کام رہی تو وقار الحق نے اکتائے ہوئے انداز میں گہری سانس خارج کی۔

”فاطمہ آپ کو سمجھا دیتا تھا کہ اس رشتے کی نوعیت وہ نہیں ہو سکتی ہمارا مطلب ہے فی الحال ایسا ہونا ممکن نہیں پھر آپ نے اس بات کو باحضور تک کیونکر پہنچایا؟“ وقار الحق فاطمہ کے چہرے پر آنے ناگواری کے تاثرات دیکھتے ہوئے لہجے کو قصداً نرم کرتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

فاطمہ کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا عزت پر جیسے کوئی تازیانہ پڑا تھا سارا وقار اور غرور جیسے تپس نہیں ہو گیا تھا ایک پل میں کسی نے انہیں عزت نفس کو روند کر تار تار کر دیا تھا وہ ایسے یوپی کی امید نہیں رکھتی تھی ان کے درمیان جو بھی تھا وہ اچھی طرح جان لیتی تھیں مگر اس طور اس رشتے کی وجہاں اڑانا، فاطمہ کو اچھا نہیں لگتا تھا۔

”ہمیں سب کہنا عجیب لگ رہا ہے فاطمہ مگر اس رشتے کی نوعیت پہلے ہی ہم نے آپ پر واضح کر دی تھی فی الحال کوئی دست نہیں پاتے، ہم شرمندہ ہیں مگر ہم نہیں جانتے یہ آؤں کس کروٹ بیٹھے گا محبت ایک الگ معاملہ اور شادی الگ معاملہ اور ہم دونوں کے معاملے کو معاملے سے یکجا کرنے کو تیار نہیں۔ ہم سے یہ منافقت نہیں ہوگی فاطمہ کو تکہ جو محبت نہیں وہ رشتہ اور کچھ نہیں بس منافقت ہے اور ہم ایسی منافقت کرنا نہیں چاہتے ہمیں آپ سے محبت نہیں ہے فاطمہ ہمارے رشتے میں محبت کا وجود نہیں ہے، ہم یہ بات بار بار جانتا نہیں چاہتے مگر“ وہ کہہ رہے تھے جب فاطمہ نے ہاتھ اٹھا کر ان کو مزید بولنے سے روک دیا ان کی آنکھوں میں کی تیر رہی تھی مگر وہ ایک وقار سے کھڑی ہوئیں۔

”ہم نے اس مدد کو چننا جان کے سامنے نہیں رکھا، ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی آپ نے کیسے جان لیا کہ ہم ایسی گہری ہوئی حرکت کر سکتے ہیں یا خود کو ایسا انداز کر سکتے ہیں یا آپ کا رشتہ یا محبت کوئی ضروری حوالہ نہیں ہے۔“

ہمارے لیے ناہی، ہم اس متعلق سوچ رہے ہیں آپ نے نکاح کر کے ہم پر احسان کیا اس گھر میں جگہ دی، کافی ہے ہمارے لیے اس سے زیادہ کی امید ہم نہیں رکھتے نہ اس سے زیادہ ہم مانگیں گے۔ ان کا ضبط جیسے نوٹے لگا تھا وہ تیزی سے کمرے سے نکلیں جب رجت سنگھ نے انہیں دیکھا وہ غالباً چھوٹے نواب سے ملنے آیا تھا فاطمہ نے ڈیڑھائی آنکھوں سے بنا اس کی سمت دیکھے بھاگتے ہوئے راہداری پار کی کھاب میں رہنے والا چہرہ آج آنسوؤں سے تر تہا سر کا آچل زمین پر چھوٹ رہا تھا رجت سنگھ ششدر سا کھڑا کتا رہ گیا تھا۔



نواب صاحب نے بہت سوچ بچار کے بعد اماں جان سے ملنے کی ٹھانی، ان کو اپنی غلطی کا احساس تھا مگر جو بھی تھا بہر حال انہوں نے ٹھیل کا پانسہ پلٹ کر اماں جان کو خفا ضرور کیا تھا سو بنا کوئی دوسری بات سوچے وہ اماں جان کے حضور حاضر ہوئے اگرچہ اماں جان نے ان سے ملنے سے منع کر دیا تھا مگر وہ بیٹھے انتظار کرتے رہے اور بلا خراماں جان کو ان کے پاس آنا پڑا اماں جان چپ چاپ انہیں دیکھ رہی تھیں جب نواب صاحب نے جھک کر ان کے قدموں کو چھوا اور ہاتھوں کو تھام کر بہت احترام سے بوسہ دیا۔

”والدہ کے قدموں میں جنت ہے ہم نے اپنی جنت کو خفا کر دیا ہے اس کا اندازہ ہمیں ہے مگر اماں جان، ہم آف تک نہ کر سیں گے چاہے آپ کھڑے کھڑے جان نکال دیں ہماری، ہم تہ دل سے معافی کے طلب گار ہیں آپ کی بزرگی اور عقل نبی کے خلاف ہم سے جو مہارت سرزد ہوئی ہے اس کے لیے معافی کا لفظ شاید بہت چھوٹا ہے اماں جان مگر ماں بچوں کی خطاؤں کو معاف کرنی آئی ہے۔“ نواب صاحب نے احترام سے کہہ دیا۔ جب اماں جان کے لب بلبے ”سخاوت بیگم نواب صاحب کو چاہئے پانی پوچھو کہ مہمان نوازی اور اوطیرہ ہے اس سے زیادہ مروت ہم نہیں بھاسکتے پھر ان کو باہر کا راستہ دکھا دو۔“ اماں جان کہہ کر پلٹ گئیں نواب صاحب اپنا سامنہ لے کر رہ گئے تھے۔

”بیٹھے نواب بھائی، ہم آپ کے لیے پوہ لے کر آتے ہیں۔“ سخاوت بیگم نے کہا مگر نواب صاحب نے سرفہر ہلا دیا۔ ”اس کی ضرورت نہیں بھائی جان، آپ زحمت مت کیجیے اور شرمندہ ہونے کی بھی قطعی ضرورت نہیں، ہم نے اماں جان کے رویے کا برا قطعاً نہیں مانا وہ ہماری والدہ محترمہ ہیں سو اس سے زیادہ سختی کا مظاہرہ بھی کرتیں تو ہم شکوہ کرنے کا حق نہیں رکھتے اولاد کو اپنی کوتاہیاں بھگتانا پڑیں تو اس کا ازالہ والدین کو نہیں دیا کرتے اماں جان حق بجانب ہیں۔“ نواب صاحب نے مدہم لہجے میں کہا اور باہر نکل گئے۔ سخاوت بیگم لب بلبے کھینچے کھڑی رہی تھیں۔



ناظم صاحب اماں جان کے مزاج سے آشنا تھے۔ جب ہی بار بار بیگم کو ان کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی تاکید کر رہے تھے۔

”ہم نے اماں جان کو کھانا کھلانے کی کوشش کی تھی مگر ہاشکلی چند لقمے ہی حلق سے اتارے انہوں نے، اماں جان کو غصہ ہے ناظم الدین صاحب جو کہ بجا جان کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو ایسا رویہ ہی رکھتا بہر حال ہمیں انہیں وقت دینا چاہیے کہ وہ معمول پراں سکیں۔“ سخاوت بیگم نے نرم خوشی سے کہا اور ناظم الدین نے پُر سوچ انداز میں سر ہلا دیا۔

”نواب صاحب تشریف لائے تھے آج؟“ ناظم الدین صاحب نے پوچھا تو سخاوت بیگم نے ساری بات بتادی۔ ”اماں جان کا غصہ فی الحال کسی طور کم نہیں ہو رہا، ہمیں تو ڈر لگ رہا ہے کہ ہمیں وہ اس غصے کو کوئی منفی رجحان نہ دیں۔“ سخاوت بیگم خندے کے پیش نظر گویا ہوئیں ناظم الدین صاحب خاموشی سے ان کو دیکھتے رہ گئے تھے۔



کتا نہیں چپ چاپ وہ مسکیاں سنتی رہی تھیں۔ اس آنسوؤں کی میز نے ان آنسوؤں کا ڈالہ چکھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر لوٹی دلا سہ نہ دیا تھا کتابوں میں درج لفظوں نے کوئی سر نہ کھاتا الماریاں چپ چاپ وہ آہ وزاری سن رہی تھیں، فاطمہ بی بی تنہا اس کافا آنسوؤں کی صورت، بہاری تھیں، کبھی کبھی تنہائی سے بڑا مہار کوئی نہیں ہوتا اور ورنہ ان سے زیادہ عکسار کوئی نہیں فاطمہ بی بی کو تنہائی غنیمت لگی اس خاموشی کا بھرم بھلا لگا وہ خوب آنسو بہا کر جب جی ملکا کر چکی تو سر اٹھا کر کتابوں سے بھری الماریوں کو دیکھا جانے کیوں اپنا آپ بہت ارزاں لگا جیسے الماریاں اور ان میں رکھی بند کتابیں ان کا مذاق اڑا رہی ہیں لفظ جیسے منہ چڑا رہے ہوں۔

”ہر شے کی قیمت بہر حال ہوتی ہے فاطمہ بی بی اور آپ کی آزادی کی قیمت یہ تھی کہ آپ اس قید سے نکل کر اس نئی قید میں کچھ نئی شرائط کے ساتھ قدم رکھتیں۔“ کتابوں سے جیسے دواز بلند ہوئی فاطمہ بی بی شکل لیے کر رہ گئی۔ ”آپ کو جو رشتہ ملا وہ بنا ہوا ہے آپ کو چپ چاپ اس حقیقت کو مان لیں نا ہونا وگرنہ بلٹنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔“ ”آپ کی آنکھوں کی نمی گراں قدر رہی حسن ملتا اور بے مثال سہی مگر عشق کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور عشق بہر طور آپ کو قبول کرنے سے انکاری ہے۔“

”آپ کے پاس دوسری کوئی راہ نہیں خواہوں کی قیمت بھنگی پڑی آگے کی کوئی راہ نہیں ہے ماسوائے قبول کرنے اور جب رہنے کے سہہ لیجیے شاید کوئی ثواب مل جائے نمی کو پی لیجیے شاید کوئی انعام ہاتھ آجائے وگرنہ سفر رانیکاں تو ہے۔“ اندر کوئی آوازوں پر فاطمہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”فاطمہ خواب تھا کر دیتے ہیں۔“ آپ کے پاس کوئی اختیار نہ تھا نہ کوئی راہ۔۔۔۔۔۔ سو آپ پچھتاوے میں مبتلا ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتیں مگر آپ خوش قسمت ہیں کہ وقت آپ کو خواب چھوٹنے کا موقع دے رہا ہے کچھ رنگ تھیلیوں پر بچیں تو بھی یہ سودا خسارے کا نہیں ہے لائے قدموں دروازے کی سمت بڑھیں اور باہر نکل گئی تھیں۔



”بخیل ہونا بھی ایک صفت ہے اگرچہ یہ صفت بہت کچھ کھا جاتی ہے حتیٰ کہ اچھا نیاں اور نیکیاں بھی۔“ نواب صاحب مدہم انداز میں بولے۔

”اس سے متعلق حدیث ہے کہ بخیل جنت میں داخل نہیں ہو سکتا مگر اس کے باوجود انسان اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ اللہ کسی اترانے والے شخص باز سے محبت نہیں کرتا جو آپ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ کہ اس نے پہلی آمتوں کو ہلاک کر دیا پس مسلمانوں کے شایان شان نہیں وہ بخل کریں اور جہنم میں جائیں۔“ ناظم الدین صاحب نے مدہم آواز میں کہا تو نواب صاحب نے متفق ہوتے ہوئے سر ہلایا۔

”انسانی عقل فہم فراست کی محتاج ہے اور فہم فراست ہر ذہن کی میراث نہیں سو انسان اپنی نیکیوں اور نیک اعمال کو خود دوزخ کی آگ میں ڈال دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو نیک ہدایت دے دے ویسے ہم اماں جان کے متعلق سوچ رہے تھے۔“ نواب صاحب نے ذکر کیا اور خاموش ہو گئے تب ہی ناظم الدین گویا ہوئے۔

”ہمیں اماں جان کو خفا کرنے کا خسوس ہے نواب صاحب، ہم نے اپنی جنت کے دروازے خود پر بند کر لیے ہیں۔“ ناظم الدین کا لہجہ افسردہ ہوا جیسے انہیں بے حد ملال ہو نواب صاحب نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

”آپ پُر ملال نہ ہوں ناظم الدین صاحب، میں زیادہ دیر بچوں سے خفا نہیں رہ سکتی اگر یہ غلطی ہے بھی تو یقیناً عارضی ہی ہوگی اماں جان نے جو خواہش ہمارے سامنے رکھی تھی ہمیں خسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ قابل قبول نہ تھی یا تو وہ فاطمہ کو سزا

دینے میں انتہا پسندی کا مظاہرہ کر رہی تھیں یا پھر.....“ وہ کہتے کہتے رکے ناظم الدین صاحب دانستہ خاموش رہے تمام جائیدادیں چونکہ نواب صاحب کے نام وقف تھیں اور ابھی تک انہوں نے کوئی وصیت اپنے صاحبزادے کے نام نہیں لکھی تھی سو ایک جواز یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ماں جان پوتی کا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتی ہوں بالان کے ذہن میں کچھ اور منصوبہ سازی چل رہی ہو جیسی گھاگ خاتون وہ تھیں وہ اپنے ذہن کا بھلا نہیں چاہ سکتی تھیں۔ سو عین ممکن تھا کہ ایسا سزا کے طور پر کرنا چاہتی ہوں اور نواب صاحب چونکہ بہت فطین اور جہانگیرہ تھے سو وہ یہ بھانپ گئے تھے تب ہی انہوں نے اپنی جگہ اپنے سپوت کا نام دیا تھا۔

”بیٹیوں کو سزا میں نہیں دیں جاتیں محترم ناظم الدین ان کی غلطیوں پر ان کو پس پیدار سے اسے سزا دینا چاہتا ہے۔“

نواب صاحب نے بنا جتنے باور کیا تو ناظم الدین صاحب سر جھکا گئے۔

”بیٹیوں پر ایسی سختی جائز نہیں۔“ نواب صاحب کے کہنے پر ناظم صاحب نے سر ہلایا اور دم لہجے میں بولے۔
”جانتے ہیں اسی لیے ہم نے بیٹی کے لیے اقدام اٹھایا۔ ہم نے بیٹی کو تنہا نہیں چھوڑا اگر چہ ماں جان کو خفا کرنے کا قلق ہے مگر ہمیں دل میں اطمینان ہے کہ ہم نے بیٹی کے ساتھ نا انصافی ہونے نہیں دی تا خود اس عمل میں شامل ہوئے ہم اپنی بیٹی کو خوش دیکھنے کے خواہاں ہیں اور شاد باد دیکھنا چاہتے ہیں۔“ ناظم الدین صاحب نے کہا۔

”آپ فکر مند نہ ہوں ناظم صاحب فاطمہ ہماری بیٹی ہیں ان کی خوشیوں کی ضمانت ہم دیتے ہیں ہمارے گھر میں ہمیشہ انہیں عزت و احترام ملے گا جو اس گھر کی بیٹی کو ملنا چاہیے۔“ نواب صاحب نے یقین دلایا تو ناظم صاحب نے امید سے ان کو دیکھا تھا۔



”ابا حضور ایک درخواست کرنا چاہتے ہیں۔“ چھوٹے نواب تذبذب کا شکار دکھائی دیے نواب صاحب نے چھوٹے نواب کو کھڑے دیکھا تو اشارے سے انہیں بیٹھنے کا کہا اور پھر نرمی سے گویا ہوئے۔

”ہم ایک ولیم کی تقریب منعقد کرنا چاہتے ہیں بر خور دار نکاح تو انتہائی سادگی سے سر انجام پا گیا مگر ہم چاہتے ہیں کہ اب ایک تقریب منعقد کر دیں اور چیدہ چیدہ احباب کو دعوت نامے بھیجوا دیں۔“ نواب صاحب نے کہا مگر چھوٹے نواب بھونچکا رہ گئے اور زور سرفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

”اس کی کیا ضرورت ہے ابا جان؟ ایک رشتہ جڑ گیا کیا یہ کافی نہیں، ایسی تقریبات رکھ کر مسودہ نمائش کرنا کیا ضروری ہیں؟“ نواب صاحب نے صاحبزادے کو خاموشی سے دیکھا پھر قدرے سختی سے گویا ہوئے۔

”محترم چھپائے کنہہ جاتے ہیں رشتے نہیں جو رشتے قبول کرنے کی اہلیت نہ رکھیں ان کا وجود بہت کھوکھلا ہوتا ہے آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے زندگی کے ایک نہایت اہم اور نئے موڑ پر مدد فرمائی اور آپ کو ایک رفیق حیات اور رفیق سفر عطا فرمایا ہے جو زندگی کے تشیب و فراز میں آپ کا ہم دم، ہم درد اور مددگار ہوگا ولیمہ بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔“ نواب صاحب نے کہا تو چھوٹے نواب کھسپانے سے ہو کر سر جھکا گئے پھر دم آواز میں گویا ہوئے۔

”ہم نہیں چاہتے کہ کوئی بڑی تقریب ہو کیا ممکن نہیں ہم مکمل کے خالوں اور چند قریبی اقرباء کو دعوت میں بلا لیں۔“ وقار نہیں چاہتے تھے کہ اس نکاح کی تشہیر ہو اور خبر جنت بی بی کے کان تک جا پہنچے ان کو اختیار تھا کہ وہ رشتہ باقی نہ رہے گا اور جنت بی بی کے دل کو تکلیف بھی پہنچے گی۔ نواب صاحب بیٹی کی کیفیت سمجھتے تھے تب ہی گہری سانس لیتے ہوئے ان کے کان سے پرہیز کرتے ہوئے گویا ہوئے۔

”بیٹا..... آپ فاطمہ کے شوہر ہیں اور ان کے حقوق آپ پر واجب ہیں آپ اس میں غفلت برت کر خود کو گناہ کا مرتکب

ہیں گے اور اس رشتے کو پوشیدہ رکھنا ایک اخلاقی جرم بھی ہوگا ہم آپ کی حمایت نہیں کر سکتے یہ معاملہ کھیل نہیں ہے یہ.....“ جیسے جیسے بنگا مگر اب فاطمہ بی بی آپ کی ذمہ داری ہیں اور ان کی خوشیوں کا خیال رکھنا آپ کی اولین ذمہ داری ہونا چاہیے آپ دو کشیدوں میں سوار ہو کر اپنی زندگی کو مشکل بنائیں گے اس کے لیے ہم بھی آپ کو معاف نہیں کریں گے اس تقریب میں آپ کو فاطمہ کو اپنی زوجہ کے طور پر قبول کرنا ہوگا چاہے اس کے جو بھی نتائج ہوں آپ کو ایک رشتے کی ذمہ داری سمجھنے کی ضرورت ہے آپ ہماری بات سمجھ رہے ہیں۔“ نواب صاحب نے سمجھاتے ہوئے اچانک پوچھا تو چھوٹے نواب کے پاس ماسوا سے سر ہلادینے کے اور کوئی راستہ نہ تھا۔



فاطمہ بی بی چپ چاپ تالاب کے قریب بیٹھی تھیں جب رجت سنگھ نے وہاں سے گزرتے ہوئے انہیں دیکھا وہ کسی قدر ملول سی بیٹھی تھیں وہ قریب جا کر ان سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ کسی نہ کسی مگر وہ کسی نہ کسی کی طرف متوجہ تھی۔ رجت سنگھ سر جھکا کر اپنی کوئی حق نہیں رکھتا تھا سو وہیں سے لوٹ جانا چاہا جب فاطمہ کی نگاہ اس پر پڑی۔

”رجت سنگھ“ اور رجت سنگھ نے اس آواز پر مڑ کر دیکھا فاطمہ بی بی اس کی طرف متوجہ تھی۔ رجت سنگھ سر جھکا کر ”دوب انداز میں فاطمہ بی بی کے قریب کھڑا ہو گیا۔“

”ہمیں درس گاہ جانا ہے آپ مڑ کر نکال لے اور ہم کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں کیا کسی کی سکون جگہ سے واقف ہو تم؟“ فاطمہ درو سے اندھا دکھائی دیں۔ رجت سنگھ کا دل ملال سے بھر گیا وہ آنکھیں خواب بننے کی عمر میں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ شاداب چہرہ فکروں سے بھرا تھا وہ گداز لب جس کو مسکرا نافرظ تھا اس لمحے ایک دوسرے میں پیوست سے بیٹھتے تھے۔

”کیا سوچنے لگے تم رجت سنگھ کی بات نہ سنا نہیں؟“ فاطمہ نے ڈیٹا تو وہ اطمینان سے اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔
”بی بی جی درس گاہ کا وقت تو گزر چکا ہے آپ نے شاید گھڑیاں نہیں دیکھا۔“ رجت سنگھ نے سہولت سے انکار کیا فاطمہ اپنے کھلم کھلی ایسی کھوٹی ہوئی تھی کہ وقت کے اوقات تک یاد نہ رہے رجت سنگھ کے احساس دلانے پر لب بھینچ لے۔
”ٹھیک ہے تم جاؤ۔“ فاطمہ نے حکم نامہ دیا۔

”کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں بی بی صاحب؟“ وہ جیسے اپنے اندر غم کی کیفیات کو ہی طور اثر تا محسوس کر رہا تھا جس طور فاطمہ بی بی اس صورت حال سے نمٹنے کی کوشش میں ہلکان جی مگر فاطمہ نے سر انکار میں ہلانے کے ساتھ نگاہ بدلی اور رجت سنگھ زوری طور پر کچھ کہہ نہ سکا۔

”تم یہاں کیوں کھڑے ہو اب؟“
”مجھے لگا شاید آپ مزید کوئی حکم نامہ جاری کرنا چاہتی ہیں بی بی صاحب۔“ رجت سنگھ اس حسن بے پناہ سے نگاہ ہٹاتا ہوا گویا ہوا فاطمہ سے دیکھتی رہ گئی۔

”ہمارے احکامات کی پیروی کرنا کوئی ضروری نہیں رجت سنگھ تم اس محل کے ملازمین میں سے ایک ہو اور ہم ایسا کوئی اختیار حال نہیں رکھتے کہ کل کے مختار کہلائیں۔“ دوسرے جھکائے دم لہجے میں بولیں۔

”ہمیں آپ کو درس گاہ لے جانے کی خاطر رکھا گیا ہے بی بی صاحبہ چھوٹے نواب نے فی الحال یہی کام ہمارے سپرد کیا ہے۔“ رجت سنگھ نے کہا۔

”ہاں جانتے ہیں مگر ہم کوئی مختار کل نہیں۔“ فاطمہ نے نگاہ اٹھائے بنا دم لہجے میں کہا ان کا لہجہ افسردہ تھا۔

”مختار کل تو فقط اس رب کی ذات ہے بی بی صاحبہ۔ رجت سنگھ نے بہت بچے کی بات کی تھی فاطمہ نے اسے خاموشی سے دیکھا۔

”ہم اس ذات پاک کے محتاج ہیں اس کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اسی سے مانگتے ہیں اسی سے محبت رکھتے ہیں اور اسی سے امید بھی رکھتے ہیں۔“ رجت سنگھ کی بات سن کر جانے کیوں فاطمہ چونکی تھی رجت سنگھ ادب کی حدود کو برقرار رکھے نگاہ جھکائے کھڑا تھا۔

”جانتے ہیں ہم رجت سنگھ..... وہ رحیم و کریم ہے مگر کبھی کبھی صورت حال ایسی ہوتی ہے کہ ہم مکمل اور کامل یقین رکھتے ہوئے بھی خود کو شکوک و شبہات میں گھرا محسوس کرتے ہیں انسانی عقل محدود ہے ناں اپنی حاجتوں سے آگے کچھ سوچنا یا دیکھنا نہیں چاہتی یہ بہت ظالم ہوتی ہے رجت سنگھ۔“ فاطمہ کا لہجہ ممکن ہوا۔

”میں کو تم کر کے ہی تو اس رب کی ذات کو پایا جاتا ہے بی بی صاحبہ۔“ رجت سنگھ نے کہا تو فاطمہ نے آہستگی سے سر ہلایا۔

”جانتے ہیں خودی کا انکار ضروری ہے بے شک ہم اس سے رجوع کرتے ہیں مگر یہ کیسی زندگی ہے جس میں سکون نہیں اور ہم دکھ اٹھاتے ہیں۔“ فاطمہ مدہم لہجے میں بولی۔

”ہم جانتے ہیں کہ اس ذات پاک کے ہر کام میں مصلحت ہے اگر وہ تکلیف اور دکھ دیتا ہے تو رونقیں اور دوا بھی دیتا ہے مگر ہم ان کیفیات سے گزرتے ہوئے اس رب کی نعمتوں کو بھول جاتے ہیں اس کے کرم اور نوازشیں ہمیں یاد نہیں رہتیں اپنی تکلیف اور دکھ بڑا لگتا ہے اتنا بڑا کہ ہم چھوٹے پڑ جاتے ہیں۔“ فاطمہ کا لہجہ افسردگی سے بھر پور تھا رجت سنگھ نے خاموشی سے انہیں سر جھکائے سنا۔

”آپ سمجھ دار ہیں بی بی صاحبہ عقل والی ہیں اور عقل والے اپنے مالک پر یقین رکھتے ہیں آپ بھی امید رکھیے غم کے بعد راحت کا دور بھی آتا ہے وقتی طور پر ہم ٹوٹے منتشر ہوتے ہیں مگر یہ ایک مخصوص وقت گزرنے کے بعد بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ ہم جس قدر ہل مال ہوتے ہیں اس قدر رب کے قریب ہوتے ہیں اور رب اس قدر کرم کرتا ہے بندے کی اپنی رب سے قربت میں ہی اصل سکون ہے۔“ رجت سنگھ نگاہ اٹھائے بنا بولا فاطمہ اٹھی اور اپنے ہی دھیان میں اندر کی طرف بڑھنے لگی رجت سنگھ جانتا تھا کہ وہ رب کی قربت میں جاری ہیں مگر یہ کیفیت مسلسل ندر ہے گی۔

”اے رب..... اے پیارے مالک..... اس زمین اور بہشت کے مالک..... اس معصوم و دشیزہ کے دکھوں کی دوا کیجیے چاہے ان کے دکھ کسی اور کو دے دیجیے مگر ان کے لبوں کی خوشی اور مسکراہٹ ان کو بخش دیجیے آپ کا خادم آپ کا گناہ گار بندہ نہایت عاجزی سے دعا مانگتا ہے اس دل کو سکون سے بھر دے اور اس دل کی تمام بے چینی میرے حصے میں ڈال دے۔“ اس دعا کا سبب کیا تھا کیا محض ہمدردی یا اپنی مالک سے انسیت یا وہ واقعی اس درجہ طول ہوا تھا وہ خود اپنی کیفیت پر حیران ہوا مگر اس کے بعد جب بھی وہ عجبے میں جھکا اس نے اپنے رب سے فقط اپنی اس مالک کے لیے خوشیوں کی دعا مانگی تھی۔



”تم نے اچانک سے ملازمت کیوں چھوڑ دی رجت سنگھ؟ تم حساب کا کام بہت مہارت سے کرتے تھے ماں جان بھی تمہارے متعلق پوچھ رہی تھیں۔“ کرم دین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا۔

”بس چاچا کرم دین اس جگہ سے دانہ پانی اٹھ گیا تھا یہ رب کی مرضی ہے کہ کہاں دانا پانی لکھوے۔“ رجت سنگھ نے جواز دیا تو کرم دین نے سر ہلادیا۔

”سو تو ہے رجت سنگھ خیر امید ہے تم نے اس سے بہتر کوئی ملازمت ڈھونڈ لی ہوگی۔“ کرم دین کی بات پر رجت سنگھ

سے مسکرایا۔

”بندہ فقط رزق کی فکر میں زندہ رہنے کو نہیں بنایا گیا کرم دین چاچا رزق تو خدا پرند چنہ کو بھی دیتا ہے جو نہ بوتے ہیں نا مٹتے ہیں ہم انسان اس بات کو سمجھتے ہیں کرم دین چاچا ہمارے پیدا ہونے کا مصروف کچھ اور ہے جس نے پیدا کیا ہے وہ یہ دانا سوئے نہیں دیتا وہ ذات عظیم ترین ہے ہم اس سے غافل ہو چکے ہیں مگر وہ کبھی ہمارے حال سے غافل نہیں ہوتا۔“ رجت سنگھ کے الفاظ کرم دین کو حیران کر گئے مگر انہوں نے کچھ کہا نہیں۔

”چلو تم جہاں رہو خوش رہو۔“ کرم دین نے کہا۔

”خوش کا مفہوم ڈھونڈنا ہی تو ضروری ہے چاچا کرم دین اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ خوشی کس عمل میں ہے۔“ رجت سنگھ کی باتیں کرم دین کو حیران کر رہی تھیں مگر وہ جانتے تھے کہ وہ انتہائی پڑھا لکھا شخص ہے سو وہ باز پرس نہیں کرتے مگر جانے یوں اس لمحے مسکرائے۔

”کلمہ پڑھ لو رجت سنگھ تمہاری باتوں میں جو شعور بولتا ہے اس کی تکمیل اسی صورت ممکن ہے۔“ کرم دین چاچا کی بات سن کر وہ خاموش رہا پر جانے کیا سوچ کر مسکرایا۔

پھر نکلتا چھوڑ سماں انوں، گرد و کفر دیاں باتاں انوں

لاہ و دوزخ کو رعداں انوں گر صاف دلے دیاں خواباں انوں

گل ایسے گھر وچ ڈھکدی اے

اک نکتے وچ گل مکدی ہے

ایویں تھنا زمین گھسیا سید الما با محراب دکھائی دا

پڑھ کلمہ لوک ہسائی دا دل اندر سمجھ نہ پائی دا

کدی بات بچی وی لکدی اے اک نکتے وچ گل مکدی اے

رجت سنگھ کے لب ملتے تھے۔

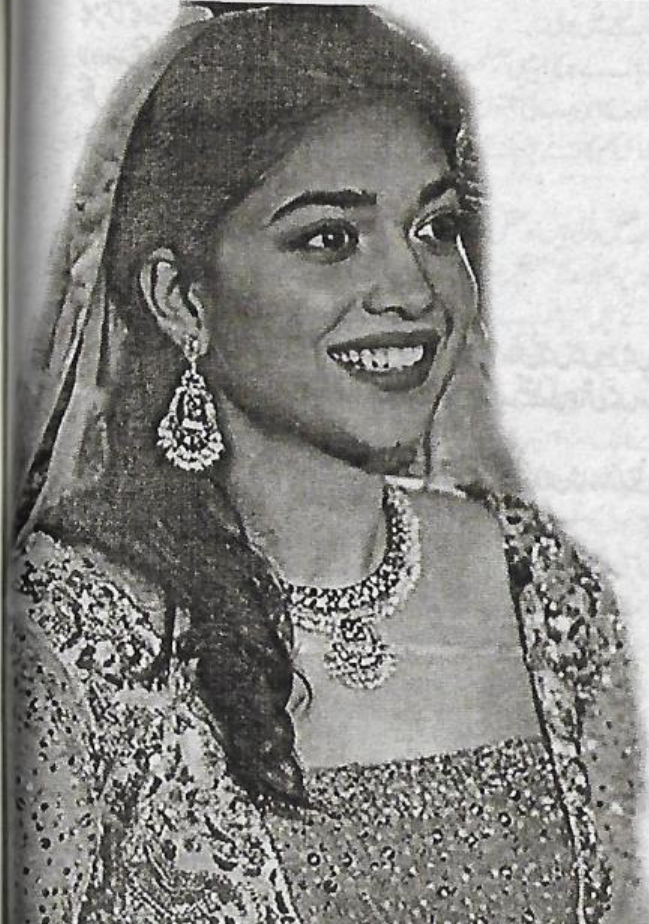
”چاچا کرم دین ایک نقطے کی بات ہے بس مگر اس نقطے کی تلاش آسان نہیں میں سفر میں ہوں کنارے پر اترو تو جواب اس فی الحال تو پچھل ہے اور سمندر بھی چڑھا ہوا ہے مگر میرا وجود اس ایک نقطے کی تلاش میں سرگرداں ہے۔“ وہ آگے بڑھنے لگا بلکہ کرم دین حیران سے وہیں کھڑے رہے۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)



محرم ذات شبانہ شوکت

ہمارے	لب	محبت	میں	سلے	تھے
وگر نہ	تم	سے	تو	کتنے	تھے
اسے	کیا	معلوم	کہ	ہم	اس کی خاطر
چراغوں	کی	طرح	شب	بھر	جلے تھے



”یاد رہے سمو سے بھی اللہ کی کیا ہی نعمت ہیں۔ ذائقے میں تو لا جواب ہیں ہی بھوک مٹانے کے لیے بھی بے مثال ہیں۔“
سان نے سمو سے چٹنی میں ڈبو کر منہ میں رکھا اور انگوٹھے اور اُلی سے دائرہ بنا کر سب کو دکھایا۔ دوسرے لفظوں میں تعریف کی۔

”اس کے اوپر یہ ٹھنڈی اور کھٹی میٹھی مرٹڈالی جائے تو اس نعمت کا لطف ہی دوبالا ہو جاتا ہے۔“ نو شیر والے نے مرٹڈا کا ٹن ابرایا۔

عائزہ کے ہاتھ میں چاٹ کی پلیٹ تھی وہ چچے بھر بھر کر چاٹ کھا رہی تھی اور سر دھن رہی تھی۔ وانیہ نے اپنی کولڈ ڈرنک کا ایک گھونٹ ہی بھر اٹھا کہ عائزہ کا مریچوں سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر بڑی عقیدت و احترام سے اپنا ٹن اسے پیش کیا اس نے ٹن منہ سے لگایا اور غنا غٹ پیتی چلی گئی۔ وانیہ جس نے اسے اپنی کولڈ ڈرنک خیر بگالی کے طور پر پیش کی تھی۔ اب ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی جو ایک سانس میں ہتپی پیتی ہی چلی جا رہی تھی خود کا تو یہ حال تھا کہ اگر جلدی میں بڑا گھونٹ بھی پی لیتی تھی تو ناک تک میں مریچیں بھر جاتی تھیں اور اچھو علیحدہ اور اب عائزہ کو یوں ایک سانس میں حلق سے کولڈ ڈرنک، اتارتے دیکھ کر وہ سب حیرت و استعجاب سے بت بنے ہوئے تھے۔ عائزہ نے ٹن خالی کر کے ایک طرف پھینکا تو ان کا سکتہ بھی ٹوٹا۔

”یہ کیسے پی لیا تم نے؟“ شیر نے آنکھیں پھاڑ کر پہلے ٹن کو پھر اسے دیکھا۔

”ایسے.....“ عائزہ نے اس کے مرٹڈا کے ٹن کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ شیر نے تنگی کی سی تیزی سے اسے اس کی پہنچ سے دور کیا۔ اب صرف اسے ایک سانس میں کولڈ ڈرنک پیتے دیکھنے کے لیے وہ اپنے سارے ٹن تو خالی نہیں کروا سکتے تھے سو بچت ای سی میں تھی کہ اس کی دسترس سے سب کچھ دور کر دیا جائے۔

”لب یہ جو میری چاٹ ہے۔ اسے میں کیسے کھاؤں کھاتی ہوں تو مریچیں تو ضرور لگیں گی تو ان کے اوپر میں کیا پوں..... تمہارا خون؟“ وانیہ عائزہ کو کھاجانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے دھاڑی اس نے ہم جانے کی ایک ٹنگ کی۔

”اب ایسے تو نہ کھورو کہ میں ڈر کر فوت ہی ہو جاؤں۔“
”وہ تو میں ہو جاؤں گی بھوک پیاسی۔“ ایک تو اسے بہت

سخت بھوک لگ رہی تھی سب سے زیادہ وہی شور بچار ہی تھی اور اپنی پسندیدہ چاٹ اور سمو سے کے ساتھ ہتپی اس کا بہترین بریج ہوتا تھا مگر اب؟ دوسرا ٹن تو وہ بھی منگوانے والی نہیں تھی تو پھر اب کیا کرنی؟ رونا تو بنتا ہی تھا کہ سیمل نے جواب تک خاموش تماشا کی بی بیٹھی سب دیکھ رہی تھی۔ اپنا بڑا سا جوس کا ڈبا اس کی طرف بڑھایا۔

”یہ لے لو۔“ وانیہ نے جیسے اس پر احسان کرتے ہوئے لیا۔ ہتپی کا ٹم اپنی جگہ قائم تھا۔

”یہ جو اتنی بری بری شکلیں بنا رہی ہو پہلے اس جوس کی قیمت تو بڑھو پھر اپنا منہ دیکھو۔“ حسان نے اسے چڑایا۔ پر وہ وانیہ بھی اتر کر بولی۔

”اس منہ کی قیمت تو کوئی لگا ہی نہیں سکتا۔“
”ہاں واقعی بے مول ہے۔“ حسان نے تیلی لگائی۔
”انمول۔“ وہ غرائی۔

”ایک ہی بات ہے۔“ سیمل کی اردو کز دتھی یہ سب کو ہی پتا تھا برائی تاہ کن کمزور وانیہ صدمے سے بے حال ہو گئی۔

”تم تو رہنے ہی دیا کرو۔ تم ایسے مواقع پر چپ ہی اچھی لگتی ہو۔“

”میں نہیں سیمل تم بولا کرو اور ایسے موقع پر تو ضرور بولا کرو۔“ شیر کی گھاس پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا ایسا ہو سکتا تھا کہ وانیہ کی درگت بنے اور شیر کی کالسی نہ آئے؟ وانیہ کو تو آگ ہی لگ گئی۔

”تمہاری ہتپی بہت باہر آ رہی ہے میں سیر سیملی سوچ رہی ہوں کہ اسے ایک ہی بار باہر نکال دوں پھر چٹنی چاہو جیسے چاہو نمائش کر لیں۔“ سب ہنس رہے تھے۔ پوری طرح اس نوک جھونک کا مزہ لے رہے تھے سوائے شاذل کے وہ لا تعلقی سے ایک طرف بیٹھا جانے کن سوچوں میں گم تھا کہ کسی بات پر کوئی رد عمل نہیں دے رہا تھا۔ وہ پانچوں اپنی باتوں میں مشغول ہونے کے باوجود گاہے بگاہے اسے دیکھ بھی رہے تھے اور اس کا گم صم ہونا بھی محسوس کر رہے تھے خصوصاً سیمل تو اپنی تمام حسیات کے ساتھ اس کی غائب دماغی کو ٹوٹ کر رہی کی۔

”شاذل یاد رہے بھی تو کسی چیز سے فیض اٹھاؤ یہ چاٹ سموئے کولڈ ڈرنک بلکہ یہ دیکھو سیمل کا مہنگا ترین انرجی ڈرنک کچھ اس میں ہی حصہ بنا لو۔“ شیر نے اس کا کندھا

پکڑ کا بلایا تو وہ حال میں لوٹا۔ ایک نظر سب کے ہتے مسکراتے چروں پر ڈالی اور خود بھی زبردستی مسکرا دیا۔

”ہاں..... نہیں“
”کیا ہاں نہیں؟ کسی ایک بات پر اسٹینڈ کرو۔“ حسان نے ڈپٹا اور گر جھٹکھلاٹھیں ابھریں۔

”تم کھوئے ہوئے کہاں ہو؟“ یہ بتا دو؟“
”یہیں ہوں یا؟ کہاں ہوتا ہے؟“ وہ پھیکا سا مسکرایا۔

”اچھا سب چھوڑو اور یہ چاٹ اور سمو سے کھا لو اور یہ ڈرنک؟“ اس نے جوس کا ڈبا فضا میں یوں لہرایا جیسے جیتی ہوئی ٹرائی کلہرایا جاتا ہے۔ ”یہ صرف خوش نصیب لوگ ہی پی سکتے ہیں اور آج سے تم بھی اس فہرست میں شامل ہو جاؤ۔“ اس نے شاذل کے کتے ڈبار کھا۔

”پلیز فرینڈ۔“ سیمل نے ہتے ہتے اسے روکا۔
”میں کوئی چھپا کر تو نہیں رکھتی ناں! جب دل چاہے لیا کرو۔“

”بس تو پھر ڈن ہے۔“ شیر ی چکا۔ ”کل سے آپکے کھج کر لیں گے۔ میری پیاری پیاری مریدہ اتم پی لیتا اور تمہارا یہ جوس میں لیا کروں گا اور کتے۔“

”موقع سے فائدہ اٹھانا تو کوئی اس سے سیکھے۔“ وانیہ نے ناک چڑھائی اس کی شیر کی ساتھ بالکل نہیں ہنسی تھی۔

نوشیر وان عرف شیر ی اور وانیہ کے والد آپس میں گہرے دوست تھے۔ دونوں آدمی سے بریگڈیز کے عہدے سے ریٹائرڈ تھے اور اب لمبر کیٹ میں برابر برابر کے گھروں میں رہائش پذیر تھے ہر وقت کا آنا جانا تھا ان دونوں گھرانوں کا۔ عازنہ کے والدین معروف سرجن تھے۔ والدین نور مجن اور والدہ گائی سرجن حسان کے والد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ بڑے بھائی سول انجینئر تھے اور ایک گورنمنٹ ادارے میں بہت اچھی پوسٹ پر تھے۔ سیمل ایک صنعت کار باپ کی بیٹی تھی اس کے چار بھائی تھے ایک تو رولڈ بینک میں تھے ایک انجینئرڈ میں پاکستانی ہائی کمیشن میں تھے۔ چھوٹے دونوں بھائی اپنے والد کے ساتھ مل کر بسنے کا روبرو آگے بڑھا رہے تھے۔ سیمل سب سے چھوٹی اور اگلی بیٹی ہونے کے سبب ان سب کی بے پناہ لاڈلی بیٹی تھی روپے پیسے اور حسن کی دولت سے مالا مال سیمل شہدرنگے نکاحیں ویسے ہی بال انتہائی سبک فروش کے ساتھ سفید رنگت اسے بہت حسین

بتلی تھی اتنی نرم نازک اور اتنی خوب صورت کہ دیکھنے والا حسن کا ہر استعمالہ اس کے نام کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ وہ پانچول کھاتے پیتے کھانوں کے فکریے تھے صرف شاذل تھا جو دل کلاں سے تعلق رکھتا تھا مگر اس کا رکھ رکھاؤ ایسا تھا کہ وہ ان پانچول سے بڑی کوئی چیز دکھاتا تھا۔

وہ بہت خوب صورت اور اسماٹ تھا۔ اس کا لمبا قد سیاہ کالی آنکھیں، گھنی پلکیں اور کبھی ناک، بلاشبہ ایک نظر میں کسی کو بھی اپنے بحر میں جکڑ سکتا تھا اور سب سے بڑی چیز اس کی ذہانت، جس کی وجہ سے وہ پوری یونی میں مشہور و معروف تھا۔ اساتذہ اس سے بہت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے بلکہ کناس کے سر شفیق ارجمان کا تو وہ بہت لاڈلا اور منہ چڑھا اسٹوڈنٹ تھا۔ اپنی ذہانت کا درست اور بروقت استعمال کرتے ہوئے وہ اعلیٰ طبقے کے بچوں کو گھر گھر جا کر ٹیوشنز پڑھاتا اور ان سے حاصل ہونے والی بھاری فیسوں سے وہ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرتا تھا۔ شاذل سمیت وہ تین بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ اس کے علاوہ سب شادی شدہ تھے۔ اسے اس کی اعلیٰ تعلیمی کارکردگی پر حکومت کی طرف سے لیپ ٹاپ ملا تھا اور فون بھی بہت اچھا نہ سہی مگر پھر بھی خاصا بہتر اس کے پاس موجود تھا۔ جس میں وہ پلیس اتالوڈ کرواتا کہ جس سے بہت ضروری نتیجہ پسند کال دی جاسکے۔

ان پانچول دوستوں کے پاس مہنگے ترین فون اور لیپ ٹاپ اور پلیس تھے مگر شاذل کو ان چیزوں کی وجہ سے کوئی احساس کمتری نہیں ہوا تھا۔ فون اور لیپ ٹاپ بھی اس کے پاس اس لیے موجود تھے کہ وہ آج کے دور کی سخت ترین ضرورت تھے۔ اب مہنگے تھے یا سستے۔ اس سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اپنی جن میں کن تھا۔

گھر پلو مسئلے مسائل میں وہ کم ہی الجھتا تھا۔ پر اب جو پریشانی آئی تھی اس نے اسے بھی ہلا کر رکھ دیا تھا اس کی بڑی بیوی شازیہ کی شادی ان کی پھوپھو کے بیٹے راجیل سے ہوئی تھی وہ گورنمنٹ ٹیچر تھا۔ ان دونوں کے چار بچے تھے۔ آمدنی کم تھی اور اخراجات زیادہ تو اب وہ سچ سچ جو عموماً ایسے خاندان کا ماحول پکاڑ کر رکھ دیتی ہے، ان کا روز کا معمول بن چکی تھی۔ اب اس سے بچنے کی طرح متاثر ہو رہے تھے۔ شازیہ اور راجیل دونوں کو ہی احساس نہیں تھا۔ اس سے چھوٹی نازیہ کی شادی باڈل کے دوست سعد سے ہوئی تھی وہ کراچی



انتظار کی گھڑیاں ہوئیں ختم۔

آپ کے لفظوں کو دیں گے ہم کتابی شکل۔

اپنے احساس کو اپنی تحریر میں سمو دیں اس طرح کہ وہ ایک کہانی کا روپ دھارے۔

اجالا
کریٹیو رائٹنگ
گروپ
اجالا ڈائجسٹ (آن لائن)

کے بعد اگلا قدم

اجالا پبلی کیشنز

ہر کتاب دیدہ زیب اور خوش رنگ و دل کش۔

آپ کا خیال، آپ کی تخلیق، آپ کی تحریر ہمارے تعاون کے ساتھ
اجالا پبلی کیشنز اپنے تجربہ کار اور شائق اسٹاف کے ساتھ آپ کا مددگار ہے
ہمیں آپ کا ناول شائع کر کے خوشی ہوگی۔

آج ہی رابطہ کریں۔

پتہ: گراؤنڈ فلور، مکان نمبر B-2، بلاک A، نارتھ ٹائلم آباد، کراچی۔

ای میل: UjalaaPublications@gmail.com

میں ہی ایک آنکھ کھینی میں اچھے عہدے پر تھا۔ امی نے نازیہ کو صحت کی کہ وہ بھی سعد کے آگے زبان نہ چلائے جیسے شازیہ روئیل کے سامنے چلا کرتی ہے نازیہ نے ماں کا مان بول کر رکھا کہ بالکل ہی کوئی بن گئی۔ سعد پہلے ہی تنہائی کا مارا تھا۔ وہ تو یہ سوچ کر ہی خوش تھا کہ شادی کے بعد اس کی تنہائی ختم ہو جائے گی اسے ایک دوست نما بیوی مل جائے گی وہ تھا ہمارا لونے گا تو دونوں خوب گپ شپ کریں گے مگر اس کی امیدوں کے برعکس اسے تو پتھر کی صورت ملی تھی جسے باں یا ناں کے علاوہ کچھ بولنا ہی نہیں آتا تھا۔ وہ اکیلا کتنی باتیں کرتا۔ تنگ کر اس نے دیر سے گھر آنا شروع کر دیا کہ وہ اس سے تاخیر کا سبب تو پوچھے گی وہ اکیلی گھر میں ہوتی رہتی مگر کیا محال کہ اس سے پوچھ لے کہ وہ دیر سے کیوں آیا ہے مزید تنگ کرنے کے لیے سعد نے گھر کا سودا سلف لانا بند کر دیا۔ حتیٰ کہ تنہائی ضروری چیزیں مثلاً سرف صابن اور شیمپو وغیرہ مگر نازیہ نے غلطی نہیں کیا۔ سعد نے جان بوجھ کر شیمپو نہ ہونے پر اس سے لڑائی کی کہ اس نے بتایا کیوں نہیں کہ شیمپو ختم ہے اب وہ کیسے نہائے وہ خاموش رہی سعد کو جج جج غصہ کیا اور وہ بکنا جھلکا اسے اس کے سینے چھوڑ گیا۔ بڑے بھائی انزل اوپر والے پورٹن میں رہتے تھے۔ چھلے باؤل بھائی چھلے پورٹن میں امی اور شاذل کے ساتھ ہوتے تھے۔ ان کی بیوی زمین بہت اچھی تھی مگر پھر بھی ملو کر گئی۔

”شازیہ بی بی کے تو پھر کچھ مسائل ہیں، تم تو اکیلی رہتی ہو تمہارے میاں کو تو تم سے شکایت نہیں ہونا چاہیے۔“

نازیہ تو نازیہ ابی تک نہ ہوئی تھیں۔ گھر کی افواہیں رنجیدگی وافر کی چھا گئی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا اللہ تھا کہ بی بی کو دلاؤ ناراض ہو کر میکے بٹھا گیا تھا۔ فی الفور باؤل کو سعد سے بات کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ سعد نے اس کی بہت عزت بھی کی اور بات بھی نرمی سے کی مگر نازیہ کو لے جانے سے منع کر دیا۔

”وہ یہاں بے حد تنگ زندگی گزار رہی ہے اسے ابھی وہیں رہنے دو۔“ باؤل نے کرید کرید کر نازیہ سے پوچھا کہ ایسی کیا بات ہوئی کہ سعد اسے یہاں چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ پر نازیہ کو خود بتائیں تھا کہ اس سے کیا قصور ہوا ہے کہ وہ اس سے اتنا ناراض ہو گیا۔ وہ تو اسے ہرگز کوئی موقع نہیں دیتی تھی کہ وہ اس کی کسی بات پر ناراض ہو یا اسے ناگوار کرے۔ اب نازیہ کی وجہ سے وہ سب پریشان تھے۔ شاذل بھی بہن کو

دیکھ دیکھ کر بہت پریشان ہو رہا تھا۔

”شیری صرف دوا کر دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ کام دیکھا کام۔“ وانیہ نے ٹیکل پر ہاتھ مارا وہ ان کے گھر آئی ہوئی تھی اور دونوں لاؤنچ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”مجھے چیخ نہ کرنا ایسا کام دکھاؤں گا کہ انھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔“ وہ جوش میں آ گیا۔

”خبردار جو میری آنکھیں پھاڑنے والا کوئی کام کیا تو.....“ وہ برامان گئی۔ ”اتنی خوب صورت آنکھیں ہیں میری ماشاء اللہ۔“

”ہا ہا ہا اپنے منہ میاں مٹھو۔“ شیری نے مضحکہ اڑایا۔

”منہ بھی تو دھو کتنا حسین۔“ وہ اڑائی۔

”میرا لیب ٹاپ نہیں مل رہا شیری تم نے تو نہیں دیکھا۔“ ہمایوں کی اچانک آمد نے ان دونوں کی بولتی بند کر دی تھی۔

”سوری بھائی میرا مسئلہ کر رہا تھا تو میں آپ کا لے آیا تھا۔“ شیری نے بھائی سے معذرت کی تھی۔ ”اچھی لا دیتا ہوں۔“ وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ہمایوں سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وانیہ نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔

”بلک ٹو میں میں وہ وجہ جس اپنی سوچوں میں کم صوفے پر بیٹھے“ نکا“ ہوا تھا۔ شیری اس کا لیب ٹاپ لے آیا پھر اندر سے اس کا بیک وغیرہ لاکر بیک کر کے اسے دیا تو وہ چلا گیا مگر اس کی خوشبو اس کے ہونے کا احساس وہیں لاؤنچ میں ہی رہ گیا۔ وہ اسی خوشبو میں کھوئی جانے کب تک یوں ہی بیٹھی رہتی کہ شیری داں نے چونکا۔

”تمہیں کیا ہوا کہاں پہنچی ہوئی ہو؟“

”نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ سنبھل کر مسکرائی۔ وہ کچھ دیر سے بخور دیکھتا رہا پھر یوں مسکرایا جیسے سب جان گیا ہوا اور اس جیسے ”پنچے“ ہونے کے لیے تو کچھ ”جان“ لینا بالکل بھی مشکل نہیں تھا۔ وہ نظریں چرا کر کھڑی ہوئی۔

”اچھا تم اسائنمنٹ تیار کرو۔ میں اب چلتی ہوں۔“

”ہیلو تو تم نے کیا تھا آج کل کر اسائنمنٹ تیار کریں گے۔“ شیری نے اسے گھور دیا وہ بے جا کر سے مسکرائی۔

”ہاں مگر مجھے اب یاد آیا کہ امی کے ساتھ پھوپھو کے گھر جانا ہے۔“

”واہ تم پھوپھو کے گھر جا کر چل“ کرو اور میں یہاں اسائنمنٹ بناتا رہوں۔“ وہ جمل بھن گیا۔ وانیہ کھلکھلائی تو

”یہ گھر کراسے دیکھا۔“

”کچھ زیادہ ہی ہنسی آ رہی ہے ایسا کیا دیکھ لیا ہے؟“ وہ لڑائی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ ”اچھی دیر ہو رہی ہے وہ میں بتاؤں گی۔“

مغرب سے ذرا پہلے کا وقت تھا۔ سورج سارا دن اپنی قہر اور تپش برسا کر آرام کے لیے اپنے ٹھکانے میں جا رہا تھا سو اسے دھنکی کے بجائے بلکا ملگا جاسا اندھیرا ہر سو بھیل چکا تھا۔ ملکی ہلی ہوا چل رہی تھی جو بہت خوش گوار معلوم ہو رہی تھی۔ حیدر اور ابراہام لاں میں کچھ کرسیوں پر بیٹھے جانے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سیل سو کر آئی تو فزیشن ہو کر ان کے پاس چلی آئی۔ کچھ سے حیدر کے گلے میں ہائیں ڈال کر ان کے گلے کے گال رگڑا انہوں نے نہال ہو کر اس کا چہرہ چھو لیا۔

”مائے ڈارلنگ بے بی۔“ وہ اسی طرح مسکرائی ہوئی ابراہام کے پاس آئی اور انہیں پیار کر کے ان کے ساتھ موجود کرسی پر بیٹھ گئی کچھ دیر کی چٹکی باتوں کے بعد اس نے حیدر کو مخاطب کیا۔

”ڈیڈ..... مجھے ایک سیل فون چاہیے کسی کو گفٹ کرنا ہے۔“

”شیدور“ وہ مسکرائے۔

”ایکس پین سیو نہ ہو بس ففٹی تھاؤنڈز کے اندر تک ہو۔“ انہوں نے غصے سے بھینس سیکڑیں۔

”گفٹ تھوڑا اچھا نہیں ہونا چاہیے۔“

”تو ڈیڈ بس اتنے تک کا ہی ہو۔“ وہ مسکرائی۔

”ایز پوٹن مائے بے بی۔“

”آج کچھ شاپنگ کا پلان کر لیں بوتیک چلتے ہیں تم بھی کچھ پنڈ کر لینا۔“ اسہار نے اسے مخاطب کیا۔

”آج نہیں مام آج مجھے اسائنمنٹ بنانا ہے۔ بالکل ٹائم نہیں ہے۔“ وہ چائے پینے لگی۔

”اوکے بیٹا۔“ وہ بھی اصرار نہیں کرتی تھیں کسی چیز کے لیے کبھی مجبور نہیں کیا ابھی بھی محبت سے اسے دیکھ کر مسکرا دیں جو پورٹن ٹاپ اور دائیں جنیز میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ ان کے چمن کا سب سے کھلا ہوا سب سے

خوب صورت پھول جس کی مہک ان کے مشام کو تر تازہ کر دیتی تھی۔

”میں تمہیں کچھ گفٹ کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ سب فری بیٹھے تھے شاذل کا فون مسد کر رہا تھا۔ پرانا چھوٹا سا فون تھا بنوں والا (میتون) اس کے ڈیجیٹ بھی مٹے مٹے سے ہو گئے تھے۔ شیری نے فون کا حال دیکھ کر اسے چھڑا۔

”یار اسے کپڑے ہی مٹے پہناندے نہت رف حلیہ ہو رہا ہے۔“

”ہاں کیونگ بدلوالے۔“ حسان نے بھی تائید کی۔

”یہ سارے کا سارا ہی بیچ کر دانا پڑے گا۔“ شاذل نے خفگی سے فون کو گھٹنے پر رگڑا۔

”ٹیک کام میں دیر کیسی تھوڑا دل بڑا کر کے یہ ٹیک کام کر ہی ڈال۔“ حسان نے اس کا کندھا تھپکا۔ شاذل نے جواب میں اسے گھورا تھا۔

”اس کے لیے دل نہیں جیب بڑی کرنی پڑے گی اور اس کی منجاش فی الحال بالکل نہیں ہے۔“ اس نے صاف گوئی سے اعتراف کیا۔

”چل تو ہم دل بڑا کر لیتے ہیں تیرے لیے چند اکٹھا.....“ اتاری طرح گھورا تھا شاذل نے کوہ بہم کر چپچپے ہٹا۔ ”کھاؤ گے کیا اچھا اچھا سواری۔“ ساتھ ہی کان پکڑ لیے۔

شاذل نے سر جھٹک کر رخ ہی پھیر لیا عازرہ اور وانیہ پر دینے پر مشر سے ضروری دیکشن کے لیے ان کے آفس گئی ہوئی تھیں۔ حسان اور نو شیر وان اپنی اسائنمنٹ پر بات کر رہے تھے۔ سیل اسے اکیلا دیکھا تو اس کے پاس آ کر آہستہ سے کہا تھا۔

”گفٹ ہے تمہارے لیے۔“ شاذل نے چونک کر اسے دیکھا۔

”گفٹ مگر کس لیے؟“

”گفٹ کس لیے دیا جاتا ہے؟“

”کوئی ایونٹ ہو کوئی ایجوکیشن ہو تو سیلریشن کے لیے دیا جاتا ہے۔“ اس نے بھی فرم فرم کر لیا۔ وہ دکاشی سے مسکرائی۔

”اس کے علاوہ نہیں دیا جاسکتا۔“

”ہاں آپ دے سکتی ہیں اور لے بھی سکتی ہیں۔“ شاذل نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ”آپ کے لیے تو ہر دن عید کا دن

اور ہر رات شب برباٹ۔“
 ”الحمد للہ“ وہ ہلکے صلائی۔ ”اچھا یہ لو“ اس نے ڈبا میک
 سے نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ شاذل خاموشی سے ڈبے کو
 دیکھتا رہا، پھر اسے دیکھا۔
 ”اس کی کیا ضرورت تھی؟“
 ”ضرورت تو خیر بہت ہے۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور
 دے کر بولی۔ ”اب لے بھی لو اتنی دیر تھوڑی کرتے ہیں۔
 گفٹ لینے میں۔“ شاذل نے ڈبہ تھام لیا۔
 ”اب اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہارا ممنون ہو جاؤں گا
 اور.....“

”آہ..... ہا آ.....“ اس نے ناک ڈس کے پاس کر کے لمبی سانس کے ساتھ خوشبودار دھنچکی۔
”نکلی محنت و محبت سے یہ بنایا ہوگا تم نے، صرف لوں صرف میرے لیے، ہے ناں۔“ ساتھ ہی ہاتھ اگے بڑھا کر ڈس لینا چاہی اور وانیہ کر گنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔
”تمہارے لیے؟ اس غلط فہمی میں تو مجھے ہی تم خواب میں بھی مبتلا نہ ہونا کہ میں مجھی بھی کچھ تمہاری جگہ پر کر لوں گی۔“
”تو یہ.....؟“ وہ صدمے سے نڈھال ہوا۔ ”یہ کس کے لیے لائی ہو پھر؟“
”بس ہے کوئی؟“ وہ اسرار انداز میں مسکرائی۔
”اووو.....“ جی سی او کے ساتھ بھی انداز میں سر بھی ہلایا اس نے۔ ”تو یہ ہمایوں بھائی کے لیے بنایا ہے۔“
”تھوڑا سا تم بھی کھا لینا۔“ وانیہ کے تو جھکے چھوٹ گئے تھے۔ ”مگر ابھی مت چھیڑنا، ذرا پریزنٹیشن اچھی سی ہو جائے۔“
”یہ کوئی لڑکی ہے کہ میں اسے چھیڑوں۔“ وہ برامانا۔
”اب دیکھو ناں اس سڑی گرمی میں نکلی محنت سے بنایا ہے میں نے اسکن کا بھی متیا ناں ہو گیا ہے۔“ اس نے رونا رویا۔ ”بس اب یہ اسی طرح سچا سجایا ان کے آگے پیش کروں پھر تم بتنا چاہے کھا لینا۔“
”او کے کیا یاد کرو گی آ جاؤ ہر ہائی نہیں اندر ہی تشریف فرما ہیں۔“ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے لاؤنچ میں آئے جہاں ہمایوں اپنی می کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔
”السلام علیکم۔“ وانیہ نے ادب سے نظریں جھکا کر سلام کیا یہ دیکھ کر شیر کی کو اندر تک گدگدی محسوس ہوئی تھی۔ پردہ سجدہ کھڑا رہا۔
”آؤ آؤ وانیہ، کیا لے آئیں بیٹا۔“ صالح (ہمایوں) نوشیروان کی کمی کے خوش دلی سے پوچھا۔
”لڑائیہ“ میں نے بنایا ہے۔“ اس نے ڈس سینئر ٹیبل پر رکھی۔
”اوہ لڑائیہ وہ بھی وانیہ کے ہاتھ کا۔“ شیر کی نے مصنوعی بے باتی سے ڈس کا ڈسکشن اٹھایا۔
”واؤ.....“ آنکھ بند کر کے خوشبو کو محسوس کیا اور پھر سے بولا۔

”کیا ذائقہ ہوگا میں صرف خوشبو اور شکل سے ہی سمجھ چکا ہوں۔۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔۔ ہماروں نے حیرت سے اسے دیکھا شیریں لسانی تحریف اسے خشم نہیں ہو رہی تھی وہ تو ایک ایک چیز الہ ہند سے بخواتین تھا اور پسند نہ آنے کی صورت میں آرڈر لے کے باہر سے منگوا لیتا تھا نواب۔

”گلتا ہے شیریں کا لڑائی کھانے کا بہت دل چاہ رہا ہے مری سے کوچ کوچ فورک اور نائف لے آئے۔“ صاف نے لہجہ آروائی سے کہا۔

”بلکہ اسے بلا دینا یہ لے جائے اور پیس کاٹ کر شری کو لے میں لے اور ہوئی نے ابھی چائے کے ساتھ اسٹیکس لے ہیں لی الحال تو گنجائش نہیں ہے۔“ ساتھ ہی وہ اٹھ بھی گیا۔

”میں ہوئی کے ساتھ مسز سلمان کے ہاں جا رہی ہوں مجھے ڈراپ کر دے گا تم دونوں انجوائے کرو اور کچھ چاہیے تو روزی کو بول دینا وہ ہنادے گی۔“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ لے کر وہ چلے بھی گئے وہاں تو مارے صدے کے منہ کھولے انہیں دیکھتی تھی دیکھتی تھی کہ وہ شیریں نے اسے دیکھ کر بے بسی لے کندھے اچکائے۔

”پتہ سترہ بھر سے امید بھار رکھ۔“

* * *

شاذل کی ہتھ ڈے اس بار وہ سب مل کر منار ہے تھے یہاں یہ لاسٹ سمسٹر تھا، پھر تو سب ہی الگ الگ ہو جاتے ہیں تو آغاز مارچ کا موسم پھر وہ سب بہت اچھے سے لباس میں خوب تیار ہو کر آئے تھے تو جی جی لان کے اس گوشے میں بھاری انتر آئی تھی جہاں وہ بیٹھ کر سالگرہ منار ہے تھے ایک مثال خود لے کر آیا تھا اور بانی کا انتظام ان سب نے ل کر کیا تھا۔ خوب شور شرابے میں کیک کاٹا گیا دوسرے کلاس فیلوز بھی آگئے تھے تھلا گلا اور کسی مذاق کرتے ہوئے ساری پارٹی نمٹانی تھی۔ آخر میں سب نے شاذل کو گفٹ دیے تھے۔ سیل کا گفٹ خاصا بڑا اور بھاری تھا اور انہیں لے آئیں کھینچ بھاڑیں۔

”یہ اس کے اندر کیا آئیں بھر کر لائی ہوئی“ سیل مہم سا لہجہ آج تو اس کی چھب ہی نرمی تھی۔ سرخ، نارنجی اور گلابی انتراج کے لباس میں وہ بھار کا کھٹا ہوا گلاب لگ رہی تھی گلابی لب اسٹک اور گلابی نیل مائش سے سجے ہاتھ پاؤں کے ناخن بہت خوب صورت انگلیوں میں جھلے اور

نازک خی انگوٹھیاں، میروں میں پہنی سنڈلز تک ج جاتیں،
آج تو وہ خاص طور پر تیار ہو کر آئی تھی تو کھلتے گلاب کی طرح
ہی خوش نما لگ رہی تھی۔
”مجھے پتا ہوتا کہ اس طرح گفتگو دیے جائیں گے تو
میں یوں جسدِ حیا اپنی ہر تھڑے ہر گز گز نے نہ دیتی۔“
وانیہ جی بھر کر ”مکین“ ہوئی۔
”حسان اس سے زیادہ دھمی۔ میری تو آتی ہی چھٹیوں
میں ہے۔“
”اور میری عین انگریزیم کے دنوں میں جب مرنے کا بھی
نام نہ نہ تو پیدا ہونے کی خوشی کون منائے؟“ شیری کا صدمہ لا
دو اٹھا عازرہ ٹھکھکھلائی۔
”میری اور سیگل کی ہر تھڑے تو انگریز کے بھی بعد ہیں
لیکن ہمیں کوئی فسوس نہیں کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
ہم دونوں سب سے ”چھوٹی“ ہیں۔“
”ہاں جی کا کیا،“ ہیں آپ تو۔“ حسان نے تہہ دل سے
تائید کی اور خوب سر ہلکا کر اور دانت پیش کر کے وانیہ کی ہنسی نہیں
رک رہی تھی۔ خود عازرہ اور سیگل بھی ہنس رہی تھیں۔
”تم نے بتانا نہیں کہ یہ انڈا ڈانبا کس چیز سے بھر اے؟“
شیری نے اپنا رخ سیگل کی طرف پھیرا۔ وہ پہلے ہی ہنس رہی
تھی اب اور زیادہ ہنسنے لگی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ڈیپل
گہرے ہو چکے تھے۔ شہد رنگ لیں چہرے کے اطراف
بکھری ہوئی تھیں۔ شازل بہہوت ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اسی
جملے سیگل نے اسے دیکھا اور اس کا اہنہاں دیکھ کر وہ جھینپ سی
گئی۔ شازل کے لبوں پر گردش مسکراہٹ ابھری تھی۔
”بھئی ہنسنے کی نہیں ہو رہی سب کی سامنے بتاؤ کہ اس
میں کیا ہے بعد میں پتا چلے کہ شازل بے جا رہے تھائی میں
ہوؤں پر دھمی مسکان لے لے انگوٹوں میں خوش رنگ خواب
اور دل میں امگ لیے جب اسے کھولے تو اندر سے ایک
کے بعد ایک کر کے مینڈک پھدک پھدک کر برآمد ہونے
لیکین اور شازل کے دل میں موجود سارے خوب صورت
پہنڈبات اس کی بے ساختہ چیخوں تلے دب کر اپنی موت آپ
مر جائیں۔“ حسان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہاں ہنسی کا
لوفان برپا ہو گیا سیگل بوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔
”تو یہ ہے حسان تم سے تو جی بچ کی توبہ ہے۔“
شر وان اور حسان شازل کے ساتھ اس کے گھر لکھ اس کے

خوشی پہنچانے کی ہر ممکن کوشش بلکہ کوشش کیا اس کے ایک اشارے پر ہر چیز اس کے سامنے پیش کر دیتی مگر وہ خود ہی شاذوں کی خود ارطیت کے پیش نظر محتاط رہتی تھی۔ یہ تھے تو اس کے لیے بہت ہی معمولی تھے وہ تو اسے کم از کم گاڑی گفٹ کرنا چاہتی تھی کہ جب وہ دھوپ میں بانیک پڑتا جاتا تھا تو سیمل کے دل کو کچھ ہوتا تھا۔

اس کا لباس معمولی مگر انداز شاندار کچھ کر سیمل کا دل تو چاہتا کہ وہ اسے "ڈی ریجسٹ" کے سوٹ گفٹ کرنے خوب صورت "Tuscedo" اور برائڈ شووز لے کر آئے پر یہاں معمولی چیزوں پر عازنہ نے کیا کچھ نہیں کہہ ڈالا تو بھی اشیاء پر تو ایک ہنگامہ کھڑا ہوا جاتا وہ مارے کوفت کے اٹھ گئی۔

"آؤ اب چلتے ہیں۔" جوتے انہوں نے کچھ دور اتارے تھے وہ اٹھ کر جوتے پہننے کے لیے چلی تو پتا نہیں کیا چیز گھاس میں سے اس کے پاؤں کی ایڑی میں جھبی کہہ دہلی سی چی مار کر وہیں پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئی۔ پاؤں کی ایڑی میں درد کی تیز لہر اس اٹھ رہی تھیں اور خون بہتا دیکھ کر تو اس کا دل ہی بیٹھ گیا۔ عازنہ اس کی چیج پر پھرتی سے ہنسی تھی۔

"کیا ہوا سیمل؟" وہ اس کے قریب بیٹھ گئی سیمل کے آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے عازنہ نے گھبرا کر پہلے اس کے آنسو دیکھے پھر جھجک کر پاؤں دیکھنا چاہا مگر وہ تو تڑپ کر بددی۔

"نہیں..... چیخ نہیں کرو۔" وانیہ، حسان، شیری اور شاذوں چاروں سامنے سے آ رہے تھے سیمل کا یوں چیخ مار کر نیچے بیٹھنا اور پھر آنسو شاذوں تقریباً ہلکا کر قریب آیا اور بے اختیار نیچے بیٹھنے ہی اس کا پاؤں تھا ملایا وہ جو عازنہ کو چھونے نہیں دے رہی تھی اب بانگ لگ سکتی تھی۔ شاذوں نے پاؤں کا معائنہ کیا "کالچ کا چھوٹا سا کڑا ایڑی میں پھنسا ہوا تھا۔"

"میں نے کالچ لگائے لگا ہوں، تم تھوڑی سی ہمت پیدا کرو اپنے اندر۔" شاذوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا پاؤں پکڑ کر ایڑی کو انگوٹھوں کی مدد سے دبا دیا۔ "سی" کی تیز آواز کے ساتھ اس نے بے ساختہ شاذوں کی کلائی پکڑی۔ شاذوں نے ایک نظر اپنی کلائی پر جمے اس کے ہاتھ پر اور دوسری نظر اس پر ڈالی وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ شدت جذب سے گلابی چہرہ سرخ ہو رہا تھا دردی وجہ سے آنکھیں جھپک رہی تھیں۔ یوں جیسے شفاف پانی میں شہر رنگ پھول، ہیکل پگھل کر موتی لگے۔

تھے۔ وہ کس کرب سے گزر رہی تھی اس کی ہیکل آنکھیں ساری کیفیت بتا رہی تھیں۔ ان درو بھری آنکھوں نے شاذوں کو مسحور کر دیا تھا وہ جذبہ جود کے نہیں خانوں میں چھپا کر کھاتا پوری طاقت کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آسایا تھا۔ شاذوں ہی تو دونوں ارد گرد سے خبر ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھو گئے تھے مجبوراً شیری کو زور سے کھٹکنا پڑا تھا سیمل شیشائی تو شاذوں نے تیزی سے لگا ہوں کا زور سے تبدیل کیا اور ایک انگوٹھے سے دباؤ ڈال کر دوسرے ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھے سے چیخ کر وہ کالچ نکال لیا۔ سیمل نے اذیت کی شدت سے شاذوں کا بازو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا تھا اس دوران عازنہ نے اپنے پرس میں سے نشو کا چھوٹا سا سیٹ نکال کر کھولا چاروں پانچ نشو نکال کر اس نے شاذوں کی طرف بڑھائے جنہیں اس نے سیمل کی ایڑی پر رکھ کر زور دے کر دبا دیا۔

"کوئی رومال وغیرہ ہو تو دو اس کے اوپر باندھ دوں۔" حسان نے اپنا رومال آگے کیا، شاذوں نے کس کروہ اس کے پاؤں پر باندھ دیا اور اٹھ کر ہاتھ دھونے کے لیے لان کے ایک سائڈ پر گئے کل کی طرف چلا گیا۔ سیمل اسے ہی دیکھ رہی تھی ابھی چند لمحوں اس کا پاؤں شاذوں کے ہاتھوں میں تھا ان نرم گرم ہاتھوں کے لمس نے اسے ساری اذیت ہی بھلا دی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں ہی جم گئے تھے۔ اب شاذوں کے دور جاتے ہی ساری تکلیف پھر سے لگائی اور آنسو پھل کر قطرہ قطرہ گالوں پر پھسلنے لگے تھے۔

"آنسو سیمل ڈاکٹر سدرہ کے کلینک چلتے ہیں وہ انٹی سپلک لگائیں گی اور پین کلر دیں گی تو بہت فرق پڑے گا۔" عازنہ گاڑی خود رانہ کر رہی تھی وہ گاڑی چلا کر ڈرائیو سے پر لے آئی وانیہ سیمل کو ساتھ لے کر آئی اور وہ تینوں چلی گئیں۔

"آؤ ڈیوئیر..... اب ابھی جاتا تو توچک ہی گیا ہے کل کے ساتھ۔" حسان نے بانگ لگائی شاذوں دانستہ سب کی طرف سے پشت کیے وہیں کھڑا تھا۔ وہ آج جس طرح اپنے جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہو کر سب کے سامنے عیاں ہوا تھا اس نے اسے اپنے آپ میں خفیف کر دیا تھا وہ خود کو سنبھالتا ان دونوں کے پاس گیا تھا۔

* * *

"کرنل صاحب کی فیملی مجھے ہر لحاظ سے بہت پسند آتی ہے۔ شہرین تو تو ڈاؤٹ بہت پیاری ہے ہمایوں کے ساتھ

اس کا پرنکٹ میچ ہے۔" فریدوں اور صالحہ ڈرنمیل پر اسے انا کی کتابدار کر رہے تھے۔ ان کے خری جملے پر تو شیری کو اپنا دلک گیا۔

"اوہ ہوا آرام سے۔" صالحہ نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے انہ کی۔

"یہ آپ بھائی کی میٹنگ کہاں کرتی پھر رہی ہیں؟" انہوں نے غیب سے اس سے پوچھا۔

"میں بھی نہیں۔ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"پتہ نکل میں ڈھنڈورا شہر میں۔" وہ بڑبڑایا۔ صالحہ نے بہن کی طرح اس کی بڑبڑاوت پر غور کیا۔

"پتہ نکل میں ڈھنڈورا شہر میں....." انہوں نے زیر لب ہرایا۔

"میں صاحبزادے آپ کے کہنے کا مقصد میری سمجھ میں تو یہ آ رہا ہے کہ لڑکی یعنی کہ ہمایوں کے قابل کوئی لڑکی اربیب قریب ہی موجود ہے اور ہم اوپر اوپر بلاوجہ خاک پھان رہے ہیں۔" فریدوں کے تجزیے نے شیری کو کم از کم دو فٹ اوپر اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"واہ ڈیوئیر..... کمال کر دیا۔"

"یعنی میں صحیح ہوں تو یہ لڑکی ہے کون جو تمہیں تو نظر آ رہی ہے اور ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔" ان کا انداز سوچنا ہوا تھا۔

"حالانکہ ہوتی تو نہیں چاہئے اتنی پیاری اتنی فیلڈو نتر مہ اپنے گھر سے زیادہ ہمارے گھر میں پائی جاتی ہیں۔" اس بار فریدوں کو ایک طرف صالحہ بھی ہکا بکا رہ گئیں۔

"وانیہ..... ام وانیہ کی بات کر رہے ہو؟"

"شکر ہے، جلدی سمجھ گئے۔" اس نے باقاعدہ دونوں ہاتھ منہ پر پھیر کر شکر ادا کیا پھر انہیں دیکھا تو وہ حیرت سے بت بنے ہوئے تھے۔ ان کے تاثرات دیکھ کر وہ خود حیران رہ گیا۔

"کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہے غلط مشورہ دیا ہے؟ وانیہ اچھی نہیں ہے یا وہ بھائی کے ساتھ سوٹ نہیں کرتی؟" ڈیوئیر نے اسے سٹوکا۔

"نکس سانس لؤ تم تو شروع ہی ہو گئے۔"

"پھر آپ لوگ ایسے کیوں رہی ایکٹ کر رہے ہیں؟"

"ہم تو سمجھتے تھے....." صالحہ ہلکا سا کھٹکھٹا دیں۔ "تم

دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہو بہت اچھے دوست ہو تو ایک دوسرے میں انٹرنل بھی ہو....."

"کیا.....؟" وہ تو چیخ اٹھا۔ "یہ کیسے سوچا آپ نے؟"

"میرے خیال میں تو سب ہی سمجھتے ہیں۔"

"یا اللہ! اس نے سر پکڑ لیا۔" وہ محترمہ بچپن سے بھائی کے عشق میں گرفتار ہیں بھانے بھانے سے آتی ہیں اور یہاں میرے پرنس اسے مجھ سے جوڑ رہے ہیں اگر وہ سن لے تو میری خیر نہیں۔" شیری کا تو موڈ ہی خراب ہو گیا تھا۔

"تمہیں کیسے یقین ہے کہ وہ ہمایوں کو ہی پسند کرتی ہے۔" صالحہ ابھی بھی شک تھا۔

"یار رام..... حد ہوئی اس کا تو ہر انداز بتاتا ہے کہ وہ کہاں انٹرنل دے رہی آتی بھی نام پر ہے جب بھائی گھر پر ہوتے ہیں ان کے لیے وہ جن میں جاتی ہے کہ کچھ نہ کچھ ایسا کیا جائے کہ وہ اس کی کونگ کے اسیر ہو جائیں پر بے جاری کی بیڈلک میرے بھائی کی نگاہ اس طرح اس پر جاتی ہی نہیں کہ انہیں اس کے عشق کا اندازہ ہو جائے۔"

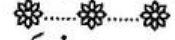
"طینکو بیج پلیز۔" انہوں نے اسے جھڑک کر خاموش کر دیا۔

گھر صالحہ کو وہ رات یاد آتی جب بریڈ میز نظر کے بیٹے کے ویسے میں جانے کے لیے وہ تیار ہو کر باہر آئیں تو وانیہ لاؤنج میں کھڑی تھی ہمایوں کے قریب ایک تو وہ اتنی خوب صورت دکھائی دے رہی تھی پھر اس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ سرشاری دے خود کی کیفیت پھر جب وہ باہر کو چلیں تو انہوں نے وانیہ اور ہمایوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور فوراً ہی نظریں چراتے بھی دیکھا تھا اس بل انہیں کچھ ٹھک تو ہوا مگر وہاں کی ہر گام مصروفیت نے سب بھلا دیا تھا۔ چار سب کچھ ایک ایک کر کے ان پر منکشف ہوتا چلا جا رہا تھا وہ فحشی حیران ہوئیں مگر تھا اور صرف وہی کیا وانیہ کے والدین حتیٰ کہ ہمایوں سمیت وہ سب یہی سمجھتے تھے کہ نوشر وال اور وانیہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں ہر وقت دونوں ساتھ ہوتے تھے ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، شرارتیں اور آپس میں خیال رکھنا مگر یہاں تو کہانی ہی اور تھی۔

"کیا سوچنے لگیں مام کیا آپ کو وانیہ بھائی کے لیے پسند نہیں؟" شیری کی آواز پردہ سوچوں کے گرداب سے نکلیں۔

"کبھی بات کر رہے ہو مجھے تو وہ اپنی بیٹی لگتی ہے ہر ہمایوں

تو بات کروں ناں پھر ہی بات آگے بڑھائیں گے۔
 ”ہاں یہ تمہاری مام ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ ڈیڈ نے بھی
 تائید کی شیریں نے اس پر بھی شکر کیا کہ کسی بہانے بات تو ان
 کے ذہنوں میں پھنسی۔ اب آگے وانیہ کی قسمت۔



”میں سوچ رہا ہوں یہ سسٹری فریڈ کروادوں۔“ شاذل
 کے جھٹکے جھٹکے لہجے پر سب کا جو حال ہوا سو ہوا سب ایک
 جھٹکے سے مڑی۔

”اب کیا ہو گیا؟ پاگل ہوا ہے اب جب پھل کھانے کا
 موسم آیا تو باغ ہی اجازت پر قتل کیا۔“ حسان مارے غصے
 کے فطخ و بلخ اردو بولنے پر اتر آیا پر کسی کے پاس فیض یاب
 ہونے کی فرصت تھی نہ داد دینے کی سب ہی شاکو تھے۔

”پاگل ہی تو نہیں ہوتا۔“ وہ کئی سے بولا۔ ”وہی ہو جاؤں
 تو جان چھوٹ جائے یہ بھی اللہ کی نعمت ہے کہ بندہ پاگل ہو
 جاتا ہے نہ کچھ پریشانی نہ کوئی فکر نہ تو آئے دن کے جھٹکوں
 نے تو بندے کو نہ جانے کار کھانہ مرنے کا۔“
 ”کون سے جھٹکے لگ گئے تمہیں؟“

”کون سے نہیں لگے جسمانی مالی اور جذباتی ہر قسم کے
 جھٹکے تو لگ چکے ہیں۔ اپنی دے میری مسئلہ اپروچ تو ہرگز
 اس قابل نہیں کہ میں سسٹری کی تیاری کر سکوں۔“

”کیا ہو گیا ہے باز ہمیں بتاؤ شیریں کرو ہم نے جو ہو سکا
 ہم تمہارے لیے کریں گے۔“ حسان نے خلوص سے پیشکش
 کی اعزہ کے لبوں پر طعنے بسم لہر لیا جو سیل کی نظروں سے
 پوشیدہ نہ رہ سکا۔

”کچھ نہیں یا۔ کچھ بھی نہیں۔“ وہ بے زاری سے سر جھٹکاتا
 اٹھ گیا وہ سب مندو دیکھتے رہ گئے تھے۔

”یہ تو بہت پریشان دکھائی دے رہا ہے ورنہ تو کبھی منہ
 سے نہیں بتاتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا رہا پھر ہیں۔“ شیریں فکر
 مندی سے بولا۔

”ہاں یہ بہت ٹینس بھی ہے۔“
 ”اب کیا کر سکتے ہیں ہم اس کی تو ایگو اتنی ہے کہ کوئی
 ہیپک بھی نہیں لیتا۔“ وانیہ نے کہا۔

”ہیپک تو تب ہی کی جائے ناں جب پراہلم پتا چلے۔“
 شیریں نے بے بسی سے سر جھٹکا۔
 وہ ان کا اتنا پیارا دوست پریشان تھا تو ان کی اس سے اتنی

دلی وابستگی تو تھی ہی کہ وہ بھی پریشان ہو گئے تھے۔ ان سب
 کے پاس سب کچھ تھا۔ وہ ہر طرح سے شاذل کی مدد کر سکتے
 تھے۔ پر وہ مدد لیتا ہی ناں وہ بھی کچھ بتاتا ہی کب تھا سبیل
 اس کے پیچھے ہی گئی تھی۔

”شاذل میری بات سنو۔“ وہ جو تیز تیز قدم اٹھاتا
 لاہری کی طرف جارہا تھا رک گیا۔

”ہوں یو لوی کیا بات ہے؟“
 ”تمہیں کوئی فائنل پراہلم ہے تو پلیز مجھے بتاؤ۔“

ہیپک کے لیے تیار ہوں اور اگر..... اسے سب کھولنے دیکھ
 کر ہاتھ اٹھا کر رولا۔ ”اگر تمہاری انا متاثر ہوتی ہے تو تم ڈیڈ
 کے پاس جا کر کرو اپنی محنت کا معاوضہ لینا۔“ اس کا لہجہ
 پر خلوص تھا اور انھوں میں محبت شاذل نے خود پر قابو پا کر
 نرمی سے کہا۔

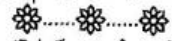
”تمہاری آفر کا شکریہ مگر مجھے فی الحال کچھ سوچنا ہے اس
 لیے میں کچھ دن پوٹی بھی نہیں آؤں گا۔“

”کیوں؟“ کئی تڑپ گئی اس کیوں میں وہ چند ٹاپے
 کچھ بول نہیں پایا۔

”کہاناں کچھ دن کے لیے پھر دیکھتا ہوں آگے کیا پلان
 کرتا ہے۔“

”تم شیریں بھی تو کر سکتے ہو ناں جو بھی پراہلم ہے ہو سکتا
 ہے ہم صرف میں کوئی اچھا سولوشن نکال لیں۔“

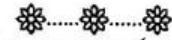
”مگر یلو مسائل ہیں ان شاء اللہ ہو جائیں گے۔“ وہ
 ہلکا سا مسکرایا اور اللہ ہی ہاتھ ہلاتا ہوا ہمارے والے ریتے پر
 چل دیا وہ تھکے تھکے قدموں سے کلاس روم میں چلی آئی تھی۔



شاذل کو جو مسائل پریشانی تھے وہ سب جیسی ایلینٹ کلاس
 کی لڑکی کی بھی سمجھ میں نہیں آ سکتے تھے۔ اس کے دونوں بھائی
 الگ ہو گئے تھے۔ دونوں بہنوں کی ازدواجی زندگی انتہائی
 مشکل حالات سے دوچار تھی۔ نازیہ کی تو خاتمی کی طرف
 جاتی نظر آ رہی تھی دونوں بھائیوں کے الگ ہو جانے کے
 بعد مالی و معاشی مسائل کا ازھماٹہ چھاڑ کر اڑ گیا تھا ہمار
 اور بوڑھا باب اپنی محدود پیش رفت سے اپنا اور بیوی کی دوائیوں کا
 خرچ نکال کر چلی اور کسی کے بل ادا کرنا اور ہاتھ جھاڑ لیتا
 شاذل اگر مہنگی مہنگی ٹیوشن پڑھاتا بھی تھا تو سب اس کے
 اپنے اوپر ہی خرچ ہو جاتا تھا وہ کتنی ہی کفایت شعاری سے

دام لیتا اس کے پاس کبھی اتنا پیسہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ گھر کے
 اپنی کچھ دے سکے۔ گھر کا ماحول اتنا کشیدہ اور پریشان کن
 تھا کہ وہ اپنی پر دھاتی پر توجہ نہیں دے پا رہا تھا اگرچہ وہ اتنا
 ذہین تھا کہ اس کے بنائے ہوئے نوٹس کی پوری یونیورسٹی
 میں دھوم مچی وہ چاہتا تو منہ مانی قیمت پر انہیں دوسرے طلباء و
 طالبات کو فروخت کر کے اپنی ضروریات پوری کر سکتا تھا مگر
 انعام کے ایسے استعمال کے لیے اس کے دل و دماغ مانے ہی
 نہیں دہ لپٹے پیچھے آنے والے لہجے کے ذہن ترین طالب علم کو
 خود ہی وہ رضا کارانہ طور پر اپنے نوٹس اور تیار سا سنٹ دے
 دیا کرتا تھا وہ اسٹوڈنٹ ہمیشہ اس کا ممنون رہتا تھا پر وہ بے
 غرض ہو کر یہ سب کرتا تھا پچھلے ہفتے سے امی کے کزن
 امریکہ سے کراچی آئے ہوئے تھے دوسرے رشتے داروں
 کے گھر سے ہوتے ہوئے وہ ان کے گھر آئے تو وہاں کی
 پریشانیوں دیکھ کر سن اور سمجھ کر چمکا گئے انہوں نے شاذل کو
 پیشکش کی کہ اگر وہ چاہے تو ان کے ساتھ امریکہ چلے۔ ان
 کے وہاں دو ہوٹل تھے وہاں وہ اپنا من پسند کام کرے، اچھی
 تنخواہ لے سکتا ہے۔

شاذل کو گو کوئی کیفیت میں تھا۔ ایک دل تو کرتا کہ سب
 پوڑھ چھاڑ کر ان کے ساتھ چلا جائے اور گھر کے حالات بدل
 کر رکھ دے مگر پھر اپنا لاسٹ سمسٹر اپنے دوست اور سب
 سے بڑھ کر وہ حسین شہزادی جس کے خواب دیکھنا بھی وہ
 انور نہیں کر سکتا تھا پر دل کب اجازت لیتا ہے وہ تو کب
 سے اسے اپنے اندر چھپائے بیٹھا تھا بڑے ہی مطمئن اور
 شان کے ساتھ وہ دل کے سب سے اونچے سکھان پر
 براہمن کی اس سے دوری کا تصور ہی اس کی جان نکال دیتا
 تھا لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھتا تو ان حالات میں اپنی
 موجودہ مالی پوزیشن کے ساتھ وہ اسے حاصل بھی تو نہیں
 کر سکتا تھا اسے پانے کے لیے کچھ نہ جانا بھی تو ضروری تھا
 ابھی وہ اس سے دور جانا گوارہ نہیں کر رہا تھا لیکن وہ ہمیشہ کے
 لیے کھوجا جاتی تو.....؟ وہ سر جھٹک کر بھی ان سب حقائق کو جھٹلا
 نہیں سکتا تھا۔



”وانیہ بیٹا..... ہمایوں کو بلانا چاہئے نی لے وہ بھی۔“ ذکیہ
 چائے لٹائی تھی۔ صالحی نے وانیہ سے کہا۔ وہ ابھی کچھ دیر
 پہلے ہی آئی تھی۔ ان کے کہنے پر اٹھ کئی دھک دھک کرتے

دل کے ساتھ وہ اس کے کمرے تک آئی دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ
 خوف نظر نہیں رہتا تھا اس نے کئی سے دروازے پر دستک دی مگر
 کوئی جواب نہیں اس نے سر اندر کر کے جھانکا داش روم سے
 پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی اس نے سامنے سائیڈ ٹیبل پر اس کا فون
 ٹیلیفٹ لپٹ کر سب رکھے نظر آ رہے تھے وہ دبے پاؤں
 اندر آئی۔ اس کا فون اٹھایا کوئی لاک وغیرہ نہیں تھا اس نے
 جلدی جلدی دھڑکتے دل کے ساتھ ان باکس کھولا سارے ہی
 برنس سے متعلق پیغام تھے یہ سنٹ کا کھولا وہاں بھی برنس ہی
 برنس بھرا ہوا تھا اس کا سارا تجسس پھولے غبارے میں پن
 لگ جانے سے پھس ہوتا چلا جا رہا تھا اب اس نے اس
 ایپ چیک کیا کالیکٹ دیکھے کچھ ایسا نظر نہیں آیا جس سے
 اس کے کسی لڑکی کے ساتھ انوالو ہونے کا کوئی تاثر ملتا۔ وہ
 مایوسی سے فون رکھ کر کئی تو سانس سینے میں اٹک گیا تھا وہ عین
 اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ بلیک پولو شرت اور بلیو جینز میں کیلے
 بالوں کی ساتھ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا وانیہ کی حالت غیر
 ہو گئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا سن رہا ہے کچھو کچھ
 کہ وہاں سے کھڑے کھڑے غائب ہو جائے اتنی بری
 صورت حال کا اس نے بھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

”کیا دیکھ رہی تھیں میرے فون میں؟“ ہمایوں نے
 پوچھا تو بڑے رसान سے تھا پو وانیہ سے تھوک حلق سے نیچے
 اتارنا مشکل ہو گیا تھا۔

”کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں ہوں ہی بس ایسے ہی۔“
 ”خیر ایسے ہی تو نہیں آئی تھیں؟“ ذکیہ کی لڑکی وغیرہ کو ڈھونڈ
 رہی تھیں تو بڑے مایوسی تو بہت ہوئی ہوگی؟“ یہ تو شیریں سے
 بھی زیادہ ”پچھنی“ ہوئی چیز ہے۔

”نہیں تو مجھے کیوں مایوسی ہوگی۔“ وہ صاف مگر گئی۔
 ”ہاں یہ تو ہے تمہیں کیوں مایوسی ہوگی تمہیں تو بلکہ خوشی
 ہوئی ہوگی۔“ وانیہ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ وہ مسکرا رہا
 تھا۔ ”ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟“ اس کے ہونٹ تو کیا اس کی
 آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں کچھ الگ سے جذبے ستارے
 بن کر اس کی آنکھوں میں چمک رہے تھیں وہ خواہشیں جو
 اندر نہیں ایب حسرت بنتی جارہی تھیں یوں حقیقت بن کر
 سامنے آئی تھیں کہ وانیہ غریب تو چمکا رہی تھی۔ اسے یوں
 الجھا دیکھ کر وہ تھوڑا اور غریب ہوا۔
 ”کیا کچھ غلط کہہ رہا ہوں؟“

”آ..... آ..... آپ اتنے بدلے ہوئے کیوں لگ رہے ہیں؟“ مارے گھبراہٹ کے کچھ کا کچھ منہ سے نکل گیا۔
ہمایوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
”مثلاً کیا بدل گیا ہوں۔“

”پہلے تو آپ اس طرح مجھ سے بات نہیں کرتے تھے؟“

”پہلے تم بھی اس طرح میرے کمرے میں نہیں آتیں تھیں نہ ایسے میرا فون چیک کیا تھا۔“ اس کا شریر لہجہ وانیہ کو مزید حواس باختہ کر رہا تھا۔

”میں خود نہیں آئی، صالحہ آئی نے بھیجا تھا کہ آپ کو چائے کے لیے بلا لائیں۔“

”تو بلا یا تو نہیں تم نے۔“ وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔
”جی چلیے“ آئی انتظار کر رہی ہوں گی۔“ وہ تیزی سے

کہہ کر اس کی سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ سانس سینے میں اٹک گیا ہمایوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا۔

”ایک بات بہت دنوں سے ٹھنک رہی ہے اس کا جواب تو دیتی جاؤ۔“

”جی؟“ اس نے پلکیں اٹھائیں وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”ظفر اٹکل کے بیٹے کے ولیمہ والی رات ماں ڈیڈ سے جلدی جلنے کا کہہ رہی تھیں کہ انہیں تمہیں بھی لینا ہے تمہارا

دسواں شیری بھی گھر نہیں تھا۔ پھر تمہارا اتنا تیار ہو کر یہاں آنے کا مقصد؟“ وہ رکا ساتھ ہی وانیہ کی سانس بھی رکی وہ ہلکا سا ہنسا کھلا۔

”تم اتنی بن سنور کر یہاں کیوں آئی تھیں؟“
”وہ..... میں..... میں تو..... آئی تھی کہ وجہ سے.....“

”اوہ..... میں اس غلط فہمی میں تھا کہ میری وجہ سے اس کے لہجے کی مایوسی اس کی آنکھوں کی شرارت کا ہرگز ساتھ نہیں

دے رہی تھی وانیہ کے سارے جسم کا خون سمٹ کر اس پہرے پڑ گیا تھا۔ چوری ایسے بھی پکڑی جاتی ہے راز یوں بھی فاش

ہوتے ہیں نہ اسے شرم کے کوئی بہانہ بھی نہیں سو جھڑپا تھا۔
”میرا فون چیک کرنے کا مقصد بھی کوئی اور ہی ہو گا میں

تو ایک کے بعد ایک غلط فہمی پلس خوش فہمی میں مبتلا ہوتا چلا جا رہا تھا۔“

”نہیں غلط فہمی نہیں، میں تو سچ سچ.....“ ساتھ ہی اندازہ ہوا کہ کیا کہنے جارہی تھی تو ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ہمایوں

سر پیچھے کرتے ہوئے بے اختیار منہ دیا ایک سرشار منی اس سرشاری میں کسی کی بچی محبت پالنے کی خوشی تھی تو اپنے

اندازوں کی تصدیق بھی اس سرشاری میں شامل تھی۔
”کب ہیں تمہارے فائل ایگزیزٹ؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں ایک مہینہ ہی ہے۔“ وہ اس کا انداز بدلنے پر حیران ہوئی۔

”تو پھر کیا ارادہ ہے؟“
”کیا مطلب؟“ وہ اب بھی۔

”مام اور ڈیڈ کو بیچ دوں پروپوزل کے لیے رزلٹ کے بعد شادی رکھ لیتے ہیں۔“ وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے بچانے ان

دوؤں کے درمیان کتنی بے تکلفی رہ چکی ہو اور وہ اس موضوع پر پہلے بھی بات کرتے رہے ہوں۔ وانیہ کی ٹانگیں کا پیٹے لگیں

وہ باہر پئی۔
”میں چلتی ہوں۔“

”ہاں ساتھ چلتے ہیں مام بھی حیران ہوں گی کہ اندر کون سے مذاکرات چل رہے ہیں۔“ مارے شرم کے وانیہ سر پر ہنجر

رکھ کر بھاگی پیچھے سے صالحہ وازیں دیتی رہی تھیں۔
* * * * *

”اب اس دن شاذل کے یہ کہنے کا کیا مقصد تھا کہ وہ سمسٹر فریز کر دیا ہے یا یہ جتنا کہ وہ بہت پریشان ہے تاکہ

تم اس کی پریشانیوں کے محل ٹکالو اس کی، ہیلب کڑوا سی لیے میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اسے اتنے مجھے ٹھنک دے کر

اس کی توقعات نہ بڑھاؤ۔“ عازرہ اور سیمل یونیورسٹی کے اکناکس ڈیپارٹمنٹ کے سامنے بڑے مدے میں کھڑی تھیں۔

شاذل نے انہیں دیکھا تو تیز تیز قدم اٹھا تا وہاں آیا عازرہ کے منہ سے اپنا نام من کر وہ لاشعوری طور پر دیوار کے پیچھے

ہو گیا ان دوؤں کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔ عازرہ کا پورا چہلہ سن کر تو آسمان اسے اپنے سر پر گرتا محسوس ہوا تھا سائین

سائین ہوتے کانوں میں جھل کی آواز تو بکرائی تھی وہ کچھ کہہ رہی تھی مگر کیا؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا، غم غصے اور دکھ کی شدید

کیفیت میں وہ ہر تار پر رزنے لگا تھا۔
اس نے ہزار ہا مسائل اور پریشانیوں کے باوجود اپنے

دوستوں کو بھی بھٹک نہیں پڑنے دی تھی۔ وہ لوہی کی دوستی کو انعام کی حد تک ہی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس میں گھریلو اور معاشی

مال کو بھی زیر بحث نہیں لایا تھا پھر اپنے ہی طور پر گفت دینا شروع کیا۔ وہ ان سب کو حق سمجھ کر لے رہا ہے ایسا سوچنے کا

نقہ تھی انہیں کس نے دیا وہ چاہتا تو آگے بڑھ کر عازرہ سے ہاتھ لگتا تھا کہ اس سب بکواس کے پیچھے کیا مقصد ہے؟ اس کی

بیزاٹ کیسے ہوئی کہ وہ شاذل کے لیے اس طرح کی باتیں کریں مگر غم غصے کی آندھی نے اس کی زبان مفلوج کر دی

تھی۔ شس کے عالم میں دماغ کئی پتنگ کی طرح اڑنے لگا تھا۔
وہ مڑ کر یونیورسٹی سے ہی باہر چلا گیا تھا پھر فیصلہ کرنا اس

کے لیے بہت آسان ہو گیا تھا اس نے ماموں کو رضامندی دے دی تھی۔ حالانکہ شدید غصے اور انتہائی خوشی میں کیے

جانے والے فیصلے اکثر دانشمندانہ نہیں ہوتے مگر اب یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ ماموں نے اس کے بڑے کے لیے اپلائی

کر دیا تھا اور باڈل کو ساتھ لے کر سعد کے پاس گئے اور اس سے کھل کر بات کی کہ اگر وہ نازیہ کو رکھنا چاہتا ہے تو ٹھیک ورنہ

صاف فیصلہ سنا دے تو وہ بھی اپنی بچی کے لیے کچھ اور سوچیں۔
سعد بھی اتنے عرصے میں ڈھیلا پڑ چکا تھا اس نے نازیہ سے

جو بھی شکایت تھی ان سے بیان کی تو وہ سن کر حیران رہ گئے۔
”اوہ اتنی سی بات واہ میاں واہ.....! ایک تو بے زبان

گائے ملی اور آپ کو اس پر بھی اعتراض ہے یہ تو شاذیہ کی بدگوئی ہے یا اور نازیہ کو سپا دیا وہ تو ڈر کر بولنا ہی بھولی گی۔“

پھر انہوں نے اور باڈل نے بتایا کہ کیسے نازیہ کی امی نے اسے شوہر کے سامنے خاموشی اختیار کرنے کے لیے کہا تھا۔

بہر حال سعدان کی ساتھ ہی آیا اور نازیہ کو لے گیا بہت دن کے بعد یہ خوشی ان کے ہاں آئی تھی جس نے شاذل کے دکھ

سے بچھٹے دماغ کو بھی کچھ سکون دیا تھا۔
وہ اور سیمل پچھلے چار سال سے ایک دوسرے کی محبت

میں مبتلا تھے یہ جذبہ اظہار کا محتاج نہ تھا سب کو علم تھا کہ ان دوؤں کے بیچ کون سا تعلق ہے مگر کبھی کسی کی زبان پر ایک

لفظ نہیں آیا تھا شاذل تو اس لیے خاموش تھا کہ اپنی اور اس کی حیثیت کا اتنا بڑا فرق پیش نظر رہتا تھا اس کے جبکہ سیمل لڑکی

ہونے کی وجہ سے کچھ کہ نہیں پاتی تھی یوں یہ تعلق لفظوں کے اظہار سے قاصر تھا اور اب شاذل شکر کر رہا تھا کہ اظہار کی

نویت ہی نہیں آئی وہ مزید مانی بحران کا شکار ہو کر خود کو بالکل بھی سیمل کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا اور اب عازرہ کی بات سننے

کے بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا اپنے دوستوں کے ساتھ

طبقاتی فرق بہت زیادہ ہے اس کا سمسٹر کے متعلق ارادہ پہلے ہی ڈالنا ڈول تھا اب تو ہر لگ گئی تھی اس دن کے بعد وہ

یونیورسٹی ہی نہیں گیا۔
نوشہروال اور حسان اس کے گھر آئے تھے اس سے ملنے

اور پرسش کرنے کے وہ کیوں بے وقوفی کر رہا ہے۔ یونیورسٹی نہیں آ رہا اس نے بتایا کہ وہ امریکہ جا رہا ہے اور کاغذات

بنوانے میں مصروف ہے اس لیے وہ یونیورسٹی نہیں آ سکتا۔ وہ دوؤں حیران پریشان پوچھتے تھے یہ رہ گئے کہ اتنی جلدی کیا ہے؟

ایگزیم تو دے لے پھر چلا جائے ڈگری تو مل جائے گی اس نے وقت کی کمی کا بہانہ کر کے جان چھڑائی تھی۔

سب نے باری باری فون کیے اس سے ملنے کے لیے شیری کے ساتھ وانیہ بھی آئی اور جس رات اس کی روائی تھی

اسی شام سیمل اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ اپنا سامان پیک کر رہا تھا۔ جب امی نے آ کر بتایا کہ کوئی لڑکی اس سے ملنے آئی

ہے شاذل نے اچھے سے بھنویں سکڑیں۔
”کون ہے امی آپ نے نام نہیں پوچھا؟“

”سیمل نام بتایا ہے اس نے۔“ امی بتا کر چلی گئیں اور شاذل کتنی دیر سکھتے میں رہ گیا۔

”سیمل اور یہاں ہمارے گھر؟“ پوچھل دل اور بھاری قدموں سے وہ ڈرائنگ روم میں آ گیا سادہ سا ڈرائنگ روم

جس میں ایک صوفہ سیٹ اور ایک کاؤچ بیٹھنے کے لیے سستا سا قالین اور آئینہ بازار سے خریدے ہوئے پرے اور آرائش

کے لیے بڑے بڑے گلدان جو نازیہ کا شوق تھے ان سب سے مزین اس ڈرائنگ روم میں سیمل ایک بہت ہی خوب

صورت اضافہ تھی عموماً مغربی لباس زیب تن کرنے والی ان کے گھر ایک بہت خوب صورت شلواری میشل بمعہ دوپٹے کے

پہن کر آتی تھی۔
”السلام علیکم۔“

”وعلیک السلام کیسے ہو؟“ وہ اتنی مرجھائی ہوئی تھی کہ شاذل کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ مختصر جواب دیا۔
”تم جا رہے ہو؟“ وہ براہ راست موضوع پر آئی۔

”ہاں۔“
”اے بغیر ہی جا رہے تھے؟“ معصوم سے شکوے کے

پیچھے کتنے دکھ کتنی حشریں اور کتنے نوے تھے شاذل سب

سمجھ رہا تھا۔ وہ خود بہت مضبوط سے بیٹھا تھا دل میں اسے دیکھ کر طوفان اٹھ رہے تھے کہ جسے چھوڑ کر جانا ہی تو اذیت ناک مرحلہ بنا ہوا تھا وہ دل کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اب اسے اپنے دل پر اختیار حاصل ہو گیا ہے مگر وہ سامنے ہی تو وہ پھر سے امتحان میں آ گیا تھا۔

اسے میں امی کو لڈو کس لئے میں سیکل گھبرا کر کھڑی ہوئی ان کے ہاں تو نوکر یہ سروس دیا کرتے مائیں کب ایسی زحمت کرتی ہیں ساری جیسی سے سکڑا میں اور کو لڈو رنگ سینٹر ٹیبل پر رکھ کر چلی گئیں۔ سیکل نے اس کے کہے بغیر گلاس اٹھا لیا۔

”کب تک واپس آؤ گے؟“

”جب حالات بدل جائیں گے۔“ اس نے حتی اور دو ٹوک جواب دیا۔

”ہوسکتا ہے میں وہیں تم سے ملنے جاؤں انڈریس دے دو۔“ اس میں تو شاذل کو کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ آسکتی تھی ان کے لیے تو شاید ایک سے دوسرے شہر جانا مشکل تھا مگر سیکل کے لیے امریکہ جانا بھی تفرقہ تھی۔

”میں وہاں جا کر سیٹ ہو جاؤں پھر انڈریس دوں گا۔“ اس کے نرموٹے انداز پر وہ دل شکستہ نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی اٹھ گئی۔

”اچھا میں چلتی ہوں۔“

”او کے اللہ حافظ۔“ اس کی طرف سے نہ مزید بیٹھنے کی درخواست نہ دکنے کی کوئی خواہش۔ وہ لب بستہ رہ گئی۔

”کھٹکٹ میں تو رہو گے ناں؟“

”کوشش کروں گا۔“ وہ اپنی طرف سے اسے مکمل مایوس کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہا تھا۔ وہ چلی گئی تو اسی نے پوچھا۔

”یہ کون تھی شاذل بڑی ہی پیاری بچی تھی بہت خوب صورت۔“

”کلاس فیلوٹی امی جانے کا چاہتا تو ملنے آگئی۔“ دل پہ جو بہت رہی تھی اس پہ پردہ ڈالنا اور پسے لا روانی سے جواب دے کر وہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

صالیہ اور فریدوں باقاعدہ رشتہ لے کر آئے تھے وانیہ کے والدین بہت خوش تھے ہمایوں ہو یا نو شیر والوں دونوں ان کے

سامنے لیے بڑھے تھے اور تعلیم حاصل کی تھی ان کی ہر ایک بری عادت کا انہیں علم تھا اس وقت وہ کھانا کھانا شاذل پر شخصیت کا مالک لڑکا تھا جس کا رشتہ کسی کے پاس بھی جاتا تو قبول کر لیا جاتا وانیہ کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ رشتہ ان کی پسند اور مرضی سے پایا ہے۔ سویری ہی خوش دلی سے رشتہ قبول کیا گیا شادی وانیہ کے امتحانات کے بعد طے کی گئی تھی۔

سان فرانسسکو میں شاذل ماموں کے ساتھ سیٹ ہو گیا تھا۔ ان کے ہوتل میں اسے گمرانی کرنا ہوتی تھی۔ دونوں وقت کا کھانا بھی وہ وہیں کھا لیتا تھا گھر میں بھی بہت سکون تھا۔ ڈیشان ماموں کے دو بیٹے تھے بیٹا شایان جو کینیڈا میں چاہ کر رہا تھا اور وہیں شادی بھی کر چکا تھا۔ بیٹی شعل سوئٹ ویز انجینئر تھی اور اپنے کو لیگ سے والدین کی رضا مندی سے شادی کر چکی تھی۔ وہ ایک خوش گوار ازدواجی زندگی گزار رہی تھی گھر میں صرف ماموں اور مریم آتی ہوتے تھے جو اس کے ساتھ بہت محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ سب ٹھیک تھا سوائے دل کے جو اسے بہت تنگ کرتا تھا۔ سیکل کو ایک نظر دیکھنے کے لیے۔

شاذل نے امی کو لڈو کوئی سے منع کیا ہوا تھا کہ وہ اس کے متعلق اس کے کسی دوست کو کچھ نہ بتائیں۔ دل ایسا ٹوٹا تھا کہ وہ کسی قسم کے رابطے نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ بس اس میں اذیت اہو کے ساتھ دوڑتی تھی۔ وہ بہت کم کسی سے بدگمان ہوتا تھا اور اگر ہو جاتا تو کسی طرح اس کا دل صاف نہیں ہو پاتا تھا عازنہ کے الفاظ نے اسے الاؤ میں دھکیل دیا تھا اسے یہاں آئے دو سال ہونے والے تھے۔ اس کا ذمہ و سبائی تازہ تھا۔ کچھ اس کی اپنی بھی کوشش تھی کہ وہ ہر رات اسے کھرچتا تھا۔ وہ اس زخم پر کھرچنے ہی نہیں دیتا تھا کہ وہ خشک ہو کر نشان بھی ختم ہو جائے۔ نئے سرے سے کچھ اچھا سوچ سکے مگر نہیں وہ اپنی شدت پسندی کے ہاتھوں مجبور تھا۔

”وانیہ اور ہمایوں کی شادی میں سب شریک تھے۔ صرف شاذل نہیں ہے تو کتنا خالی پن محسوس ہو رہا ہے ناں۔“ وہ صرف شاذل نہیں تھا بارہ تو سب کچھ تھا وہ جان محفل تھا وہ روح انجمن تھا اس کی تو سب سے بڑی کمی ہے۔“ حسان کے لہجے میں دکھ اور مایوسی تھی سیکل کی آنکھوں

لمبی آنکھی تھی۔

”پتا نہیں کیوں اتنا ناراض ہو گیا کہ کوئی کھٹکٹ نمبر بھی نہیں دیا؟ کیا ایسا تصور ہو گیا ہم سے؟“ شیری کی بات میں ادا اور مگر دونوں تھے۔

عازنہ نے نظر چرا کر سامنے اسٹیج پر موجود ہمایوں اور وانیہ کو دیکھا شروع کر دیا۔ ایک بوجھ سا شاذل کے ذکر پر اس کے دل پر پڑتا تھا سیکل کو دیکھ کر زیادہ دکھ ہوتا کہ وہ مصحوم لڑکی طرانا ہی بھول چکی تھی۔ دو دفعہ امریکہ اپنے بھائیوں کے پاس ہوا تھی مگر وہ ہاؤن ریاستوں کے بے حساب شہروں میں سے جانے کس شہر میں چھپ گیا تھا کہ کسی کی یاد اسے مانسنے آنے پر مجبور نہیں کرتی تھی۔ دل کی بے چینی اسے وہ بارہ شاذل کے گھر لے گئی تھی۔ اس نے اس کی امی سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں رہتا ہے انہوں نے سادگی سے بتایا کہ انہیں نہیں معلوم انہیں بس یہ پتا ہے کہ وہ امریکہ میں ہے۔ فون نمبر بھی اس کے ابو کے پاس ہے اور وہ گھر پر نہیں ہیں۔ وہ مایوس دنا کام وہاں سے لوٹ آئی تھی۔

وانیہ اور ہمایوں کی شادی کا بیگانہ ان کے زلزلے کے بعد شروع ہوا تھا۔ وانیہ کے خوش سے جھپکتے چہرے کو دیکھ کر اس نے اس کی مزید خوشیوں کے لیے دعا کی تھی۔ کتنی خوش قسمت تھی وانیہ کہ اپنے ہی طبقے اور معیار کے لڑکے سے محبت ہوئی اور اب شادی کے ذریعے اس محبت کی تکمیل ہو رہی تھی۔ ایک اس کے لیے یہ طبعاتی فرق عذاب بن گیا تھا۔ حالانکہ ابھی نہ کوئی بات ہوئی نہ اس کے والدین یا بھائیوں کی طرف سے کوئی اعتراض ہوا پھر شاذل نے ایک طرف اسے اس بنیاد پر جھٹلادیا۔ وانیہ نے بہت محبت سے کہا تھا۔

”میں نے تمہارے لیے بہت دعا کی ہے سیکل کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مراد پوری کرے اور ایسا ضرور ہو گا ان شاء اللہ۔“ وہ مسکراتی تو اس کی مسکراہٹ میں بھی حزن تھا حیدر اور اسارا کو بھی اس کی کیفیت نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ اتنی کھوٹی کھوٹی اور کم رسم رہنے والی بہترین رشتے کے لیے منع کر دینے والی ان کی بیٹی کس روگ میں مبتلا تھی اس کی تھیں کے لیے کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ حیدر نے اسے آفس لے جانا شروع کر دیا مصروفیت نے کچھ دماغ بٹایا۔ جب فارغ ہوئی تو پھر سے وہ خیالات پر قابض ہو جاتا اس کے تصور میں کھوکھو تو اسے زمان و مکان

سب بھول جاتے تھے۔

”یہ میرے دوست کا بیٹا ہے ریان فریڈیو، یہ بیٹی وی کے کمرشلز بناتا ہے اس کی اپنی ایڈوٹاؤنگ ایجنسی ہے اس دن ہمارے ہوتل آیا تمہیں دیکھا تو میرے پیچھے پر دیکھا کہ میں اسے تم سے ملواؤں اس کے مطابق تم بنے بنائے ماڈل ہو اور یہ تمہیں اپنے اگلے کمرشل میں لینا چاہتا ہے۔“ شاذل کھڑا آیا تو ماموں نے اسے ڈرائنگ روم میں بلوایا اور اس کو جوان سے جولاٹینی امریکہ سے تعلق رکھتا تھا مگر اب یہیں رہتا تھا سے بلوایا۔ شاذل کا منہ کھلے کھلا رہ گیا ماڈلنگ اور وہ؟ اس نے تو بھی کانچ کیوینورسٹی کے کسی ڈرامے وغیرہ میں کوئی کردار نہیں کیا تھا۔ اگرچہ اس کے کلاس فیلوز اسے اکثر چھیڑتے تھے کہ بار شاذل تم کی وی یا فلم میں چلے جاؤ تو بڑے بڑے ہیر دو کہ گھر بٹھاؤ اور وہ جواب میں کہتا تھا۔

”میں جانگمے میں خواب نہیں دیکھتا۔“

پر یہ خواب تو کیا حقیقت تھی۔ وہ امریکی لڑکا بڑے جوش و خروش سے اسے یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی جاذب نظر شخصیت اور سراپا سب کچھ ڈانگ کے لیے کتنا فریکٹ ہے شاذل نے اس سے سوچنے کے لیے مہلت لے لی مئی شایان کو معلوم ہوا تو اس نے اور شعل نے بھی شاذل پر زور دیا کہ وہ ریان کے ساتھ ضرور کام کرے۔ شاذل ریان کے ساتھ کام پر آمادہ ہو گیا اور وہاں کی کڑی ٹریننگ کے بعد اس کا پہلا کمرشل ٹی وی پر آ گیا تھا اسے ریان نے ویڈیو پکس دکھائے تھے لی وی اسکرین پر اسے آپ کو دیکھنا ایک انوکھا تجربہ تھا وہ بہت دیر اپنے آپ کو دیکھنے کے لیے لی وی کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔ ماموں نے موی بنا کر امی کو لڈو بھی وہاں سے چاروں بہن بھائیوں کو بھجوا دی تھی اور دوسرے دن فون کا لڑکا تاتا بندھا رہا تھا اس کا امریکہ چلے جانا ہی کیا کم خوشی کا باعث تھا سب کے لیے کہ اب وہاں گئی وی پکا ناں۔

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔“ سیکل کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے اریشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”کیا ہوا؟“

”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔“ شاذل نے اس میں نے پہچان لیا ہے یہ وہی ہے بالکل وہی۔“ وہ لی وی اسکرین کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہہ رہی تھی وہ اس طرح اسکرین کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ رہا ہو۔

”کون شاذول؟“ اریشرہ ابھی ذہن پر زور ڈالنا مگر کچھ یاد نہیں آیا کہ شاذول کون؟ سیکل اب اپنے موبائل سے اس کی ویڈیو بنا رہی تھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اشتہار بار بار چل رہا تھا۔ وہ اتنی خاموش طبیعت کی لڑکی تھی کہ اس کا یہ جوش اریشرہ کو ابھرنے میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ بھی اسے دیکھتی اور بھی فی وی پر آنے والے اس خوب صورت لڑکے کو۔

”بھائی!..... اسفر بھائی سے پوچھیں اگر وہ فری ہیں تو مجھے ان سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ لکھی لجاجت سے بولی کہ اریشرہ ان رہ گئی وہ تیزی سے اپنے کمرے میں گئی۔

”وہ کہہ رہا ہے کہ تم کو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ایسا کیا ہوا ہے؟“ اریشرہ نے مسکرا کر اس کا پیغام دیا اور سیکل کے ساتھ ہی کمرے میں آئی۔

”آؤ سم ڈارنگ! کیا بات ہے؟“ اسفر نے محبت سے اپنی چھوٹی لاڈلی بہن کو دیکھا۔ اس نے انک انک کڑک رک کر شاذول کے متعلق بھائی کو بتایا اس نے ویڈیو بھی دکھائی اور پلاسٹک شہار میں موجود لڑکے نے اسفر کو بہت متاثر کیا تھا وہ واقعی کوئی ”جیز“ تھا۔

”ڈونٹ وری ڈون میں اس کے متعلق ساری معلومات مل جائیں گی۔“ وہ بغیر کوئی جواب دیے ایک ٹک ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی جہاں وہ درخشاں ستارے کی طرح جگمگا رہا تھا اریشرہ نے البتہ کافی بحث کی تھی۔

”اگر وہ تم سے کوئی کھٹکت نہیں کرتا کوئی ریلیشن نہیں رکھنا چاہتا تو تم اپنے آپ کو کیوں ڈی گریڈ کر رہی ہو کیا پتا وہ کہیں اور ایجنٹ ہو سکتی ہیں اور میں انٹرنیٹ سے پتا چلاؤں گا کہ تمہاری ذرا سی بھی پرواہی تو یوں کٹ کر رہتا۔“ سیکل کی آنکھوں میں آنسو جھلکانے لگے۔

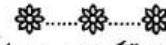
”بس ایک بار میں اس سے مل لوں اسے دیکھ لوں پھر.....“

”پھر کیا.....“ اریشرہ کو اس کا آنسو دیکھ کر دکھ ہوا۔

”مجھے یقین ہو جائے گا کہ اس نے مجھے سچ چھوڑ دیا ہے۔“ اس کی آواز کانپ کی گئی۔

”تم اس سے اتنی محبت کرتی ہو تو پہلے کیوں نہیں بتایا کوئی نہ کوئی اسے ڈھونڈ لیتا کوئی سلوشن بھی نکل آتا۔“ وہ

خاموشی سے ٹی وی اسکرین کو دیکھتی رہی فی الحال وہ نظر آ رہا تھا یہی کافی تھا۔



وہ ہوٹل میں مصروف تھا کہ ڈیشیاں ماسوں کا فون آیا کہ جلدی گھر آجائے کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے وہ اپنی پوری کوشش کر کے گھر پہنچا تھا سننگ روم میں آتے ہی وہ ٹھٹھکا۔

”سیکل!..... اس کے لبوں نے بڑا واژ جنبش کی۔ وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے یقین نہ رہا ہو کہ وہ آئے سانسے ہوں۔ کتنے لمبی بیت گئے۔ ان کی محویت کو شاذول کے فون کی گھنٹی نے توڑا فون جیب سے نکالتے ہوئے وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”السلام علیکم۔“ سیکل کی آواز بہت جھمی تھی۔

”آؤ بیٹھو۔“ دونوں آئے سانسے بیٹھ گئے۔ شاذول نے نمبر دیکھ کر فون انڈینڈ نہیں کیا۔

”بعد میں کر لوں گا۔“ وہ اسے دیکھ کر ایک بار پھر مسکرایا۔

”کب آئی ہو؟“

”پوچھنا تو یہ چاہیے تھا کہ تمہیں ڈھونڈ کیسے آیا؟“ سیکل کے کٹن پیراس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”چلو یہی بتاؤ کیسے ڈھونڈ لیا مجھے؟“

”جذبے سچے ہوں اور طلب میں دیواگی شامل ہو جائے تو مطلوب مل ہی جاتا ہے تمہیں ڈھونڈنا تب تک مشکل تھا جب تک تمہارا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا فی وی پر آنے کے بعد تمہیں ڈھونڈ لینا کیا مشکل تھا؟“ اس کے لہجے میں غصہ اور ناراضی دونوں تھے شاذول کو وہ پہلے سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی تھی وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

”تم نے تو سب کو منع کر دیا تھا ہمیں تمہارا نمبر اور ایڈریس دینے سے تو اب مجھے دیکھ کر اتنے خوش کیوں ہو رہے ہو۔“ وہ چڑی آواز میں بڑا۔

”ابھی تم نے خود اعتراف کیا کہ تم مجھ سے دیواگی کی حد تک محبت کرتی ہو پھر میں خوش بھی نہ ہوں۔“

”اس سے پہلے تو تمہیں کچھ علم ہی نہیں تھا؟“ وہ کلکھلایا۔

”تو نظر کرنے کے لیے یہاں آئی ہو؟“

”مجھے بہت کچھ پوچھنا ہے تم سے فرسٹ آف آل تم یہ اس بات پر تم ناراض ہوئے کہ بغیر ایگزیمز دیے فی فرینڈ کو کھٹکت نمبر اور ایڈریس دیے یوں چلے آئے

ان کی کوئی بات بری لگی کہ تم نے ہم سب سے رابطہ توڑ لیا اب میری.....“ وہ بیک دم سنجیدہ ہوا سیکل نے چپن ہو گئی۔

”کیا واقعی میری ہی کوئی بات بری لگی تھی؟“

”نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ اس نے ٹالنا چاہا مگر

اس لیے تو نہیں آئی تھی کہ اس غلط بھی کو ختم ہی نہ کرتی ان نے دوسال کی چھٹی پیدا کر دی تھی۔

”پلیز شاذول..... مجھے بتاؤ میں تم سے ایکسکوز کر لوں گی۔“

”تم نے مجھے برتھ ڈے پر وہ مہنگے مہنگے گفٹس کیوں دیے تھے کہ میں تم سے مرعوب ہو جاؤں ہمیشہ دبا رہوں تم نے تمہاری امارت سے۔“

”کتنی غلط بات کر رہے ہو تم شاذول میں ایسا کبھی سوچ ہی نہیں سکتی۔“ سیکل کا چہرہ سرخ ہوا۔

”اور میں نے اس لیے لے لیے کہ میں تو تمہیں استعمال کر رہا تھا تمہیں بھی لگتا تھا کہ میں تمہیں استعمال کر رہا ہوں؟“ اس بار اس کا لہجہ ٹیٹھا ہوا تھا سیکل کو تو اپنا سر جھکاتا

وہ آنسوؤں سے ہورہا تھا۔

”میں نے اپنی خوشی سے تمہیں اپنے دوست کو کچھ گفٹ لیا میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم اسے اتنا ٹیٹھا پوچھی لے لیتے ہو۔“

”عازنہ نے تم سے یہی کہا تھا ناں کہ میں تم سے فائدہ اٹھا رہا ہوں؟“ شاذول نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”عازنہ نے..... اوہ تم سے سن لیا تھا؟“ اس کی آنکھیں

تو آنکھیں منہ بھی کھلا رہ گیا تھا کب کیسے؟ ان کا تو کوئی تیسرا دوست بھی وہاں موجود نہیں تھا جو شاذول کو بتا دیتا پھر یہ

کیا ہوا؟ وہ ذہن پر زور ڈال رہی تھی اور شاذول بڑے مطمئنان سے اس کا جائزہ لے رہا تھا کافی رنگ کی جینز پر جاکلیٹ براؤن شرٹ میں ملیوں بالوں کے نئے اسٹائل کے ساتھ

ہمیشہ کی طرح بہت حسین..... وہ جی بھر کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اتفاق سے اس نے بھی آف وہاں شرٹ کے ساتھ براؤن سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس حسن اتفاق پر اس کے ہونٹوں پر

ایک مدھم مسکان پھیل گئی تھی پر وہ اپنے ہی دکھ میں مبتلا تھی۔

”تم نے صرف عازنہ کی بات سنی اور سب سے ناراض ہو گئے حسان تیری دلانی اور میں.....“ وہ رکی۔

”ہم سب یا گلوں کی طرح تمہارا سراغ لگاتے رہے مگر تم نے اپنا پتا نشان کچھ بھی نہیں چھوڑا تمہیں ہمارے جذبات کا

ذرا بھی خیال نہیں آیا ہم نے کب تمہیں ہرٹ کیا تھا کہ تم ہم سب سے ہی ناراض ہو گئے۔“ اس کے لہجے میں دکھ شکوہ اور ناراضی سب ہی کچھ تھا۔

”تم سب کی بات چھوڑو اپنی بات کرو کسی اور کے جذبات میں اتنی شدت نہیں تھی کہ مجھے ڈھونڈ لیتا سوائے تمہارے۔“ اس کا لہجہ گھیر ہوا۔ سیکل کا رنگ تبدیل ہوا۔

”ہونہ..... ڈرامے باز اتنا خیال ہوتا تو ایسے کرتے میرے ساتھ؟“

”اس وقت میں بہت پریشان تھا عازنہ کی بات تیر کی طرح میرے دل میں کھب کی تھی ہمارے ایشیٹس میں اتنا

زیادہ فرق تو مجھے پہلے ہی بہت محسوس ہوتا تھا۔ میں اپنے دل کو تو تمہارے لیے دھڑکنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ پر اپنے

دماغ کے انتہاء کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا جو مجھے تمہارے اور میرے بیچ فرق کو ہر پل یاد رکھنے کو کہتا تھا۔“

”تم نے ایک ایسی چیز کو سوسل پناے رکھا جو میرے لیے ہرگز کسی اہمیت کی حامل نہیں رہتی تھی میرے لیے تم ہر شخص

اور ہر چیز سے زیادہ اہم ہو۔“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئی بولی۔

”تم نے میرے اور اپنے ان جذبات کو جو کسی اظہار کے بھی محتاج نہیں تھے اتنا بکا لیا کہ تم دور چلے جاؤ گے تو وہ سب

جذبات بھی ختم ہو جائیں گے اگر محبت سامنے بیٹھے رہنے سے ہوئی تو ہم سب مسلمان اللہ اور رسول ﷺ سے بغیر

دیکھے بھی محبت نہ کرتے۔“ اتنا بڑا اور مقدس حوالہ شاذول کچھ بول نہیں پایا۔

”محبت دیکھ بھال کر نہیں ہوتی کہ محبوب امیر ہے یا غریب یہ تو بس ہو جاتی ہے اور ہو جانے کے بعد اتنا بے بس

کر دیتی ہے کہ بندہ اپنے خیالات تک پر کنٹرول کھودتا ہے مجھے تو بس اپنی اور تمہاری محبت پر مان تھا حالانکہ تم نے مجھے

بھی اس کا یقین بھی نہیں دلا تھا۔“

”میں کیسے یقین دلاتا جب کہ خود ہی بے یقین تھا میں تمہاری آنکھوں میں وہ خواب کیسے سجا دیتا جو میں اپنی

آکھوں کو کیسے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔
 ”ان خوابوں کو کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔
 ایسے خواب اور جذبات خود بخود آکھوں میں اور دل میں بیٹے
 چلے جاتے ہیں نہ چاہنے کے باوجود روکنے کے باوجود۔“
 ”اوہ۔۔۔۔۔۔ تو اس کا مطلب ہے تم نے انہیں روکنے کی
 کوشش کی تھی؟“ شاذل نے شرارت سے پوچھا۔
 ”ہاں ظاہر ہے تم جیسے روڈ بندے سے محبت کرنے سے
 پہلے خود کو بہت دکانگر۔۔۔۔۔۔ اس نے تاسف سے سر جھٹکا۔
 ”مگر ہوئی گئی۔ اس کے لہجے سے هنوز شرارت ٹپک
 رہی تھی۔ ”اچھا اب تو میں تمہیں پروپوز کر سکتا ہوں ناں؟“
 ”پہلے بھی کر سکتے تھے۔“ سیکل نے جی بھر کر گھورا۔
 ”نہیں پہلے میں بالکل بھی اس پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ
 سنجیدہ ہوا۔
 ”ابھی بھی میں مزید کچھ عرصہ یہیں رہوں گا۔“
 ”تمہاری مرضی۔“ وہ دروازے کی طرف مڑی شاذل
 نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
 ”ناراض مت ہونا یہ حقیقت ہے کہ مالی مشکلات زندگی
 کو ناخوش گوار بناتی ہیں تم یہاں رہنا چاہو یا الگ میں رکھ
 لوں گا مگر فی الحال پاکستان نہیں جاؤں گا۔“
 ”کتنے عرصے بعد لوٹنے کا ارادہ ہے۔“
 ”کم از کم دو تین تو یہاں کی پینشنٹی لے لیں۔ اس کے
 شرارت سے کہنے پر وہ یہی طرح جھپٹنے لگی تھی۔
 * * * * *
 وہ اسے پہلے ہونٹ لے گیا پھر کھانا کھانے کے بعد وہ
 سان ڈیگو سفاری پارک چلے گئے جو بالکل پھل بارک کہلاتا
 ہے وہاں شرام میں بیٹھ کر جمیل کے گرد چکر لگایا جمیل
 تھوڑی دور ڈرانے موجود تھے اپنی لمبی لمبی گردنیں اٹھائے
 درختوں کے پتے کھا رہے تھے۔ ایک طرف لہر ڈکی جوڑی
 اپنے دو بچوں کے ساتھ کھیل میں مشغول تھی۔ ایک بڑی سی
 چٹان پر شیر کا جسم بنا ہوا تھا مگر مجھ اور مینڈک کے جسم بھی
 تھے بچے ان سے کھیل رہے تھے ان کے اوپر بیٹھے پھسلے
 ان سے لپٹے اور گرتے پڑتے کھلکھلا رہے تھے شاذل
 مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہا تھا آنکھیں مستقبل کے خوش
 آئندہ خواب سچا رہی تھیں کہ سیکل نے چونکا لیا۔
 ”اب چلیں مجھے لاس انجلس واپس جانا ہے۔“

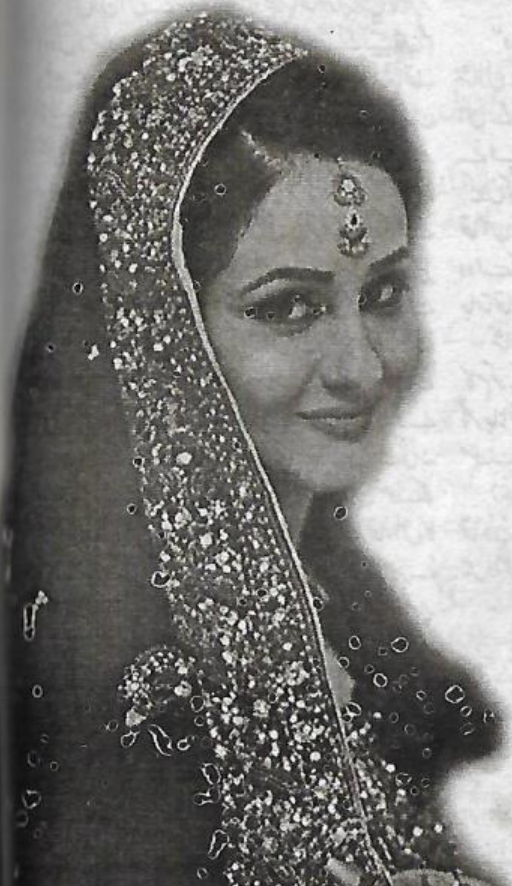
”ایک گھنٹے کی تو فلاحیت ہے رک جاؤ ابھی۔“ شاذل
 نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔
 ”نہیں میں نے بھائی سے جلد واپسی کا وعدہ کیا تھا۔“
 ”اوکے۔“ وہ اسے ساتھ لے کر باہر آ گیا نہ مضمون پر
 نہ مزید رہنے پر اصرار ماموں اور مائی نے اسے کچھ چیزیں
 گفت کی تھیں شاذل اسے ایئر پورٹ چھوڑنے آیا تو اسے
 سے ایک خوب صورت کپے لے کر اسے تھمایا۔
 ”بہت جلد ماموں آئیں گے تمہارے بھائی سے ہمارے
 کرنے۔“
 ”مام اور ڈیڈ سے بات کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔“
 ”ہاں وہاں ای ابو جاویں گے پہلے تم تو وہاں
 جاؤں۔“
 ”بڑی جلدی ہے مجھے یہاں سے بھیجے کی۔“ معصومی
 خٹکی سے بولی۔
 ”جاؤں گی تو ہی یہاں آؤں گی ناں۔ اس کے گھر سے
 لپچے آنکھوں سے جھلکتے جذبات نے سیکل کو کلیں چھو کاٹے
 پر مجبور کر دیا تھا۔
 * * * * *
 عازرہ ساحل سمندر پر موجود ایک چٹان پر کھڑی دور دور
 لہروں پر نظریں جمائے سوچوں میں ایسی گم تھی کہ اور کوئی خبر
 ہی نہیں تھی کیا کیا نہ یاد آ رہا تھا کچھ خوش کن باتیں کچھ
 یادیں وہ دل کا اچڑنا اور گھر کا بسنا کل ہی وانیہ نے اسے
 ”خوشخبری“ سنائی تھی کہ سیکل کو بلا کر شاذل بل ہی گیا وہ جو
 اپنی زندگی میں کم ہو کر اسے بھلانے کی کوشش میں بڑی حد
 تک کامیاب ہو چکی تھی کہ وانیہ نے پھر سے بے کل کر دیا
 تھا۔ وہ بھی کسی سے یہ بات شید نہیں کر پائی کہ بونیڈر کی
 دوسری بہت سی لڑکیوں کی طرح وہ بھی شاذل کی محبت میں
 گرفتار تھی اسے بھی وہ بہت پسند تھا بلکہ پسندیدگی تو بہت چھوٹی
 لفظ تھا وہ اس کی محبت میں جلتا ہو چکی تھی پھر اس پر انکشاف
 ہوا کہ سیکل بھی شاذل کی محبت میں بہت آگے جا چکی ہے اور
 ناقابل یقین بات یہ کہ شاذل جو کسی لڑکی کو تو جہ کے لائق ہی
 نہیں سمجھتا تھا وہ بھی سیکل کے لیے خاص جذبات رکھتا ہے
 عازرہ کے دل کو بڑی تھیں پہنچی تھی۔ وہ دونوں ہی اس کے
 دوست تھے دونوں کے لیے وہ کچھ بھی برا نہیں سوچ سکتی تھی
 پر دل پر اس کا کچھ اختیار نہیں رہا تھا۔ اس نے شاذل کو اس

اختانات میں شان دار کامیابی پر لپ ٹاپ گفٹ کرنا
 ہاں مگر اس نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ اس کا دل کس بری
 طرح ٹوٹا شاذل کو پروا نہیں تھی اپنی سالگرہ پر اس نے سیکل
 لے دیے ہوئے تھے نہ صرف قبول کر لیے بلکہ انہیں استعمال
 میں بھی لے گیا تھا۔ ذلت کے احساس نے اس سے وہ کام
 لے لیا جو وہ ویسے کبھی بھی نہ کرتی اس نے آہستہ آہستہ سیکل
 لے کر ان کے گھر پر شروع کر دیے تھے۔ سیکل اس کی باتوں پر
 ہنس رہی تھیں وہ جتنی بھی مگر عازرہ اس اصول پر چلتے ہوئے کہ
 پتھر پر بھی پانی کرتا رہے تو سوراخ کر دیتا ہے تو سیکل تو پھر
 انسان ہے کب تک یقین نہیں کرے گی جو اس کا نہیں ہوا وہ
 سیکل کا بھی نہیں ہونے دے گی۔ احساس تو بہن وانقام نے
 اس کے سارے مثبت خیالات کو ملامت کر دیا تھا۔
 اس دن اس نے شاذل کا تاد کچھ لیا تھا اور انارخ پھر کر
 وہ دل کو چیر دینے والے الفاظ کہے تھے اور ان کے نتیجے میں غم
 و غصے میں جلتا شاذل کو بلتے اور پھر باہر جاتے بھی دیکھ لیا تھا۔
 پہلی بار اندر جاتی آگ پر چند جھینے پڑے تھے پر تو گمان
 بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا مشتعل ہو جائے گا کہ سمسٹر چھوڑ اور
 پونیڈر کی چھوڑ کر بلکہ ملک ہی چھوڑ کر امریکہ جا لے گا بغیر اپنا
 کوئی اتنا پتہ دینے سیکل کی بے چینی دے فراری دیکھ کر اسے
 غلش سی ہونے لگی تھی وہ تو سوچ بچ دیوانی ہی ہوئی تھی ہر چیز
 سے بے نیاز، ہر شے پر دسترس رکھتے ہوئے بھی سب سے
 لاپرواہ عازرہ کو اپنے کئے پر پچھتاؤں نے گھیر لیا تھا ایک
 دوست یوں بے حال ہوئی تھی اور دوسرا دوست آنکھوں سے
 ہی اونچھل ہو گیا تھا جب نظر نہیں آیا تو دل اسے دیکھنے کو بے
 قرار رہنے لگا۔ اس کے لیے تو بے لگا جسے اس کی محبت کی نہ
 طلب تھی نقد پر۔ چھ ماہ اس کی شادی اپنے کزن شعور کے
 ساتھ ہو چکی تھی۔ شعور اس سے بہت محبت کرتا تھا، اس کا
 بہت خیال بھی رکھتا تھا وہ اس کی محبت میں کھو کر دھیرے
 دھیرے شاذل کو بھلا ہی رہی تھی کہ وانیہ نے دل کے زخم پر
 لگے کھر ٹونوچ دینے وہ زخم پھر سے رسنے لگا تھا بے چینی و
 بے قراری اسے کسی کل چپن نہیں لینے دے رہی تھیں۔ تو
 شاذل سیکل کو بل گیا اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا وہ لکھ نہ
 غلش جو اسے سیکل کو پریشان و مضطرب دیکھ کر ہوئی تھی وہ تو
 ختم ہو جانی چاہیے تھی۔ پھر یہ اضطراب کیوں۔۔۔۔۔۔ یہ کیسی بے
 چینی ہے؟

”عازرہ۔۔۔۔۔۔ عازرہ ڈارلنگ کہاں کھوئی ہوئی ہے؟“ شعور
 کی قریب سے آنے والی آواز نے اسے گہری سوچوں سے
 نکالا تھا۔
 ”جی؟“
 ”ہاں میں اکیلا کیا خاک انجوائے کروں تم تو کب سے
 یوں ہی کھڑی ہو۔“ وہ ناراضی سے بولا۔ عازرہ شرمندہ
 ہوئی۔
 ”سوسری چلیں دونوں ساتھ چلتے ہیں۔ مل کر انجوائے
 کرتے ہیں۔“ وہ مسکراتی تو وہ بھی مسکرا دیا اس کا ہاتھ تھام کر
 ساحل پر چلتے ہوئے وہ خود کو سمجھا رہی تھی کہ اس کے دونوں
 دوستوں کا مل جانا اس کے لیے بھی باعث خوشی ہے آج جو
 بے چینی ہے نہ کھل نہیں رہے گی۔
 * * * * *
 ”وہ تو عازرہ نے کہا تھا۔“ سیکل کی آواز ہوا کے دوش پر
 شاذل کے کانوں سے ٹکرانی اور ایک استہزاء مسکراہٹ نے
 اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔ شاذل کو سیکل کیا بتانی اس
 نے اپنے کانوں سے سنا تھا اور وہ جانتا تھا کہ عازرہ نے یہ
 کیوں کہا تھا وہ عازرہ کی خود میں دلچسپی بھابھ کر ہی پیچھے ہٹا
 تھا اس نے اس کے ختمے بھی اسی لیے قبول نہیں کیے تھے کہ
 وہ اسے آگے نہیں بڑھنے دینا چاہتا تھا وہ خود پر کٹر ول کرنا
 جانتا تھا سیکل کی محبت میں گرفتار تھا۔
 شاذل مزید کچھ سال امریکہ میں ہی رہنا چاہتا تھا تاکہ
 کام کر کے اتنے پیسے جمع کر لے کہ وہاں اپنا ہونٹ لے سکے
 پھر جانا تو اپنے پاک وطن ہی تھا جہاں وہ اور سیکل ایک خوب
 صورت زندگی کا آغاز کرتے ان شاء اللہ۔
 زندگی کی شاہراہ پر خوشیوں کے پھول کھلنے کا موسم آ رہا
 تھا وہ بے امید تھا امید اور خوشی سے مسکراتے ہوئے وہ ہونٹوں
 میں داخل ہوا تھا۔
 * * * * *

آخی اسٹیشن ریحانہ آفتاب

جو آسمان پر ہمیشہ رہا ہے آج اسے
ہمیں بتانا ہے اک جگہ زمین بھی ہے
انا پرست ہے وہ جانتے ہیں ہم لیکن
وہ خود بلائے گا اس بات کا یقین بھی ہے



”نفس احمد! میں تنگ آ گئی ہوں تمہاری بوڑھی ماں کی خدمت کرتے ہوئے..... میں پوچھتی ہوں تم چھ ماہ بھائیوں میں ایک تم ہی جنت کمانے کو کیوں تلے ہو..... تمہاری ساری بہنیں اور بھابھیاں عیش کر رہی ہیں اور ایک میں ہوں جس کے ذمے ساس سر کی خدمت کرنا لکھ دیا گیا ہے۔ بقول ان بڑھوں کے کولنے بیٹے سے زیادہ محبت ہے اس لیے ساتھ رہتے ہیں..... جب جائیداد میں بٹوارے کا وقت تمہارے مرنوم باپ کے دور میں آیا تب سب کو کیوں برابر حصہ دیا گیا۔ اس وقت چھوٹے بیٹے کی محبت کہاں جا رہی تھی؟“ سدرہ چیزوں کی اٹھانچ کرنے کے ساتھ اپنی بیچ خراج بھی خوب لٹا رہی تھیں۔ نفس احمد سر ہٹائے سننے پر مجبور تھے کہ کچھ کہنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہوتا۔

”سب کے بچے بڑے ہو گئے۔ سب شتر بے مہار کی طرح رہتے ہیں۔ میرے تو بچے بھی چھوٹے ہیں اس پر سب اماں بی سے ملنے کے بہانے باری باری آتے رہتے ہیں اور بھی گٹھ جوڑ کے بہانے ساتھ ہمارے سروں پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور مجھ اکیلی کو ان سب کی خاطر مدد کرتی پڑتی ہے۔“ کچن کی سنک پر پتیلی تقریباً پھینکتے ہوئے اپنے غصہ کا اظہار کیا۔

”کیا کر رہی ہو.....؟“ زوردار آواز پر نفس احمد ڈر کے منمنائے سدرہ نے ایک قہر برساتی نظر ڈالی تو نفس احمد کے شانے ڈھیلے ہو گئے۔

”کچھ نہیں کر رہی..... لو خود دھولو برتن۔“ برتنوں کے ڈھیر کو ایک طرف کر کے ہاتھ باندھ کے لالعلقی کا مظاہرہ کیا۔

”ٹھیک ہے مت دھو..... صبح ماسی دھولے گی۔ تم پال کے آرام کرو۔“ نفس احمد بری طرح زن مریدی میں جھٹلا ہو کر فوراً حل پیش کیا..... سدرہ نے اس پر بھی کیچے چتونوں سے گھورتا اپنا فرض اولین سمجھا۔

”اور برتن دھونے کے بعد وہ جو ایکسٹرا پیسے مانگے

گی وہ کس کی جیب سے جائیں گے؟“

”میں دے دوں گا..... سو دو سو ہی لے گی ناں۔“ ان کے جواب پر سدرہ نے ایک نظر بکھرے کچن کو دیکھا اور سر جھٹک کے چائے کے کپ میں چینی کس کرنے لگی۔

”میں کہتے دیتی ہوں نفس احمد! اب سے اپنے تمام بہن بھائی کو بولو۔ سب باری باری اماں بی کو اپنے ساتھ رکھیں..... مجھ اکیلی سے اب یہ ذمہ داری نہیں اٹھائی جاتی۔“ چائے کا کپ اٹھانے کا اشارہ کرتی سدرہ کچن سے نکل کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ چائے کا کپ اٹھاتے نفس احمد پیچھے چل دیے۔

اور اماں بی جن کی شان بڑھانے کے لیے یہ طوفان بدتمیزی مچایا گیا تھا۔ دیوار سے لگ کر سفید آئینے سے آنسو چھانے لگیں..... عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہو گئی تھی۔ شوہر کی حیاتی میں مضبوط سائباں کے ہوتے انہیں کبھی عمر کی فکر نہیں ہوئی تھی مگر مہر پان خود دار شوہر کے جانے کے بعد سے ہر گزرتا دن انہیں مزید نڈھال کر جاتا تھا۔ جب تک زمین جائیداد کے بٹوارے کا لالچ تھا سب کے منہ بند اور سر جھٹک رہتے تھے۔

اباجی ذہن دنیا شناس آدمی تھے۔ تب ہی عمر رسیدہ ہونے کے باوجود شان سے زندگی گزر گئے تھے۔ وصیت میں انہوں نے زوجہ کے نام بھی کافی کچھ چھوڑا تھا مگر اماں بی کو پیسے گہنوں سے ابھرنے رہتی تھی۔ بعد اصرار اپنے نام یہ موجود تمام چیزیں بچوں کے نام کروادی تھیں لیکن اباجی کی موت کے بعد ان پر آشکار ہونے لگا کہ وہ خالی ہاتھ ہیں سوان کی حیثیت کسی خالی ڈبے کے مترادف تھی۔

اماں بی چھوٹے بیٹے نفس کے ساتھ رہتی تھیں۔ اسی گھر میں بیاہ کر آئی تھیں یہیں سب کی شادیاں ہوئی تھیں۔ نفس احمد چونکہ چھوٹے تھے اس لیے یہ گھر ان کے حصے میں آیا تھا۔ ایک بیٹی دوسرے شہر میں رہتی تھی تو دوا سی شہر میں..... ایک بیٹا ملک سے باہر تھا تو دوسرا بھی چند گھنٹوں کے فاصلے پر رہائش پذیر تھا۔ جب بھی اماں

بی کی محبت کا اہل امتحان تو کبھی اکیلے اور کبھی عید تہواروں پر اماں بی کے نام پر سب اکٹھے ہو جاتے تھے۔ جیسے رات ہی سب کی آمد ہوئی تھی اور سب ڈنر کر کے جا چکے تھے۔ اور پیچھے سدرہ ان سب کی شان میں قصیدہ گوئی میں مصروف تھی۔

بھرا گھر اور کچن نفیس احمد کو کافی دیر تک چڑھی بیوی کی ٹانگیں دبائے پر مجبور کرتا رہا۔

☆.....☆.....☆

صبح سدرہ انھیں تو چچھاتا کچن جگہ پر موجود کرا کر ہی ظاہر کر رہی تھی کہ اماں نے ان کا احساس کیا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی کراتی تھیں مگر سدرہ بجائے نفیس احمد کے کانوں کو ہوا لگانے کے اپنی محنت و خدمت کا ذمہ بڑھا چڑھا کر بیٹتی رہتی تھیں۔ اماں بی کی موجودگی سے بے زار وہ بھول جاتی تھی کہ ان کی موجودگی سے اسے کتنی ڈھارس رہتی تھی۔ سالہا سال بچوں کی پیدائش پر وہی تو تھیں جو اسے پلنگ سے اترتے نہیں دیتی تھیں..... بازار سہیلیوں کے گھر جانے یا لٹ ٹاٹ دعوت پر بچے آرام سے دادی کے پاس سو جاتے تھے اور وہ بے فکری سے مزے کر کے لوٹی تو بچوں کو مضامین سوتے دیکھ کر ایک نظر ڈال کر ”پاپے میرا بچہ کس یو“ بول کر دور اپنی ذمہ داری پورا کرتی تھی۔

”ابھی اٹھا کر نالے جاؤ نیند خراب ہو جائے گی۔“ اماں بی نرمی سے کہتیں تو وہ سر ہلا کر ٹک ٹک کرتی چلی جاتی تھی۔ انہیں اچھائی دیکھنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ وہ بس برائی کا رونا ڈالنے والوں میں سے تھی۔

اور یہ سدرہ کی یاد دہانی ہی تھی جو نفیس احمد آس سے باری باری تمام بہن بھائی کو فون کر کے مدعا بیان کرنے لگے اور سب کے عذر رسن بن کر انہیں بھی سدرہ کا غصہ بجا لگ رہا تھا۔ وہ سب واقعی ویسے تھے جیسا سدرہ انہیں پیش کرتی تھیں۔ آخر میں انہوں نے سب سے چھوٹی بہن صائمہ کو فون کیا اور ان کا مدعا سن کر صائمہ چند ٹاپے کو چپ رہ گئی تھی۔

”اماں بی کو اپنے ساتھ رکھوں ان کی خدمت میں یہ میرے لیے خوش نصیبی کی بات ہے لیکن بھائی آپ جانتے ہیں میں جو انجمن خیراتی میں رہتی ہوں ساس سسر پور جگہ دیواری، جھاننی ان سب کے کس طرح اماں بی کو اپنے پاس رکھوں..... آپ ہر شام آپا سے بات کریں ناں وہ دونوں تو الگ رہتی ہیں خرم اور رمیز بھائی بھی تو ہیں۔“ صائمہ کی آواز کچھ ہٹ آ گئی تھی۔ اس کے ساتھ بیڈ پر موجود دریا اور حسان کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔ اس کے نو عمر جو بچے بنے اس کے ساتھ کیم کھیل رہے تھے۔

”تم سب کے ہی سو مسائل ہیں..... کسی کا گھر ہے تو کسی کی جاب کی مصروفیت۔ رہے دونوں بھائی ان کی بیویاں بوڑھی ساس کی خدمت کرنے کو نہیں..... تم سب اپنی اپنی جگہ عیش کرو کیا اماں بی مصروف میری اور میری بیوی کی ذمہ داری ہیں ہم نے ان کی خدمت کا ٹھیکہ لے رکھا ہے، تم لوگ اپنی جنت کے کچھ نہیں کر سکتے؟ ہم ہی خوار ہو کر تم سب کی دعوتیں کرتے رہیں؟“ نفیس احمد سدرہ کی زبان بول رہے تھے اور کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہے تھے لیکن صائمہ ہکا بکا رہ گئی..... فون سے آئی ماموں کی دھاڑ پر ریحان اور حسان ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

”ٹھیک ہے آخری بار سب کو انعام کروں گا..... کوئی اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو ٹھیک ورنہ میں اماں بی کو ادارے کے حوالے کر دوں گا..... بات ختم..... نفیس احمد حقیقی انداز میں کہہ کر فون بند کر چکے تھے صائمہ کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ اس کا دل بھرا آیا تو رونے بیٹھ گئی۔ کس سفاکی سے نفیس احمد اپنی ماں کو ادارے کے حوالے کرنے کی بات کر گئے تھے۔ ریحان اور حسان ماں کو چپ کروانے کی کوشش کر رہے تھے۔

”کیا ہوا.....؟“ عرفان کمرے میں داخل ہوئے صائمہ کو بری طرح روتے دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے بیٹوں سے استفسار کرنے لگے۔ ریحان اور حسان

”اماں بی کال کا لب لباب بتا دیا۔ عرفان انفسوس..... نہایت انفسوس کا مقام ہے جس کے تین بیٹوں اور عورت فرسٹ میں رہے گی..... نفیس بھائی آگے آگے ہوں گے۔ ظاہری بات ہے..... شروع.....“

”اماں بیوں میاں بیوی نے تمہارے والدین کو ساتھ لے لیا..... باقی کے دونوں بیٹوں کو بھی تو احساس کرنا.....“

”عرفان..... کیا یہ ممکن ہے کہ اماں بی کو ہم اپنے ساتھ.....“ صائمہ نے بہت آس سے سوال کیا۔ مگر اس کا دل اٹل ہونے سے پہلے ہی بات کاٹ کر عرفان نے در انداز میں نفی کرنے کے ساتھ اس خیال کو رد کر دیا۔

”پاکل ہو گئی ہو صائمہ..... میرا پورا کنبہ میرے ساتھ رہے۔ ایسے میں اماں بی کی گنجائش کہاں سے نکلے گی۔“

”باری دونوں ہمیشہ بھی تو ہیں جو اکیلی رہتی ہیں ساس ریلیوں کے جھنجھٹ سے دور..... انہیں کہو وہ.....“ وہ بھی بیٹیاں ہیں ان کی۔“ عرفان سر جھٹک لے چلے گئے۔ صائمہ کے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔

☆.....☆.....☆

اس ڈر سے کہ کہیں نفیس احمد واقعی اماں بی کو کسی ادارے میں نا چھوڑ آئیں..... صائمہ نے باری باری دونوں بہنوں اور بھائیوں کو فون کیا۔ بڑے بھائی کو ملک سے باہر ہونے کا بہانہ ملا ہوا تھا تو باقی سب بھی اپنی اپنی ذمہ داری کا رونا رورہے تھے۔

عید الاضحیٰ پر یوں بھی سب کو اکٹھا ہونا تھا۔ اس بار نفیس احمد نے خاص طور پر بلاوا بھیجنا تھا کہ سب اس مسئلے کا حل سوچ کر آئیں۔ وہ دن بدین سدرہ کی باتوں سے تنگ آ گئے تھے تو دوسری طرف اماں بی اس حد سے بستر سے جاگتی تھیں..... جس پر سدرہ ان کی خدمت کرنی مزید بھجھانے لگیں۔ گوکہ اماں بی کی ہی زحمت دیتی تھیں۔ اس حال میں خود چل پھر رہی تھیں مگر اس کا

بہ اثر ہوا کہ عین عید کے دن چکر کر جو گریں تو ماتھا پھوٹ گیا۔

”عین سے بستر پر لیٹی نہیں رہ سکتیں آپ..... سر پھوڑ کر سارے بیٹوں بیٹوں اور بہوؤں سے مجھے باتیں سنوانا چاہتی ہیں۔ سب تو منہ بھر مجھے خیال رکھنے کی تاکید کرنے آ جائیں گے..... لے جانے کی بات پہ سب کے منہ کو ایسے تالے لگے ہیں کہ سب جو عید کے دوسرے دن نکلے کوئی کباب اڑانے ہر سال آتے تھے اس بار جیسے بھانے کر رہے تھے تاکہ فیصلے میں تا بیٹھ سکیں..... سو کام پڑے ہیں..... میں کبھی بھونوں یا آپ کی مرہم پٹی کروں.....؟“ انہیں گوشت دینے آئے ریحان اور حسان اپنی اپنی جگہ جم سے گئے تھے۔ سدرہ کی تمام باتیں انہیں جھبی تھیں تو وہیں اماں بی کا سہا انداز ان کا دل چیر گیا تھا۔

”لیں آگئے آپ کی عزیز بیٹی کے جانشین، جس بیٹی کے قصے سنائی آپ کھٹکتی نہیں ہیں اسے بھی بس چند کلو گوشت کی تھیلی بھجوانا پاد رہتا ہے۔“ منہ سر سے کہہ کر سدرہ غوت سے منہ ہٹائی اٹھنے لگی۔ اماں بی کے چہرے پہ ایک کرب پھیل گیا تھا۔

ریحان اور حسان نے ایک دوسرے کو دیکھا اور جیسے نظروں ہی نظروں میں دونوں نے کچھ طے کر لیا تھا۔

”امی جان نے یہ گوشت بھیجا ہے مامی اور ہم نا نو کو ساتھ لے جانے آئے ہیں..... اب سے نا نو ہمارے ساتھ رہیں گی۔“ ریحان اور حسان کی بات پر سدرہ دنگ رہ گئی تو دوسری طرف اماں بی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ریحان اور حسان انہیں اٹھانے کو آگے بڑھے تو انہوں نے آنسو بہاتے نفی میں سر ہلا کر بیٹی کے سرال جانے سے معذرت کر لی۔

”نا نو آپ بیٹی کے سرال نہیں، نو اسوں کے گھر جارہی ہیں۔“ ریحان کے مان بھرے لہجے اور حسان کے ہاتھ کا دباؤ اپنے نحیف ہاتھ پر محسوس کر کے اماں بی مزید کچھ نہ کہہ سکیں۔

”اماں.....“ گوشت کے درمیان گھری سب کے لیے حصہ بناتی صائمہ دونوں بیٹوں کے سہارے اماں بی کو آتے دیکھ کر حیرت سے اٹھیں۔

”یہ.....!“ عرفان کے تحیر بھرے لب و لہجے نے صائمہ کے دھڑکنے والے قدموں کو روک دیا تھا۔

”ہم نانوں کو ساتھ لے آئے ہیں پاپا..... اب یہ ہمارے ساتھ رہیں گی اور امی جان اپنی اماں بی کی خدمت کریں گی۔“ حسان نے بڑے ہونے کے ناتے فضلے سے آگاہ کیا۔ صائمہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عرفان کی آنکھیں رنگ بدل رہی تھیں تو سارے سسرال کی آمد پر صائمہ کے قدم لٹکھڑانے لگے تھے۔

اماں بی بے بسی بے کسی کی تصویر بنی دونوں نواسوں کے سہارے بے شکل کھڑی تھیں۔ جس کا احساس کرتے دونوں نے انہیں نزدیکی صوفے پر بٹھا دیا تھا۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے حسان؟“ عرفان دے لہجے میں غرائے پھر سخت نظروں سے صائمہ کی طرف دیکھنے لگے کہ شاید اس کے اشارے پہ یہ عمل ہوا ہو۔

صائمہ ان کی غشی نظروں سے خائف ہو کر اپنی جگہ سست سی گئی۔ شوہر کی نظروں نے اتنا چور سا کر دیا کہ چند قدموں پر دور اماں بی کو گلے بھی نا لگا سکی۔

”یہ خناس تمہاری ماں نے بھرا ہے ناں تم لوگوں کے دماغ میں؟“ عرفان نے سب کی نظریں خود پر محسوس کر کے بیٹوں سے سوال کیا۔ انہیں لگا ان کے منع کرنے کے باوجود صائمہ نے بیٹوں کو آگے کیا ہے۔

”نہیں پاپا..... ہم نے خود فیصلہ کیا ہے۔“ حسان نے جی داری دکھائی۔

”تم دونوں اتنے بڑے کب سے ہو گئے کہ فیصلہ کرنے لگو؟ اس گھر میں میری چلتی ہے اور کون سی عورت بیٹی کے سسرال میں رہتی ہے۔“ نائلہ بیگم عرفان کی والدہ محترمہ پوتے کی خبر لینے لگیں۔

”دادی جان میری عمر سولہ سال ہو گئی ہے۔“

چودہ سال کا ہے..... یعنی سترہ اٹھارہ سال سے ہمارا امی جان آپ لوگوں کی خدمت کر رہی ہیں کیونکہ.....

امی جان کے شوہر کی والدہ ہیں..... تو جب میری امی جان آپ کی خدمت کر سکتی ہیں جب کہ آپ کا ان..... کوئی خون کا رشتہ نہیں تو وہ اپنی سگی ماں کی خدمت کیوں نہیں کر سکتیں..... کہاں لکھا ہے کہ شادی کے بعد سسرالیوں یا محروموں کی خدمت میں الجھ کر بیٹی اپنے سسرال والین کی خدمت نہیں کر سکتی۔“ حسان کی ذہانت سے پُر آنکھیں سوال کر رہی تھیں۔ سب ایک لمحے کو دنگ رہ گئے۔

”حسان..... تم بدتمیزی کر رہے ہو..... یہ دستور دنیا ہے کہ لڑکی کو سسرالیوں کے ساتھ رہ کر ان کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔“ عرفان اپنے غصے پر کٹرول کرتے ہوئے۔ ورنہ اس لمحے تک شاید حسان ایک آدھ پھٹ کر کھانچا ہوتا۔

”بے شک یہ دستور دنیا ہے پاپا..... لیکن پیچھے رہنے والے والدین کو جب بچوں کی ضرورت ہو تب انہیں لاوارثوں کی طرح چھوڑ دینا کیا یہ مناسب ہے؟“ کم عمر ریحان نے سوال کیا۔

اماں بی کے آنسو بہہ رہے تھے تو صائمہ ماں کی تذلیل پر سسک رہی تھی۔ جب کہ دونوں بیٹے مقدمہ لڑ رہے تھے۔ فیصلہ جانے کس کے حق میں ہونا تھا لیکن یوں اٹنے لوگوں کی ترحم بھری نظریں اماں بی پر اٹھ کر کٹا ہر کر گئی تھیں کہ انسانیت ہار گئی تھی۔

”اللہ آپ کو حیاتی دے پاپا۔ آپ کے مرنے کے بعد امی جان کہاں رہیں گی..... یہاں..... نا محروموں کے بیچ؟ نہیں ناں یقیناً ہم دونوں بیٹوں کے پاس رہیں گی لیکن فرض کریں آپ کے مرنے کے بعد میں امی جان کو بوجھ محسوس کرتے گھر سے نکل جانے کا کہہ دوں تو آپ کو اچھا لگے گا کہ آپ کے بعد آپ کی بیوی کا کوئی ٹھکانا نہیں۔“

”تم لوگ ایسا کس طرح کرو گے.....؟ ماں ہے نہاری۔“ عرفان غرائے۔

”اماں بی بھی تو آپ کی بیوی کی ماں ہیں..... پھر آپ کو میرے سوال پر غصہ کیوں آ رہا ہے.....؟“ حسان نے سوال پر عرفان ایک لمحے کو جواب ہو گئے۔

”بڑھاپا زندگی کا آخری اسٹیشن ہے پاپا..... اس اسٹیشن پر پیچھے چھوٹ جانے والی اور آگے نکل جانے والی گاڑیوں کا بہت شور ہوتا ہے..... ہم ان آوازوں کو قید نہیں کر سکتے، مگر انہیں خوش گوار ضرور بنا سکتے ہیں۔“ ریحان کے مدبرانہ انداز پر سب ہی کے منہ بند ہو گئے تھے کہ شاید سب کو احساس ہونے لگا تھا کہ یہ آخری اسٹیشن ان کا بھی ٹھکانہ بنے گا جلد یا بدیر۔

”اگر آپ کو پھر بھی ہمارے فیصلے پر اعتراض ہے تو پلیز چند دن برداشت کر لیں ہم دونوں نانوں کو لے کر کہیں اور چلے جائیں گے لیکن آج آپ کے کہنے پر اگر ہم بے حسی کا سبق پڑھ کر پیچھے ہٹ گئے تو کل کو ہماری امی جان بھی اس آخری اسٹیشن پر اکیلے بے یار و مددگار کھڑی رہیں گی اور آپ بھی ہمیں شرم نہیں دلا سکیں گے۔“ حسان اور ریحان کی مفصل باتوں کے بعد غالباً کسی کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ صائمہ جو شوہر کے ہوتے بھی سسرالیوں کے سامنے قدم ہٹا کر کھڑی نا ہو سکی تھی آج نو عمر بیٹوں کے کندھوں کا احساس اسے اتنا مضبوط کر گیا کہ عرفان کے کہنے سے پہلے وہ اٹھ کر اماں بی تک گئی اور پھر بیٹوں نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا تھا۔

ہاں یہ ہے کہ چند دن بعد حاجی کے دیرینہ وکیل دوست اماں بی کو ڈھونڈنے ان تک آئے اور ایک لفافہ تنہا گئے تھے۔

ان کے خود دار شوہر نے بیوی کے منع کرنے کے باوجود ایک دکان ان کے نام لے رکھی تھی۔ جو کرائے پر چڑھی ہوئی تھیں جس کا کرایہ ہر ماہ ان کے دیرینہ وکیل دوست اکاؤنٹ میں جمع کر رہے تھے۔ اس نصیحت کے ساتھ کہ جب اماں بی کا کوئی والی وارث نا ہو تو انہیں

سوئپ دیا جائے۔

وہی بیٹیاں جو کل تک ملنے سے پہلو تہی کر رہے تھے جائیداد کا سنتے ہی ان کی محبت اٹھنے لگی اور وہ بھگم بھاگ ملنے آئے لگے۔

لیکن صاف لکھا تھا کہ زور زبردستی یا محبت سے خود بھی اماں بی کسی بیٹے کے نام نہیں کر سکتیں ایسا کرنے کی صورت میں اس کا حق وارثیت خالی ہو کر ٹھہرایا گیا تھا۔

عرفان کو بھی یہ بات سمجھا گئی تھی کہ جب صائمہ ان کی محبت میں ان کی پہلی کی خدمت برسوں سے کرتی رہی ہے تو اپنی سگی ماں کی کیوں نہیں..... وہ ایک بیٹی کو اس کار خیر سے دور رکھ کر گناہ گار ہوتے۔ انہوں نے ایک کمرہ اماں بی کے لیے بطور خاص بنا کر بیٹا ہونے کا ثبوت دیا۔

صائمہ بھی مطمئن تھی کہ ہر وقت ماں کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ بھائی کے طعنوں، تشوؤں پہ ماں کے لیے دل مجروح ہوتا تھا۔ آج وہ اس کے پاس تھیں۔ وہ اپنے دونوں ہیر وزکی بے حد شکر گزار تھی جس نے اس کے لیے کف افسوس کا مقام نہیں آنے دیا بلکہ وہ خدمت کر کے اپنی جنت کماسی تھی۔

اماں بی بھی اب مطمئن ہو گئی تھیں۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عموں کی گاڑی آخری اسٹیشن سے باعزت گزرے گی۔



جنون عشق تک

سمیرا شریف طور

آخری حصہ

تمہارے ساتھ ہی موسم بھی رخ بدلنے لگے
ہوا تھی ہے تو بارش کے تیر چلنے لگے
رہ حیات میں یوں تم نے میرا ساتھ دیا
کہ جیسے چاند مسافر کے ساتھ چلنے لگے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

امان بی فائقہ کے ہمراہ ماہ آرا کی عبادت کو آتی ہیں ماہ آرا
انہیں پہچان نہیں پاتی۔ امان بھی ماضی کو یاد کرتی ماہ آرا کے حال
کا اندرہ ہو جاتی ہیں۔ فائقہ ماہ آرا کو معاف کر دیتی ہیں۔
شہرینہ کارویہ شیر آگن کے ساتھ روز اول جیسا ہی ہوتا ہے اس کا
دل ابھی تک شیر آگن کے لیے محبت جیسے احساسات سے
عاری ہی رہتا ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹر ماہ آرا کو جواب دے
دیتے ہیں۔ شیر آگن اور شہرینہ علاج کے لیے ماہ آرا کو ملک
سے باہر لے جانا چاہتے ہیں مگر ڈاکٹر زان کی اس بات پر انہیں
خاطر خواہ جواب نہیں دیتے جس سے دونوں مایوس ہو جاتے
ہیں۔ شہرینہ گھر آ جاتی ہے اور دل بہلانے کے لیے دوستوں
سے بات کرتی ہے۔ بابا صاحب عثمان فاروق سے شہرینہ کی
رخصتی کی بات کرتے ہیں مگر عثمان فاروق ابھی شہرینہ کی رخصتی
نہیں چاہتے اس لیے وہ یہ بات شہرینہ پر رکھ دیتے ہیں جس
پر بابا صاحب شہرینہ کو سمجھانے کا کہتے ہیں شہرینہ تمام باتیں
سن لیتی ہے تب آگن شہرینہ کو اسپتال ڈراپ کرنی کی بات
کر تا اسے غصہ دلا جاتا ہے۔ حسن آرا جیل میں ہوتی ہے۔
عثمان فاروق کوڑھوتا ہے کہ کہیں وہ جیل سے رہا ہو کر شہرینہ کو
نقصان نہ پہنچا دے اس لیے وہ سکیورٹی کے سخت انتظامات کر
دیتے ہیں۔ شیر آگن فائقہ کو فون پر ماہ آرا کی طبیعت کے
بارے میں بتاتا ہے تب وہ شیر آگن سے پیسوں کی فکر نہ کرنے
اور علاج بہتر کرانے کی بات کرتی ہے۔ عثمان فاروق بھی ماہ آرا
کی طبیعت پوچھتے فائقہ کو حیران کر جاتے ہیں فائقہ انہیں
اسپتال جا کر ماہ آرا سے ملنے کا مشورہ دیتی ہیں۔ عثمان فاروق
ماہ آرا سے ملنے اسپتال پہنچ جاتے ہیں۔ ماہ آرا عثمان فاروق کو
پہچان جاتی ہے اور ان سے معافی مانگتی ہے۔ عثمان فاروق اس
کی حالت دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ ماہ آرا ان کے سامنے
ماضی کی تمام غلطیاں اور فائقہ پر لگائے گئے الزام بھی قبول لیتی
ہیں۔ شہرینہ کالج میں ہوتی ہے جب اس کے موبائل پر ماہ آرا
کی موت کی خبر آتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❖.....❖

وہ رات کے بارہ بجے وہاں پہنچی تھی۔ فرح بابا صاحب
کے ساتھ اسے لینے آئی تھی۔ وہ شہرینہ کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔
”رینلی.....! تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی
ہے۔“ وہ مسکرائی۔

وہ لوگ رات گئے گاؤں پہنچے تھے۔ وہ بابا صاحب سے ملی
تھی۔ امان بھی اسے دیکھ کر خوش ہوئیں۔ وہ اس کے لیے جاگ
رہی تھیں انہوں نے کھانے کا پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔ وہ گھر
سے کھانا کھا کر آئی تھی۔ بابا صاحب اور امان بی سونے چلے
گئے تو وہ بھی فرح کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی دونوں کو
ایک ہی کمرے میں رہنا تھا۔

حویلی کے کمرے کھلے کھلے ہوا دار اور بڑے بڑے
دریچوں والے تھے سپاؤٹ بھی دیہاتی اور ثقافتی اسٹائل میں کی
گئی تھی وہ یہاں آ کر خوش ہوئی لیکن پابندیوں سے بہت جلد
اکٹا جاتی تھی۔

”تم نے لڑکے کو دیکھا ہے؟“ وہ فریش ہو کر آئی تو فرح
سے پوچھا۔
”نہیں۔“

”کوئی تصویر وغیرہ؟“ فرح نے پھر نفی میں سر ہلایا تو وہ
مزید حیران ہوئی۔

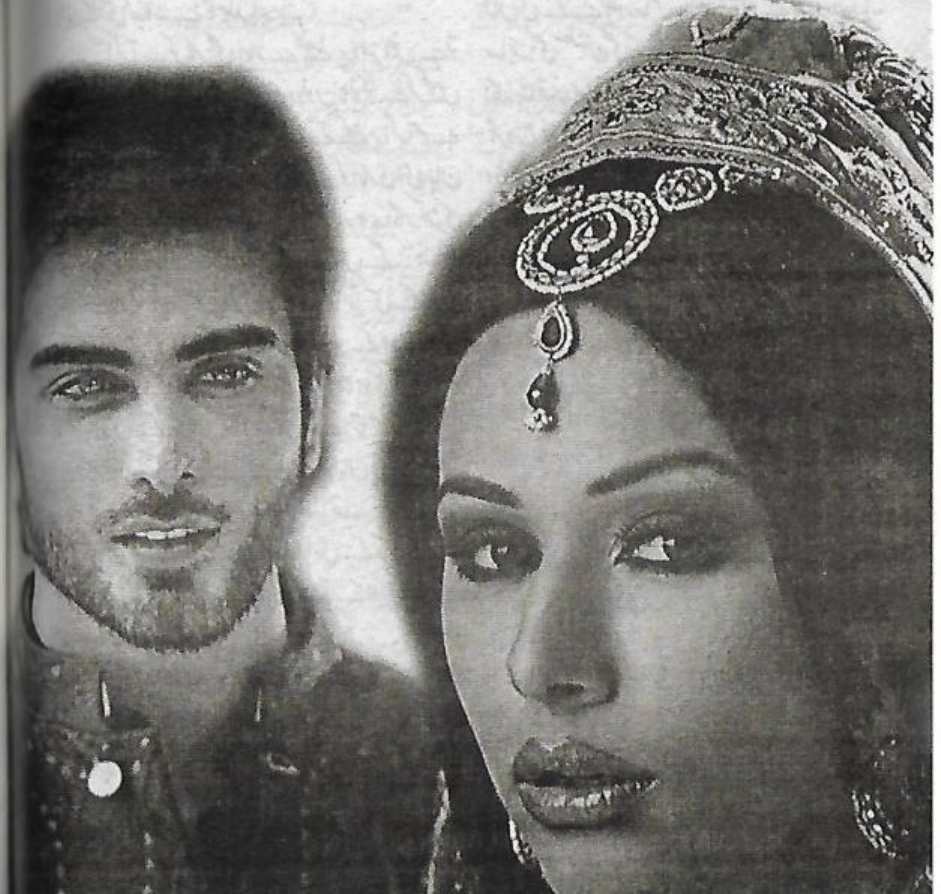
”بالکل دیو ہو تم تو..... بغیر لڑکے کو دیکھے بغیر تم کیسے اس
رشتے پر راضی ہو گئی؟“ وہ ٹاول ایک طرف رکھ کر فرح کے پاس
وہیں بیٹھ پڑی۔

”یہ میرے بڑوں کا فیصلہ ہے، وہ مجھے اچھی طرح جانتے
ہیں میرے مزاج وغیرہ کو سمجھتے ہیں یقیناً سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ
کیا ہوگا۔“

”ہاں جیسا فیصلہ انہوں نے میرے اور آگن کے حوالے
سے کیا تھا۔“ اس کے انداز میں از حد ناگواری تھی فرح نے
ایک گہرا سانس لیا۔

”تمہیں آگن بھائی سے کس بات پر اختلاف ہے؟“
”یہ پوچھو مجھے ان کی کس بات سے اختلاف نہیں تو
میرے لیے بتانا آسان ہوگا۔“ فرح ہنس دی۔

”اب اتنے بھی برے نہیں ہیں تم انہیں تھوڑا ریلیف دو



یقیناً تم ان کی ذات کے بہت سے مثبت پہلوؤں سے آگاہ ہو جاؤ گی۔“

”مجھے اپنی زندگی تجربات کی بھینٹ چڑھانے کا قطعی کوئی شوق نہیں۔“

”ہاں بتا چلا تھا مجھے تم نے رخصتی کے لیے انکار کر دیا تھا لیکن میں سمجھتی ہوں کہ تم نے جو بھی کیا غلط کیا۔“

”کیا غلط کیا میں نے زبردستی ایویشن بلیک میل کر کے مجھے ایک ایسے شخص سے باندھ دیا جس سے میرا مزاج ملنا تو دور کی بات اسے دیکھ کر ہی میرا اسے شوٹ کر دینے کو دل کرتا ہے۔“

”تم اب زیادتی کر رہی ہو لگن بھائی بہت زیادہ چیخ ہو گئے ہیں بلکہ وہ اب خود یہ رشتہ بھانا چاہتے ہیں ان کے موجود روئے کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔“ وہ سنجیدہ ہوئی شہرینہ نے غصے سے اسے دیکھا۔

”یعنی ہر جگہ میں ہی غلطی ہوں تمہارا تو بھائی ہی سب سے اچھا ہے ہر کوئی اس کی فیور کرتا پھر رہا ہے وہاں ماما بابا اور یہاں تم جب نہیں ایک بار اس رشتے سے انکار کر چکی ہوں تو کیوں مجھے مجبور کیا جا رہا ہے کہ میں اسے فیصلے پر نظر ثانی کروں مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا..... کل بھی یہی فیصلہ تھا اور آج بھی ویش آل۔“ وہ ایک دم برا مان گئی فرح نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”بات یہ نہیں کہ میں اپنے بھائی کی فیور کر رہی ہوں لیکن تم یہ بات بھی مانو کہ لگن بھائی بہت بدل چکے ہیں وہ اس رشتے کو ختم نہیں کرنا چاہتے تو تم کیوں بھندو۔“ شہرینہ کھڑی ہو گئی۔

”میرا خیال ہے میرے لیے کسی اور کمرے میں رہنے کا بندوبست کر دو میں لگن نامہ سن کر کرا جاؤں گی جی ہوں اور پاپا کو صاف اور واضح کہہ چکی ہوں کہ مجھے یہ رشتہ نہیں رکھنا اور اگر کسی نے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو میں سب کو چھوڑ چھاؤں کمرزید اسٹڈی کے لیے ایروڈ چلی جاؤں گی۔“ اس کا اٹل انداز تھا۔ فرح نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تمہارا سب سے بڑا مسئلہ تمہارا یہ جذباتی پن ہی ہے تم کچھ سوچنے سمجھنے کے بجائے ایک دم ہی جذباتی ہو کر رشتے

ناٹے ختم کرنے پر تل جاتی ہو آرام و سکون سے بیٹھ کر سنا۔“ فرح نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بستر پر بٹھایا تو اسے فرح کو دیکھنے لگی۔

”آپ کھوں سے جذباتیت کی پٹی بٹا کر دیکھو تو تمہیں کچھ بہت واضح اور صاف دکھائی دے گا کہ کون کیا ہے تمہارا مشرف و ضول کی بنیاد پر لگن بھائی کو تنبیہ کر رہی ہو اور اس نے کیا تم نے مجھے یہ سب ڈسکس کرنے کے لیے بلوایا تھا؟“ شہرینہ از حد سنجیدہ ہو گئی فرح مسکرا دی۔

”نہیں..... لیکن اگر تم اس ٹاپک پر بات کر لو تو کوئی بھی نہیں۔“

”مجھے نیندا رہی ہے اور بس اب سونا چاہوں گی۔“ وہ دوسری طرف لیٹ گئی۔

”تم لگن بھائی سے بات.....“

”پلیز فرح.....“ وہ مزید بھی کچھ کہنا چاہتی تھی جب شہرینہ نے نوک دیا۔

”اگر تم چاہتی ہو کہ میں کچھ دن یہاں آرام و سکون سے لوں تو پلیز تم مجھ سے اب اس ٹاپک پر بات نہیں کرو گی ورنہ میں کل ہی واپس چلی جاؤں گی۔“ انداز دو ٹوک تھا۔ فرح نے خاموشی سے سر ہلادیا تھا۔

❖.....❖.....❖

اگلے دن فرح کے سسرال سے لڑکے کی دوہنیں آتی تھیں عائشہ اور صبا فاطمہ بظاہر دونوں کافی خوب صورت لیکن مزاج کی نہایت سادہ اور ملنسار لڑکیاں تھیں شہرینہ دونوں بہنوں سے مل کر بہت خوش ہوئی وہ کافی ہنس کھلا اور زندہ دل لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے پر زورصرار کے ساتھ شہرینہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں آئے گی ضرور آئے گی میرے لگن کی دلہن ہے یہ تو سارا کچھ اب اسے ہی تو کہنا ہے۔“ لگن بی کے انداز میں محبت سے چپکے شہرینہ سے سنجیدہ ہو گئی۔

”ہمیں بتا تھا کہ لگن صاحب کا نکاح ہو چکا ہے لیکن آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے لگن بھائی تو فیض بھائی سے ملنے آکر آتے رہتے ہیں۔“ فاطمہ نے کہا تو وہ خاموش رہی۔

یہ بھی فرح کے سسرال میں ان کی بیوی کے دور پر سے آئی تھی۔ کبھی کبھار دونوں گھرانوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا بھی رہتا تھا سب نے کٹھنی بھی تھی بلکہ تو فیض شہرینہ کی شہرینہ لگن سے دوستی بھی تھی لیکن گھر بیٹوں پر اس کا اثر نہ تھا۔ لگن بی بی ان کی کافی آؤ بھگت کر رہی تھیں وہ دونوں بینش فرح کی چوڑیوں اور کپڑوں کا ٹاپ لگاتی تھیں۔

اگلے دن ان کی والدہ کا فون آ گیا تھا۔ لگن بی بی سے ہی بات ہوئی اور پھر انہوں نے شہرینہ کو بلوایا۔

”فرح کی ساس کی کال بھی اس نے ہمیں اپنے ہاں بلایا ہے۔“

”نہیں..... لیکن کیوں؟“ وہ حیران ہوئی فرح کو دیکھا کہ لگن بی بی نے اسے کندھے چاٹا۔

”رکھ رکھ رکھ لالے لوگ ہیں پہلے بیٹے کی شادی ہے محبت باور ہے ہیں وہ تو کہہ رہی تھیں کہ تہاڑے ماں باپ کو بھی لگاؤ لیکن عثمان کے پاس کہاں وقت ہے؟ میں نے کہا میں یہ کوئی لڑکا جاؤں گی۔“ لگن بی بی نے وضاحت سے بتایا۔

”چلے جانے میں تو کوئی حرج نہیں لیکن ابھی باقاعدہ کوئی وغیرہ تو ہوئی نہیں جو یوں مندا تھا کہ میں چل دوں۔“

”مکئی تو ایک رسم ہے محض خانہ پر ہی اصل بات یہ ہے کہ ان دنوں بڑوں میں بات طے ہو چکی ہے آئے جانے میں کوئی حرج نہیں ویسے بھی تم چوہدری فاروق کی پوتی ہو۔ عثمان بی بی اور میرے شیر لگن کی بیوی وہ لوگ تو سراسر انکھوں پر ہنسنے کو تیار ہیں۔“ لگن بی بی کی توجہ ابھی کسی کی جہاں فرح اٹھلا کر فیس دی وہیں شہرینہ کے بھی تپو بدل گئے تھے۔

”اف..... یعنی ذلی طہ پر میری کوئی ویلیو نہیں آپ نے شوہر بیٹے اور پوتے کے ناموں کی وجہ سے ہی میں اٹلی و ارفع ہوں۔“

”ہاں بالکل..... جانے میں بھلا کیا حرج ہے۔“

”تم تو چپ ہی رہو ابھی سے ہونے والے سسرالیوں کی حمایت میں بولنے لگی ہو۔“ لگن بی بی مسکرائیں۔

”دو پہر تک تیار ہو جانا دو پہر کا کھانا ان کی طرف ہے۔“

”جی اچھا۔“ شہرینہ نے ہائی بھری۔

ویسے وہ خود بھی فرح کا منگیترو دیکھنا چاہتی تھی تو بڑی سن رہی تھی لگن بی بی اور بابا صاحب دونوں بڑے متاثر تھے پورے علاقے میں لگن بی بی کا اچھا خاص نام تھا۔ ٹھیک ٹھاک قسم کی جاگیر و جائیداد کے مالک تھے۔ وہ فرح کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ کپڑوں کے انتخاب میں فرح اسے مشورے دے رہی تھی جب ہی لگن بی بی آگئیں۔

”کیا پہن رہی ہو؟“ لگن بی بی نے پوچھا۔

”ابھی تو دیکھ رہی ہوں۔“

”کوئی ڈھنگ کا لباس لگانا یہ نہ ہو وہاں جا کر شرمندگی ہو کل دیکھا تھا تم نے عائشہ اور فاطمہ کتنے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے ہر انداز میں رکھ رکھاؤ نظر آ رہا تھا۔“

لگن بی بی نے ہدایت دی تو شہرینہ کے اس قدر مسئلہ ہے تو مجھے ”اگر آپ کو میری ڈریسنگ سے اس قدر مسئلہ ہے تو مجھے ساتھ لے کر مت جائیں۔“ اس نے سب کپڑے ایک طرف رکھ دیے لگن بی بی نے بخور اسے دیکھا۔ شہرینہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بہت جلد برا مان جاتی تھی۔

”بات سمجھا کر شہرینہ وہ اور طرح کے لوگ ہیں بڑے روایتی اور خاندانی سے زیادہ پیسہ بہت ہے لیکن شوشا نہیں بڑے سادہ مزاج اور خوش باش لوگ ہیں پہلی بار تو فیض کو دیکھنے جا رہی ہوں اس لیے کہہ رہی تھی۔“

”لیکن میرے پاس ایسے کپڑے نہیں جیسے کل عائشہ اور فاطمہ پہن کر آئی تھیں ویسے تو بالکل بھی نہیں ہیں مجھے لے جا کر آپ کی جو سلی ہوئی اس لیے بہتر یہی ہے کہ مجھے لے کر مت جائیں۔“ اس نے بستر پر پھیلے کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے سنجیدگی سے کہا اور پھر لگن بی بی کی بات سے بغیر کمرے سے نکل گئی۔

”لو اب اسے کیا کہہ دیا میں نے؟“ لگن بی بی کو ایک دم

new
freedom
ultra thin sanitary napkins

اب مخصوص دن بھی گزاریں خوشی کے

Ultra Thin
Extra Long

freedom

ULTRA THIN

7 EXTRA LONG

Ultra Thin
Long

freedom

ULTRA THIN

8 LONG

Approved
Health and Hygiene products

ذات کی خوبیوں خامیوں سمیت قبول کریں میں کسی کے پر خود کو نہیں بدل سکتی میں شہرینہ عثمان فاروق ضرور ہوں میری اپنی بھی ذات اور شخصیت ہے اس کو مت بھولیں قطعی انداز میں کہہ کر وہ مکمل طور پر کھڑکی کی طرف منہ کیے دیکھنے لگی فرح پٹی تو شہرینہ کی اماں بی کچھ فاصلے پر موجود تھیں انہوں نے چند بل شہرینہ کو دیکھا اور بغیر کچھ کہے وہ سے چلی گئیں یقیناً انہوں نے شہرینہ کی تمام باتیں سن تھیں فرح نے پلٹ کر دوبارہ شہرینہ کو دیکھا وہ بالکل بالکل اسی باہر دیکھ رہی تھی۔ یقیناً وہ اماں بی کی آمد اور واپس پلٹ جانے سے بالکل بے خبر تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور واپس اماں بی کے کمرے کی طرف آئی اماں بی فون میں مصروف تھیں۔

”ابھی کچھ دن نہیں آسکتے ہم شہرینہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔“ یقیناً وہ اس کے سرسرا کال کر کے نہ آنے کے لیے وضاحت کر رہی تھیں۔

”نہیں..... نہیں بس سر میں درد تھا۔“
”کل تو بالکل بھی وقت نہیں ہوگا شہر سے کچھ مہمان آجائیں گے جب بھی وقت ہوا یا آنے کا پروگرام بنا تو ہم آپ کو گاہ گاہ کر دیں گے۔“ انہوں نے مزید چند باتوں کے بعد کال کاٹ دی فرح ان کے پاس آئی بھی انہوں نے بہت سنجیدگی سے فرح کو دیکھا۔

”اے سمجھاؤ اس قدر ضد یا جذباتیت اچھی نہیں ہوتی آج تک ہم سے ہمارے اپنے بچوں نے بدتمیزی نہیں کی وہ ہمیں بہت عزیز ہے ہماری لاڈلی بھی ہے لیکن بڑوں کے ساتھ بات کرنے کے کچھ داب ہوتے ہیں اسے کچھ تو خیال کرنا چاہیے۔“

”ہاں نہیں وہ کیوں ایک دم ایسی ہوتی جا رہی ہے اچھی بھلی تھی محض ایک آگن بھائی سے رشتہ بدلنے سے وہ اس قدر ڈسٹرب یا بدل جاتی تھیں ہوئی مجھے لگتا ہے کہ کہیں نہ کہیں وجہ کچھ اور بھی ہے۔“ انداز کچھ پُر سوچ تھا اماں بی نے اسے بغور دیکھا۔

”کچھ کہا ہے اس نے تم سے کیا؟“ انہوں نے کریدا۔

شدید غصہ آیا۔
”آپ کو اس کے مزاج کا علم تو ہے ناں میں اسے منا کر سکتی تھی سے ڈرے کے لیے مادہ کر لیتی اب وہ ناراض ہو کر چلی گئی ہے مجھے نہیں لگتا وہ اب آپ کے ساتھ جائے گی بھی.....“
”میں نے اس کے سر پر ہاتھ گرادیا ہے کیا؟“ اماں بی بھی حقیقتاً ہالان گئیں۔

”جاؤ جا کر اسے لے کر آؤ وقت کم ہے ہم نے ان لوگوں کو دوپہر کا وقت دیا تھا ایک تو اس لڑکی کو کچھ کہنا ہی فضول ہے ہر وقت مزاج کاڑے دھکتی ہے۔“ فرح باہر آئی تو وہ راہداری میں کھڑی تھی۔

”شہری۔“ اس نے پلٹ کر فرح کو دیکھا۔
”تیار ہو جاؤ یا رکابی دیر ہوگئی ہے۔“ اس نے نارمل لہجے میں کہا تو شہرینہ نے سنجیدگی سے دیکھا۔
”میں نہیں جا رہی۔“

”اف حد ہوتی ہے شہری..... تم بعض اوقات بچوں کی طرح امری میٹ کرتی ہو اماں بی تو بس ویسے کہہ رہی تھیں جو تمہارا دل چاہتا ہے پہنوا اور جاؤ۔“ شہرینہ نے محض سرسری سا نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں اب دل نہیں چاہ رہا پھر کبھی نہی۔“
”یار اچھا نہیں لگتا انہوں نے بطور خاص تمہیں انوائٹ کیا ہے۔“

”انہوں نے مجھے نہیں اس لڑکی کو انوائٹ کیا ہے جس کے نام کے ساتھ آگن عثمان فاروق اور فاروق صاحب جیسے معتبر ناموں کے حوالے جڑے ہیں میں کیا ہوں محض ایک ایسی لڑکی جس کی اپنی کوئی ویلیو نہیں۔“ اس کے لہجے میں از حد سختی تھی فرح کو لگا کہ اس وقت شہرینہ کو جانے کے لیے قائل کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔

”فی الحال میرا جانے کا موڈ نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کو کال کر کے معذرت کر لو پھر کسی دن موڈ ٹھیک ہوا تو چلی جاؤں گی۔“ انداز اٹل تھا۔

”اماں بی کو اچھا نہیں لگے گا یار۔“
”تو اس سے جا کر کہہ دو میں جو ہوں جیسی ہوں مجھے میری

”میں لیکن میں پوچھوں گی ضرور“ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔
”آپ نمیشن نہ لیں وہ ایسی ہی ہے ابھی مت کچھ کہیں تھوڑی دیر بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی آپ ریلیکس رہیں۔“
اماں بی نے محض سر ہلادیا۔
فرح واپس چلی گئی تو انہوں نے بہت دھک سے اپنا سر تکیے پر رکھا وہ شہرینہ کے مزاج اور رویے دیکھ کر بہت مایوس ہوئی تھیں۔ ان کی اپنی اولاد دے آج تک ان کے سامنے زبان نہیں کھولی تھی اور یہ شہرینہ..... ان کی سوچ کی گرہیں اٹھنے لگی تو وہ دست پروراز ہو گئی تھیں۔



اماں بی نے شہرینہ کو بھی ساتھ چلنے کو کہا پہلے تو اس کا دل کیا کہ جانے سے انکار کر دے لیکن پھر خاموشی سے مان گئی وہ کمرے میں آئی تو ایک بار پھر کپڑے نکال کر دیکھ رہی تھی اسے اسفوس ہوا چند ایک نفسی ڈرامے کے علاوہ باقی سب ہی شارٹ ٹرنس کرتے وغیرہ کے ساتھ ٹائٹس یا اسٹائش سے پا جامے تھے ان سب میں سے اس نے ایک کافی معقول سا (جس پر اماں بی کو بھی اعتراض نہ ہوا) لباس منتخب کر لیا تھا۔
لائٹ پنک سادہ کرتا اور اس کے ساتھ کپڑی اسٹائل میں وائٹ پا جامہ تھا۔ لباس نکال کر اس نے علیحدہ کیا تو فرح نے بغور دیکھا۔

”یہ پہنوں گی؟“ ڈرتے ہوئے پوچھا تو شہرینہ نے غصے سے دیکھا۔
”کیوں اب کیا مسئلہ ہے اس میں؟“
”میں میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی بہت اچھا سوٹ ہے لیکن کافی سادہ سا ہے۔“ ڈرتے ہوئے اس نے آخری الفاظ کہے تو شہرینہ نے گھورتی رہی۔
”چلو جلدی سے تیار ہو جانا باقی بھی تیار ہو رہے ہیں لاؤ میں بستری کر دوں۔“ اس سے پہلے کہ شہرینہ جانے سے انکار کرتی اس نے فوراً کہتے ہوئے سوٹ اٹھایا اور سوٹ لے کر نکل گئی۔

شہرینہ نے سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر سر جھٹکتے ہوئے وائٹ روم میں گھس گئی وہ تیار ہو کر آئی تو سب سے پہلے اماں بی نے اسے دیکھا۔ انہوں نے کوئی بات نہیں کی کچھ دیر بعد زویہ بھی کمرے سے نکلی تو اسے دیکھ کر شہرینہ کو اپنا لباس بہت سادا لگا۔ زویہ اچھے کام والے سوٹ میں ہلکا پھلکا میکے کی چیلری پہنے ہوئی تھی جبکہ شہرینہ بالکل سادہ سے حلیے میں تھی۔ وہ پھوپھو کی بیٹیاں آئیں تو ان کے ساتھ کپ شپ میں مصروف ہو گئی تھی۔

کچھ دیر میں سب ہی تیار تھے وہ لوگ ان کی طرف گئے تو وہاں سب ہی منتظر تھے۔ گھر کے بڑوں سے ملاقات کے بعد وہ ان کی خواتین کے ساتھ اندرونی حصے میں آگئیں جبکہ مرد حضرات مردانے کی طرف چلے گئے تھے۔

سب ہی توفیق ضیاء کو دیکھنے کو بے قرار تھے۔ اماں بی اور بابا صاحب کی طرف سے یہی طے پایا تھا کہ سب جوان پارٹی صرف ایک بار جا کر وہ بھی اماں بی کے ہمراہ توفیق ضیاء کو دیکھ آئیں اماں بی نے ان لوگوں سے وقت لے لیا تھا اگلے دن سب ہی جانے کو تیار ہو رہے تھے۔

فرح کی ساس بہت اچھی خاتون تھیں دو بیٹیاں تھیں سب سے بڑا بیٹا توفیق تھا اور پھر دو بیٹیاں تھیں اور اس کے بعد دو بیٹے تھے۔
شہرینہ یہاں آ کر بورڈس ہوئی فاطمہ بہت ہنس کھتھیں جبکہ عائشہ شادی شدہ تھی اور بھائی کی منگنی کے سلسلے میں بیٹے آئی ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد توفیق ضیاء آندا یا۔ توفیق ضیاء کو دیکھ کر وہ سب ہی متاثر ہوئی تھیں۔

وہ ایک وجیہ ہارڈ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کھرا ڈولا انسان تھا۔ وہ ان کے درمیان کافی دیر بیٹھا رہا تھا۔ وہ چاروں اس سے مختلف سوالات کرتی رہیں وہ سمجھے انداز میں جواب دیتا رہا شہرینہ کو بھی وہ اچھا لگا تھا۔ شام کو ان کی واپسی ہوئی آتے ہی وہ چاروں فرح کے سر ہو گئی تھیں۔

”نارتم کہاں پھنس گئی ہو لڑکا ذرا بھی اچھا نہیں ہے۔“
چھوٹی پھوپھو کی بیٹی ایمان نے کہا تو سب ہی سنجیدہ ہو گئیں۔
”بالکل..... نہ کوئی پریشانی اور نہ ہی بولنے چالنے کا کوئی سلیقہ۔“ زویہ نے بھی کہا تو فرح کے چہرے کا رنگ بدلا۔
”لیکن اماں بی تو بہت تعریفیں کر رہی تھیں۔“

”ظاہر ہے انہیں تو پسند ہیں انہیں تو تعریفیں کرنا ہی نہیں۔“ ایمان کی چھوٹی بہن نے بھی حصہ لیا تو وہ واقعی پریشان ہو گئی۔

”کیا واقعی یہ سب سچ ہے؟“ اس نے شہرینہ سے پوچھا تو وہ خاموش رہی۔

”یہ تو تم ان لوگوں سے ہی پوچھو میری رائے کب تم لوگوں کے نزدیک کوئی اہمیت رکھتی ہے۔“ وہ اسے جواب دے کر اپنے موبائل میں مصروف ہو گئی فرح نے ایک گہرا سانس لیا۔
”چلو جو بھی ہے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلو..... ویسے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ مزاج کے استے برے نہیں ہیں تمہارے ساتھ اچھے لگیں گے۔“ فرح کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی چھا گئی تھی۔ شہرینہ نے اسے دیکھا تو مسکرا دی۔
”یہ کچھ تصویریں بنائی ہیں میں نے یہ دیکھ لو۔“ اس نے موبائل اس کی طرف بڑھایا لیکن فرح نے نفی میں سر ہلادیا۔
”رہے دو..... جب بڑوں نے فیصلہ کیا ہے تو کچھ سوچ

کچھ کر اور کچھ دیکھ بھال کر ہی فیصلہ کیا ہوگا میں کھانا خواہوہ دل خراب کروں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“ وہ ایک دم بڑے سکون ہو گئی اور شہرینہ اچھے کر رہی گئی تھی۔

کیا واقعی کوئی اتنی جلد ہی مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ تو ابھی تک اپنی ذات کی لڑائی میں ابھی ہوئی تھی۔ شیر لگن سے زبردستی رشتہ طے ہو جانا تو ایک کڑی گھی۔ اصل چچا کا ماما آکا کا وجود اسے لگا گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اندر ہی اندر وہ ان سب سے بھی بدظن ہو چکی تھی۔ وہ فرح کے کہنے پر یہاں آئی تھی اس کا خیال تھا کہ وہ چند دن حویلی میں گزارے گی تو شاید وہی طور پر مطمئن ہو جائے۔ وہ بارہ پہلے کی طرح زندہ دل و مطمئن لڑکی بن جائے لیکن یہاں آ کر کچھ ہی وہ مطمئن نہیں ہو پارہی تھی۔ وہ خود کو ان لوگوں اور اس ماحول میں اب ایک دم اجنبی محسوس کرنے لگی تھی خصوصاً ماما آکا سے ایک گہرے تعلق کو لے کر وہ ارحس حساس ہو چکی تھی۔

فائقہ اس کے ساتھ بہت اچھی تھیں۔ وہ ایک عرصہ تک انہیں حقیقی ماں کا سا مقام دیتی رہی لیکن اب آکر وہ ان سے اپنے تعلق سے متعلق سمجھوتہ نہیں کر پارہی تھی۔

زویہ اور ایمان دونوں فرح کو خوب تنگ کر رہی تھیں لیکن وہ مطمئن تھی۔

”ظاہر ہی شخصیت دنیا کے لیے تو اچھی ہو سکتی ہے لیکن اہم بات انسان کا باطن ہوتا ہے میرے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ توفیق ضیاء میرے والدین اور میرے بزرگوں کی پسند ہیں دیش آل۔“ سب ہنس دیں۔

”محترمہ اس کو قناعت کہتے ہیں۔“ زویہ نے چھیڑا۔
”شہری اس کو تصویر دکھاؤ۔ اب بے چاری کا اتنا حق تو بنتا ہے نا۔“ اماں نے کہا۔

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ فرح نے کندھے اچکائے شہرینہ نے تصویر نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ فرح کی نگاہیں چند لمحوں کو ساکت ہوئیں اور پھر اس کے چہرے پر ایک دم اطمینان کی کیفیت درآئی وہ مسکرا دی اور پھر ان سب کو دیکھا۔

”بہت بدتمیز ہو تم سب۔“ وہ سب ہنس رہی تھیں۔

”کیا لاگاسر پر انز؟“ زوبیہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔
”دیری تھی۔“

”وہیے مجھے ایمان بی اور بابا صاحب کے انتخاب پر مکمل طور پر اعتماد تھا۔“ اس نے دوبارہ تصویر کو دیکھا۔

وائٹ کلف لگے سوٹ پر بلیک واکسٹ پہننے وہ واقعی بہت باوقار انسان لگ رہا تھا۔ بہت ہی پُرکشش تصویر دیکھ کر فرح کی آنکھوں کی چمک ایک دم بڑھ گئی تھی۔

”انہیں تو میں ایک دوبارہ جلی آتے جاتے شیر لگن بھائی کے ساتھ بھی دیکھ چکی ہوں۔“

”چلو یہ تو اور بھی اچھی بات ہوئی کہ تو برو ملاقات کا بھی اہتمام کر لو گے۔“ ایمان نے چھیڑا۔

”نی الحال تو ایسی کوئی خواہش نہیں۔“

”یعنی کہ بعد میں خواہش ہو سکتی ہے۔“ زوبیہ نے بھی کہا تو سب ہی ہنس دیں۔

”اماں بی نے بڑا جن کر لڑا کڑا ڈھونڈا ہے لگن بھائی کا دوست ہے بڑا دوست تو ہونا ہی تھا۔“ ایمان نے سر ہلایا۔

”ویسے اماں بی بتا رہی تھیں کہ لگن بھائی کی بھی پسند تھی اس رشتے میں۔“ زوبیہ نے بتایا۔

”لگن بھائی کب تک آ رہے ہیں؟“ ایمان نے فرح سے پوچھا تو زوبیہ اور فرح ایک دم چو کننا ہوئیں دونوں نے

شہرینہ کو دیکھا اس کے زوہے بڑے ہوئے تھے۔
”آجائیں گے وہ بھی۔“ فرح نے کہا۔

”تمہاری مگنی پڑو ہوں گے نا؟“
”کنفرم نہیں۔“ فرح نے کندھے اچکائے۔

زوبیہ نے پھر سے فرح کے سر راہوں کی کوئی بات چھیڑ دی تھی سب کا دھیان بٹ گیا لیکن شہرینہ کا دھیان اچھ گیا تھا۔

فرح نے کہا کہ شیر لگن یہاں نہیں ہے تو وہ مطمئن ہو کر آگئی تھی لیکن جس طرح کافی عرصے سے لگن کی طرف سے

مسسل خاموشی تھی وہ لاشعوری طور پر اس کے متعلق سوچنے ضرور لگی تھی یہ اور بات تھی کہ اس کی سوچ مثبت نہ تھی تاہم وہ

اس کے متعلق کوئی بھی خبر نہ کر چند مل کو ساکت ضرور ہوئی تھی۔

لیکن اس کا دل بوجھل ہونے لگا تو وہ ان میں سے اٹھ کر اپنا موبائل لیے باہر لان میں آگئی تھی۔

.....○.....

وہ رات دیر سے سوئی تھی لیکن صبح اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ باہر لان میں آئی اسے یہاں آئے کافی دن ہو رہے تھے جو بی میں بڑی ماما (فائزہ بیگم) بھی آچکی تھیں اس کے علاوہ دونوں چھوٹیاں اور ان کے بچے بھی تھے کافی رونق ہو چکی تھی۔ رات گئے تک ڈھونڈ ڈھونڈ کا پروگرام چلا تھا۔

وہ چند منٹ لان میں ہی ٹہکتی رہی اور پھر کسی کو بھی ہٹانے بغیر باہر نکل آئی صبح کے تروتازہ ماحول میں وہ کافی دور تک نکل گئی تھی۔

پکی سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو وہ واپس پلٹی۔ جو بی کے گیٹ کے قریب آئی تو ایک سیاہ رنگ کی

کار اندر جاتی دکھائی دی وہ حیران ہوئی اتنی صبح بھلا کوئی آگیا وہ اندر آئی تو چونکی۔ گاڑی پاتھوے پر کھڑی تھی۔ گاڑی سے شیر

لگن اتر رہا تھا وہ ٹھٹھک کر کھڑ گئی۔
اتنی صبح شیر لگن کی آمد جبکہ گاڑی بھی جو بی کی تھی جو

خصوصی طور پر بابا صاحب کے استعمال میں رہتی تھی اور ڈرائیور بھی ان ہی کا تھا۔

شیر لگن نے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ ڈرائیور بچھلی سیٹ سے سامان نکال رہا تھا۔ دوسرے دروازے سے اسد

باہر نکلا۔ شیر لگن اندر چلا گیا وہ چلتے ہوئے اسد کے پاس آئی۔

”اتنی صبح کہاں سے آ رہے ہو؟“ رات گئے تک تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ڈھونڈ کی محفل میں رہا تھا اور اب لگن کے

ساتھ اس کی آمد۔
”لگن بھائی کو ایئر پورٹ سے لینے گیا تھا۔“

”وہ کب آئے۔“
”صبح غن بجے کی فلائٹ تھی بابا صاحب کو کال کی تھی۔

انہوں نے مجھے ڈرائیور کے ساتھ لینے بھیجا تھا ابھی لے کر آیا ہوں۔“ شہرینہ نے سر ہلایا۔

”آپ کہاں سے رہی ہیں؟“
”میں ڈراواک کے لیے گئی تھی۔“

”اکیلی؟“

”کیوں یہاں اکیلے جانا منع ہے کیا؟“

”اکیلے جانا منع تو نہیں لیکن پھر بھی احتیاط کرنا چاہیے۔“

اب آپ کا لگن بھائی سے جو رشتہ ہے اس لحاظ سے جو بی کی گورنر اکیلی باہر نہیں نکلتیں۔“ اس نے کہا تو شہرینہ نے

ناگوار سے اسے دیکھا۔
”میں چلی بار جو بی نہیں آئی جو ان روڈ کو فالو کروں میں

جب بھی آتی تھی اکیلے کہیں بھی چلی جاتی تھی۔“ وہ مسکرایا۔
”تب آپ صرف شہرینہ عثمان تھیں اب آپ شہرینہ شیر

لگن ہیں پورا علاقہ شیر لگن کو جانتا ہے پھر احتیاط اچھی بات ہے۔“ وہ کہہ کر ڈرائیور کے ساتھ سامان لے کر اندر کی طرف

بڑھ گیا۔
”آپ بھی آجائیں شیر لگن بھائی سے مل لیں۔“ جاتے

ہوئے مسکرا کر کہلا۔
شہرینہ نے غمی سے اسے دیکھا وہ کہہ کر چلا گیا تھا جبکہ وہ

کیونہ تو نظر وں سے اس کی پشت دیکھ رہی تھی۔ وہ اندر جانے کے بجائے کچھ دیر وہیں لان میں ہی ٹہکتی رہی اور پھر وہ اندر

فرح کے کمرے میں آگئی۔
فرح سو رہی تھی رات کی محسن تھی جبکہ اسے اب شدید

بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کر کے باورچی خانے میں آگئی۔ اس نے ملازم کو ناشتہ تیار کرنے کا

کہا اور واپس کمرے میں آگئی۔ کچھ دیر بعد ملازمہ ناشتہ لیے اس کے کمرے میں تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اپنے

موبائل میں مصروف رہی اور پھر جلد ہی سو گئی اور جب سو کر اٹھی تو کمرے میں کوئی بھی نہ تھا منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل تو بڑے ہال

سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ قریب آئی تو رک گئی۔
”بس اچانک کا تم ختم ہوتے ہی آج کی فلائٹ مل گئی تھی تو

فورا چلا آیا۔“ شیر لگن بتا رہا تھا۔
”کسی نے ہمیں بتایا ہی نہیں ورنہ سب ہی جاتے تھیں

لینے۔“ فرح نے کہا۔
”میں نے منع کر دیا تھا تین بجے کی لینڈنگ تھی کیا سب

کو زحمت دینا بس بابا صاحب کو اطلاع کر دی تھی کہ کسی سے

بھی ذکر نہ کریں ویسے مجھے اچانک دیکھ کر تمہیں تو خوشی ہوئی چاہیے تھی۔“ اس نے فرح سے کہا۔

”ہاں خوشی تو مجھے واقعی بہت ہو رہی ہے پتا نہیں آپ فنکشن میں سب کے ساتھ یہاں ہوتے کہ نہیں میں سوچ

سوچ کر ٹینشن میں تھی۔“
”اسی فنکشن کے لیے ہی جلدی جلدی سب کام بننا کر آیا

ہوں وہاں بابا کے ایک کلائنٹ کے ساتھ کچھ قانونی معاملات طے کرنے تھے اس لیے آتی دیر ہو گئی۔“ وہ اور بھی نجائے کیا

کیا کہہ رہا تھا۔ شہرینہ اندر جانے کے بجائے وہیں سے پلٹ گئی تھی۔

نجائے کیوں لگن سے سامنا کرنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن شام کے وقت جب سب ہی ہال میں بیٹھی ہوئی تھی

اماں بی نے اسے کسی کام سے کمرے میں بلوایا ملازمہ پیغام لے کر آئی وہ ان کے کمرے میں آئی تو ٹھٹھکی۔ لگن بھی وہاں

موجود تھا۔
کافی عرصے بعد یہ پہلا موقع تھا فائزہ بھی وہیں تھیں۔

دونوں کی نگاہیں ملیں دونوں ہی ایک بل کو ساکت ہوئے لیکن شہرینہ فوراً سنبھل گئی تھی۔

”آپ نے بلوایا تھا اماں بی۔“
”ہاں اچھا تو بیٹھو۔“ انہوں نے اپنے قریب بیٹھنے کو کہا تو

وہ بیٹھ گئی۔
”یہ فائزہ نے تمہارے لیے بلوایا تھا پتا نہ کر دیکھو ٹھیک

ہے۔“ انہوں نے سونے کا ایک بریسلٹ اسے دکھایا تو وہ حیران ہوئی۔

”میرے لیے لیکن کیوں؟“
”لو اب تم اس کی بیوہ بیٹی کی مگنی پر خالی ہاتھ تھوڑا جانا

دے گی۔ یہ پتا نہ کرو کہ تو“ انہوں نے کہا تو شہرینہ کا جی چاہا کہ اپنا ہاتھ پیٹ لے۔

وہ بڑے واضح انداز میں لگن سے متعلق بیڑی کا اظہار کرتی آ رہی تھی۔ بڑے صاف الفاظ میں سب کو محسوس بلکہ

اس رشتے سے ہی انکار کر چکی تھی لیکن اماں بی یا باقی کسی پر بھی کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

”سوری..... لیکن مجھے یہ سب پسند نہیں۔“ اس کا انداز سنجیدہ تھا۔ فائزہ کے سامنے نکاح کے بعد پہلا موقع تھا جو کھل کر اس نے کسی بات کے لیے انکار کیا تھا بلکہ نکاح کے بعد حویلی میں ہی دونوں کا سامنا ہی اب ہوا تھا۔

”کیوں بریسلٹ اچھا نہیں لگا کیا؟“

”نہیں یہ تو خوب صورت ہے لیکن میں گولڈنہیں پہنتی بلکہ جس حوالے سے آپ دینا چاہ رہی ہیں اس حوالے سے تو کبھی نہ لوں۔“ اس کا انداز صاف واضح اور تلخ تھا۔ فائزہ نے حیران ہو کر جبکہ اہل بی نے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”تم ہماری بھانجی بھی ہو بیٹا۔“ فائزہ نے کہا تو اس نے ایک گہرا سانس لیا اور کھڑی ہو گئی۔

”بس ماہ آرا کی بیٹی ہوں اور مجھے نہیں لگتا کہ ان کے حوالے سے میرا کسی سے کوئی خونی رشتہ ہوگا ہاں عثمان فاروق کے حوالے سے میں انکار نہیں کرتی لیکن یہ نہیں لے سکتی۔“ وہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ اہل بی نے بہت سنجیدگی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔ فائزہ حیران اور اہل بی پریشان ہوئیں۔

”یہ کیا کہہ رہی تھی..... یہ ماہ آرا کو کیسے جانتی ہے؟“ فائزہ پریشان ہوئیں۔

”وہ سب جانتی ہے۔“ اہل بی نے مدھمے لہجے میں کہا۔

”مگر کیسے؟“ جواب اہل بی نے تمام کہانی کہہ سنائی۔ فائزہ حیران و پریشان سن رہی تھیں۔

”اتنا کچھ ہو گیا اور آپ نے ہوا تک نہ لگتے دی۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”جو کچھ بھی ہوا وہ اس قدر قابل فکر تو نہ تھا کہ سب کو بتاتی دینے بھی ماضی کی راکھ کریدنے سے اب کیا حاصل۔“

”لیکن اہل بی آپ کو ہم سے تو ذکر کرنا چاہیے تھا..... شہرینہ تو ماہ آرا کی موت کے بعد بالکل ٹوٹ گئی ہوگی کم از کم اسی سے اظہارِ تعزیت کرتے۔“

”جو ہونا تھا ہو گیا..... مٹی ڈالو میری فائزہ کی آزمائش ختم ہوئی..... عثمان کا رویہ بہت بدل گیا ہے۔“

”لیکن شہرینہ کا رویہ بھی کچھ بہتر نہیں۔“ فائزہ کو تشویش لاحق تھی۔

”ٹھیک ہو جائے گی۔ ہم نے بھی فی الحال اسے اس حال پر چھوڑ دیا ہے۔“

”لیکن یہ اچھی بات نہیں وہ مزید ٹکٹو ہو سکتی ہے وہ اب صرف ماضی کی ماہ آرا کی بیٹی نہیں بلکہ میرے گلن کی دکان بھی ہے یہ خوش اسند بات نہیں۔“ وہ بہت فکر مند تھیں۔ گلن کو کہہ سوتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں کو اس گفتگو میں الجھا ہوا چھوڑ کر باہر نکلا تھا۔

وہ لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ شارٹ شرٹ اور ٹائٹ کے ساتھ گلے میں دوپٹا جھول رہا تھا۔ وہ گم سمی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لہجہ کیا تھا۔

”کیسی ہو؟“ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی گلن کی آواز پر چونکی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ غرشت کچھ عرصے نے گلن کی صحت پر کافی خوشگوار اثرات مرتب کیے تھے۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ صحت مند اور پُرکشش لگ رہا تھا۔ گلن اس کے پاس ایک سیڑھی چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

”بتانا نہیں تم نے کیسی ہو؟“

”میں نہیں سمجھتی کہ میری خیریت سے آپ کو کوئی سروکار ہونا چاہیے۔“

”کیوں بھی..... مجھے تو سروکار ہے اس لیے تمہارے پیچھے چلا آیا ہوں۔“ اس نے ہنس کر کہا۔ شہرینہ طنز پر مسکرائی۔

”نئی خبر ہے۔“ وہ اب سامنے دیکھنے لگی اور شیر گلن اسے ”محبوب اور غلوں کی قدر نہ کریں تو وہ ہم سے چھین بھی سکتی ہیں اور اگر یہ ایک بار چھین جائیں تو واپس نہیں پائیں۔“ گلن نے کہا تو شہرینہ نے اسے دیکھا۔

”محبت کی بات آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگ رہی شیر گلن صاحب۔“ وہ ہنس دیا۔

”کچھ عرصہ میرے ساتھ رہ کر دیکھوں میں یقین دلانا ہوں تمہیں نہ صرف میرے منہ سے محبت کی بات اچھی لگے گی بلکہ میری جو دھمی اچھا لگنے لگے گا۔“ وہ استہزائیہ ہنس دی۔

”بڑی خوش فہمی ہے جناب کو۔“

”لیکن غلط فہمی نہیں.....“ اس نے بھی فوراً کہا۔

دونوں خاموش ہو گئے اور خاموشی کچھ پل ہی رہی اور

شہرینہ کھڑی ہو گئی۔

”مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو مجھے بلا لیجیے گا۔ بات بہت اہم ہے مگر اس وقت نہیں کر سکتی۔“

”میں فارغ ہوں تم کہو۔“ وہ بھی اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

”مجھے ڈائیورس چاہیے۔“ قطعی انداز تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شیر گلن چند پل کوسا کت رہا۔

”اگر میں انکار کروں تو.....“ وہ بھی از حد سنجیدہ ہوا۔

”تو پھر میں آپ کے چچا کو مجبور کروں گی کہ وہ یہ اقدام اٹھائیں۔“ وہ ہنس کر کہنے لگی۔

”وہ ایسا بھی نہیں کریں گے۔“

”تو پھر میں ذاتی طور پر کورٹ میں جاؤں گی۔“ گلن کے چہرے کی مسکراہٹ ختم ہو گئی۔

”کورٹ ڈائیورس لینے کی ریزن پانگے گا۔“

”ریزن دینا میرا کام ہے۔“ وہ مزید بولی۔

”وکیل میں ہوں ہماری عدالتوں میں ڈائیورس لینا اتنا آسان نہیں ہے۔“

”وہ بعد میں دیکھیں گے۔“ وہ اٹل لہجے میں بولی۔ گلن کی آنکھوں میں سرخی پھیلنے لگی۔

”تو ٹھیک ہے..... بڑوں کو راضی کر لو کورٹ میں ہی ملیں گے پھر۔“ وہ دونوں الفاظ میں کہہ کر جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا اور شہرینہ..... وہ عجیب سے بے حس انداز میں اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

❖.....❖.....❖

فائزہ بیگم نے ماہ آرا کی تعزیت کی اور تمام صورت حال پر افسوس کا اظہار کیا وہ خاموش ہی رہی۔

”یہ مت سمجھنا کہ تمہارا ہم سے کوئی سویتلا رشتہ ہے تم نے فائزہ کی کوکھ سے جنم نہیں لیا تو کیا ہوا تم عثمان فاروق کی بیٹی ہو اور ہمیں ہماری فرح کی ہی طرح عزیز ہو بلکہ اب تم ہماری بہو ہو تو فرح سے بھی بڑھ کر عزیز ہو۔“ شہرینہ اب بھی خاموش رہی۔

”ہم نے تمہیں کبھی سویتلا نہیں سمجھا اس لیے تم کوئی غلط بات مت سوچنا۔“ وہ اب بھی خاموش تھی۔ وہ اس کے پاس کافی تک بیٹھی تھیں۔

شایان اور اسد باہر جانے کے لیے نکل رہے تھے۔ لڑکیاں بھی ان کے سر ہو گئیں۔ وہ جب سے اپنی حویلی میں ہی تھی ان سب کا خیال تھا کہ فارم ہاؤس کی طرف گھومتے نکلیں اہل بی سے اجازت مل گئی تھی انہوں نے اسد اور شایان کو ساتھ چلنے کے لیے راضی کر لیا تھا۔

شہرینہ بھی ساتھ جانے کو راضی تھی۔ وہ عصر کے قریب فارم ہاؤس آئے تھے۔ فارم ہاؤس کے ساتھ باغ تھا جس میں امرود کے درخت تھے لڑکیوں کے لیے یہ ایک خوش گوار تفریح تھی۔ کھانا ساتھ تھا سب ہی نے خوب انجوائے کیا تھا۔ شایان اور اسد گھڑ سواری کے لیے اسٹبل کی طرف چلے گئے شایان نے ایک دو چکر لگائے تو گھڑ سواری کی شوقین شہرینہ کا دل چمکنے لگا۔

”شایان..... میں بھی رائیڈنگ کروں گی۔“ وہ اسٹبل کے باہر کھڑی زور سے چلائی۔

”نہیں بھئی ماضی کے تجربات گولہ ہیں کہ تم کوئی مصیبت ہی ملاتی ہو..... اس باتی سے انکار ہے۔“

”لیکن مجھے ضرور کرنی ہے۔“

”شیر گلن بھائی اصرار فارم ہاؤس میں ہی ہیں انہیں خبر ہو گئی تو میری شامت آجائے گی۔“ وہ گھڑ سواری کرتے ہوئے دور سے کہہ رہا تھا۔ شہرینہ نے حیران ہو کر زہیہ کو دیکھا۔

وہ اور زہیہ دونوں اسٹبل کے احاطے کے پاس تھیں جبکہ باقی تینوں امرود کے باغ میں تھیں۔

”یہ شیر گلن کب آیا؟“

”یہ تو ہماری آمد سے پہلے ہی یہاں موجود تھے بلکہ جب ہم آئے تھے تو چونکہ کیرا نے ہی اطلاع دی تھی کہ گلن صاحب دوپہر سے یہاں ہیں کچھ دست ساتھ تھے دوست تو چلے گئے خود اندروں میں سو رہے ہیں۔“

”تو کیا ہوا میں اس سے کون سا رتی ہوں..... لہجہ آؤں

اور گھر سواری نہ کروں اسبابل ہے اب تو لازمی کرنی ہے۔
اس کا انداز اہل تھا۔ زوبیہ نے اسے دیکھا اسے سمجھانا بے کار
تھا۔

”شایان یہ گھوڑا مجھ سے دو تہہ اسد کے ساتھ مل جاؤ مل
کر رہیں لگاتے ہیں۔“ اس نے لوہی آواز میں کہا۔ شایان
نے گھوڑا اس کے قریب لا کر کھڑا کر دیا۔

”دماغ تو ٹھیک ہے..... یہ شیر لگن بھائی کا گھوڑا ہے ہر
ایک کے قابو میں نہیں آئے ولا۔“

”ہاؤ کیر۔“ وہ غصے سے بولی۔
”جب میں نے کہہ دیا کہ میں رائیڈنگ کروں گی تو لازمی
کروں گی..... بار بار اس ہلا کوخن کا نام لے کر مجھے غصہ مت
دلاؤ۔“ شایان ہنس دیا۔

”جگ کہہ رہا ہوں یہ گھوڑا ہر کسی کے قابو میں نہیں آتا۔“ بار
بار بدکتے گھوڑے کو شایان نے حقیقتاً بڑی مشکل سے قابو کیا
ہوا تھا۔

”تم نیچے اترو فوراً اسد و لا تم لے لو۔ مجھے اس پر سواری
کرنی ہے۔“ وہ خند پر اتر آئی۔
”لگن بھائی سے پوچھ لو پہلے۔“

”میں کسی کی غلام نہیں کہ اس سے اجازت لیتی پھروں
اتر نیچے۔“ وہ غصے سے بولی تو وہ نیچے اتر گیا۔
دوسرا گھوڑا شایان نے لے لیا اسد نیچے اتر گیا تھا۔ شہرینہ
گھوڑے پر بیٹھی تو وہ بدکتے لگا اس نے ایک دو بار ہلکی دی تو وہ
نازل ہو گیا۔

”وہ پوائنٹ دیکھ رہے ہو۔“ اس نے تین کلو میٹر دور ایک
برقی کھمبے کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہاں تک پہنچنا ہے جو پہلے
واپس اسی پوائنٹ تک پہنچاؤ ورنہ“ اس نے کہا تو شایان ہنس
دیا۔

”اگر میں جیت گیا تو کیا انعام ہوگا۔“
”جو کہو گے ملے گا۔“

”سوچ لو۔“ اس نے شرارت سے دیکھا۔
”سوچ لیا۔“

”چاہے کوئی بات منوالوں۔“

”بالکل۔“ وہ جذباتی لڑکی تھی جذباتیت میں وہ نفع
نقصان بھول جاتی تھی اس وقت بھی سب بھول بھال کر اس
شرط پر رضی ہو گئی۔

”مکرتا نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر یاد دہانی چاہی۔
”نہیں۔“ وہ ہنس دی۔
”بڑی بات ہے تھے اڑیل گھوڑے کو تم نے نجانے کیسے
قابو کر لیا مجھ سے تو بڑا بدک رہا تھا۔“

”اپنی اپنی پرستاشی ہے۔“ وہ اترائی زوبیہ اور اسد دونوں کو
دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

”لو کے رہیں شروع۔“ شایان نے کہا تو اس نے سر ہلایا۔
”ون..... ٹو..... تھری.....“ اسد نے گفتی کر کے بھاگنے کا
اشارہ کیا۔

گھوڑوں نے بڑی تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا
گھوڑے اسٹبل سے نکلے تو لگن باہر آدھ نیند سے اٹھا تھا وہ
اسد اور زوبیہ کو دیکھ کر چونکا۔

”تم لوگ یہاں.....؟“
”یہاں ہم فارم ہاؤس کی سیر کے لیے آئے تھے ایمان
زائش اور فرح اضر اسد کے باغ میں ہیں اور ہم یہاں۔“ لگن
نے اسٹبل کی طرف دیکھا۔ دونوں گھوڑے عائب تھے۔

”گھوڑے کہاں ہیں؟“ زوبیہ ہنس دی۔
”شایان اور شہرینہ میں رہیں گی ہوئی ہے۔ دونوں کو وہ جو
دور سے کھمبا نظر رہا ہے اس پوائنٹ سے ہو کر واپس آنا ہے۔“
اسد نے بتایا۔

”مالی گاؤ۔“ شہرینہ بھی ساتھ ہے۔“
”ہا تو رہا ہوں اسی نے شایان کے ساتھ رہیں لگائی
ہے۔“ اسد نے مزید بتایا تو وہ پریشان ہو گیا۔

”وائٹ گھوڑا کس کے پاس ہے؟“ لگن اپنے گھوڑے
کے بارے میں بہت حساس تھا غصے سے پوچھا۔

”آپ کی نصف بہتر اسی پر سواری ہیں۔“ زوبیہ نے ہنس کر
کہا تو لگن کے چہرے پر ایک دم سخت توشیش ابھری۔
”نان سٹیس ایڈیٹ..... وہ تو میرے علاوہ کسی اور کے
قابو میں ہی نہیں آتا وہ کیوں اس پر گئی؟“ وہ غصے اور اضطراب

کے بارے میں بہت حساس تھا غصے سے پوچھا۔

نے ہنسنے لگا تھا۔

❖.....❖.....❖

وہ دونوں بیک وقت اس مقام تک آئے اور اس مقام تک
پہنچ کر دونوں نے فوراً گھوڑوں کو واپس کے لیے موڑا تھا۔
شایان کا گھوڑا کافی چست تھا اور شہرینہ وہ پریشان ہو رہی تھی۔

اسے اب پتا چل رہا تھا کہ یہ گھوڑا کوئی عام گھوڑا نہیں تھا۔ وہ
بہت اڑیل تھا نجانے وہ اسے کیسے قابو میں رکھے ہوئے تھی۔
گھوڑا اپنی پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا جبکہ شایان کا گھوڑا

ابھی پیچھے تھا کچھ اور آگے کر گھوڑے نے بھاگنے سے انکار
کر کے اچھلتا شروع کر دیا شہرینہ بڑی مشکل سے اس کی
ہائیں تھا اسے قابو کرنے کی کوشش میں تھی لیکن گھوڑا اپنی

پر اتر آیا تھا۔ گھوڑے کو بمشکل قابو میں کرتے ہوئے شہرینہ
نے سیدھا چالے جانا تھا چارم ہاؤس کا رستہ تھا لیکن گھوڑا
سیدھا جانے کے بجائے بائیں طرف مڑ گیا بائیں طرف نہر

کی پٹری تھی۔ یہ فارم ہاؤس نہر کے عقبی سمت میں کچھ فاصلے پر
تھی کنارے پر کچھ کھیت تھی اور پھر فارم ہاؤس تھا۔
شہرینہ کے ہاتھوں کے اب حقیقتاً طوطے اڑے تھے گھوڑا

رفتار سے سر پٹ نہر کی پٹری پر بھاگ رہا تھا۔ شہرینہ کے
اختیار سے بالکل باہر تھا وہ اس قدر رفتار سے بھاگ رہا تھا کہ
اب شہرینہ کو لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے گھوڑے سے نیچے کر

جائے گی کچھ دیر بعد وہ واقعی نیچے گر گئی لیکن بد قسمتی سے اس کا
پاؤں زمین میں پھنس گیا تھا وہ گھوڑی دور تک گھوڑے کے
ساتھ ہٹتی رہی اور پھر اس کی چیخیں بے اختیار نکل رہی تھیں۔

گھوڑے کی رفتار اتنی زیادہ تھی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
اور چند لمحوں بعد اس کا پاؤں زمین سے نکلنا وہ دھڑام سے نیچے
گری نجانے نیچے کیا چیز تھی اس کا سر اس سے لگا اور پھر اس

کے بعد شہرینہ کو کوئی ہوش نہ رہا تھا۔

❖.....❖.....❖

شایان نے شہرینہ کے گھوڑے کو بے قابو ہوتے اور غلط
سمت میں مڑتے دیکھا تھا اس کے لہران خطا ہو گئے تھے اس
نے اپنے گھوڑے کی رفتار بڑھائی لیکن سفید گھوڑا اس بالکل
بے قابو ہو چکا تھا اس کی رفتار شایان کے گھوڑے کی رفتار سے

بہت زیادہ تھی۔ وہ کافی آگے جا چکا تھا شایان نے گھوڑے کی
لگائی کھینچیں اس نے فوراً جیب سے موبائل نکال کر اسد کو کال
کی۔

”شہرینہ کا گھوڑا بے قابو ہو چکا ہے وہ نہر کی پٹری کی
طرف نکل گیا ہے۔ وہ کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا۔ میں اسی
طرف جا رہا ہوں فوراً کسی کو کھیجیو۔“ اس نے کال کاٹی اور پھر

تیزی سے گھوڑے کو پھانسیا تھا۔

❖.....❖.....❖

لگن پریشانی میں ٹھہل رہا تھا جب اسد کے پاس شایان
کال آئی اس نے لگن کو بتایا تو اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس نے
فوراً زمین کا وائیں دینا شروع کر دیں اور خود تیز رفتاری سے

اسٹبل میں سے تیسرا گھوڑا نکال کر اسد کو چند بدلیات دیتے
ہوئے گھوڑا سر پٹ دوڑا دیا تھا۔

یہ گھوڑے ان کے ہاتھ تھے جو ان کے سدھائے ہوئے
تھے اور بار برداری کے بھی کام آتے تھے لیکن اب شہرینہ جو کہ
چکی تھی اس کے بارے میں سوچ کر لگن کا دلے پریشانی کے

برا حال تھا۔ وہ شایان کے پیچھے جانے کی بجائے دوسری سمت
سے نہر کی پٹری کی طرف آ گیا تھا۔

اس نے دیکھا سفید گھوڑا بہت تیزی سے بھاگ رہا تھا۔
وہ ابھی کافی دور تھا کہ اس نے شہرینہ کو گرتے اور گھوڑے کے
ساتھ کھینچنے اور پھر نیچے گرتے دیکھا دوسری طرف سے

شایان بھی کھینچ گیا تھا۔ شایان کو شہرینہ کے قریب رک کر
گھوڑے سے چھلانگ لگاتے دیکھ کر لگن و ہنس سے مڑ گیا۔
کچھ دیر میں اس نے سفید گھوڑے کو چالیا تھا اور پھر اپنا

گھوڑا اچھڑا کر وہ اس پر کود گیا تھا۔ بہت مشکل سے وہ قابو کر پایا
تھا۔ وہ واپس پلٹا شہرینہ کے پاس آ کر رکا۔

شہرینہ بے ہوش تھی اور شایان اسے ہوش میں لانے کی
کوشش کر رہا تھا۔ سر پر چوٹ لگی تھی خون تیزی سے بہہ رہا
تھا۔

”مالی گاؤ۔“ لگن از حد پریشان ہوا۔

”یہ تو بہت انجڑ ہے۔“ اس نے اسے فوراً سیدھا کیا۔

وہ سمجھ سکا تھا کہ شہرینہ کوئی عام لڑکی نہ تھی جو اس قدر جلدی

بے ہوش ہو جاتی تھیں چوت کافی شدید تھی۔
”اس کو فارم ہاؤس لے چلیں۔“ لگن نے وقت ضائع
کیے بغیر فوراً کہا۔

”لیکن کیسے یہ بے ہوش ہے۔“ شایان پریشان ہوا۔
”میں لے جاتا ہوں تم دوسرے گھوڑے کو لے کر جلدی
پہنچو۔“ شایان کی مدد سے بے ہوش شہرینہ کو بمشکل سنبھالنے
شیر لگن خود بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔

وہ اسے لے کر فارم ہاؤس آیا تو سب ہی لڑکیوں کی
شہرینہ کو دیکھ کر چھین لگی گئی تھیں وہ لڑکیوں کی مدد سے اسے اندر
کمرے میں لے آیا تھا۔ شہرینہ کے سر سے ابھی بھی خون بہہ
رہا تھا وہ مسلسل بے ہوش تھی۔ لگن نے کسی کو کال کی اور پھر
اسے فوراً اپنے کمرے کو بٹا ڈاکٹر لے گیا۔
”پانی لاؤ۔“ اس نے پریشان سے فرح کو کہا اور خود شہرینہ
کے پاس بیٹھ گیا۔

”شہرینہ.....“ وہ استے آوازیں دے رہا تھا۔ جبکہ زویہ اور
ایمان اس کے ہاتھ پاؤں ملنے لگیں۔

”شہرینہ..... شہرینہ.....“ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔
خون سے تکیہ رگڑتے ہوئے شہرینہ لگن کا آف وائٹ
سوٹ جا بجا خون سے رنگین ہو گیا تھا۔

فرح بانی لائی اور اس کے منہ پر چھینٹے مارے لیکن کوئی
فائدہ نہ ہوا لگن نے توبے سے اس کے سر کا ڈرم چیک کرتے
ہوئے خون صاف کیا اور کوئی فرسٹ ایڈ باکس تو تھا نہیں جو
فورا مہم پی کرتا۔

”اگر زیادہ مسئلہ ہے تو کسی اسپتال لے چلتے ہیں۔“ اسد
نے کہا تو لگن خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر آ گیا اور ساتھ ہی
شایان بھی۔

ڈاکٹر کی موجودگی میں شہرینہ پر چادر ڈال کر سب لڑکیاں
باہر نکل گئی تھیں۔ شایان اسد اور لگن پاس رک گئے تھے۔
”جوٹ کیسے لگی؟“

”گھوڑے سے گر گئی تھیں۔“ وہ ڈرم صاف کر کے خون
روکنے کا بندوبست کرنے لگے۔ خون رکنا تو اب وہ اسے ہوش
میں لانے کی کوشش میں تھے۔ اس نے دو تین آنکھیں

لگا ئے۔

تھوڑی دیر بعد شہرینہ کے وجود میں حرکت ہوئی۔ وہ کراہ
رہی تھی اور پھر اس نے آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں کھولنے پر
اسے سب سے پہلے جو چہرہ دکھائی دیا وہ شیر لگن کا تھا بہت
پریشان اور الجھا ہوا۔ وہ حواسوں میں نہیں تھی اس نے دوبارہ
آنکھیں بند کر لیں۔

”شہرینہ۔“ لگن نے ایک دم پریشان ہو کر پکارا تو اس
نے پھر آنکھیں کھولیں۔

”کیسی ہوا ہے؟“ اس نے پوچھا مگر وہ خاموش رہی۔
اسے اپنے سر سے درد کی ٹیسیں اُٹتی محسوس ہورہی تھیں
تکلیف کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

”ری لیکس، ٹیک اپ ایڑی۔“ درد کی وجہ سے اس کی
آنکھوں سے پانی بہاؤ لگن نے فوراً اس کے کندھے پر ہاتھ
رکھ کر کہا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا ڈرنٹ دری۔“ اس نے تسلی دی۔
شہرینہ نے آنکھیں بند کر لیں تو کئی آنسوؤں کرسائیزڈوں پر
گرے تھے۔

”ڈرم کافی گہرا ہے لیکن پریشانی دلی بات نہیں۔“ ڈاکٹر
نے تسلی دی۔

”کوئی اور ڈرم تو نہیں؟“ ڈاکٹر نے پوچھا تو لگن نے
شہرینہ کو دکھایا۔

”شہرینہ۔“ اس نے آنکھیں کھولیں۔
”کہیں اور درد وغیرہ نہیں؟“ وہ خاموش رہی۔

اس نے لیٹے لیٹے ہی اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے چاہے
لیکن بایاں پاؤں اس سے نہیں ہلایا گیا وہاں شدید درد تھا۔ اس
نے دوبارہ پاؤں کو حرکت دی تو حلق سے چیخ نکل گئی۔

”میرا پاؤں۔“ زمین میں پھنس جانے کی وجہ سے اس کا
پیر کافی زخمی تھا ڈاکٹر نے دونوں پیر دیکھے اور پھر بایاں پیر دیکھ
کر ایک گہرا سانس لیا پیر پر جا بجا ٹیبل تھے ساتھ ساتھ جن بھی
تھی۔

”آئی تھنک پاؤں کی ہڈی فریکچر ہو گئی ہے۔“ پیر میں
شدید درد تھا رہا تھا ڈاکٹر نے پیر پر ہاتھ رکھا تو شہرینہ کی چھین

نرا احسنین کے قلم سے لگی

دل کے تاروں کو چھسیڑتی محبت کی ایک اچھوتی داستان
خوابوں کی سرزمین اسپین میں ہو اور وحول کا ملن جن کے دل زخموں سے
چپاک تھے تو بدن برسوں کی تھکن سے چور آپ بہت جلد حجاب
کی نگری میں ملیں گے

نکستہ

عشق نگر کمر فضا

عشق کے ہر انگ میں رنگ ہے تو وفاؤں کا بھی اک انوکھا ڈھنگ ہے

عشق نگر کمر فضا

حسن کی ادا کو رد حاصل ہے تو عشق میں کھیلے گئے داؤ کا بھی اک بھاؤ ہے

ہوس کے نشے میں چور مجرم اپنے ہی گھر کو نشانہ بنا کر گناہ گار ٹھہرتا ہے
محبت اور انا کی جنگ لڑتے کرداروں سے متعارف کراتی خوب صورت تحریر

کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ کرنا نہ بھولیں

حجاب

بے اختیار تھیں۔
”پلیز ڈونٹ شی۔“

”میرا خیال ہے کہ انہیں کسی اچھے سے اسپتال لے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔“ ڈاکٹر نے جتنی دے دی۔

گاڑی موجود تھی لیکن نے حویلی کال کر کے دوسری گاڑی لائے تو کہا اور اسد کو ہدایت کی کہ دوسری گاڑی آتے ہی وہ تمام لڑکیوں کو لے کر حویلی چلا جائے۔ وہ اور شایان شہرینہ کو لے کر نزدیکی اسپتال جا رہے ہیں۔

فرح نے بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا تو لیکن اسے ساتھ لے لے پانی سب کو اسد کے ساتھ حویلی چلے جانے کی تاکید کر دی تھی۔

اسپتال آ کر وہ اسے ایمر جنسی میں لے آئے، تحصیل کی سطر پر ایک اچھا پرائیوٹ اسپتال تھا۔ انہیں فوراً دیکھا گیا۔ پیر کی ہڈی فریج پر رکھی ڈاکٹر نے فوری طبی امداد دینا شروع کر دی تھی۔

❖.....❖

رات کو حویلی سے فائزہ بیگم ماں بی اور پھوپھی آگئی تھیں۔ شہرینہ کو دم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ غنودگی میں تھی۔ لیکن نے سب ہی لڑکیوں کو اسد اور شایان سب کو جتنی سے اصل بات بتانے سے منع کر دیا تھا ماں بی کو بھی اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ درخت سے گر گئی تھی۔ وہ رات سارا وقت اسپتال میں رہے لگے دن وہ ہوش میں آئی تو اسے بخار نے آ لیا تھا جسم شدید درد کر رہا تھا۔

جسم کے رویوں میں درد تھا لیکن وہ کسی سے بھی کہنے سے قاصر تھی۔ لیکن مسلسل اس کے پاس تھا۔ شایان ساتھ تھا فرح فائزہ بیگم ماں بی اور پھوپھی سب ہی پریشان تھیں۔

لگے دن دو پہر تک وہ اسپتال رہی اور پھر اس کے چند ٹیسٹ لینے کے بعد ڈاکٹر نے اسے ڈسچارج کر دیا تھا۔

فرح فائزہ پھوپھی والے تھے اسے سہارا دینے والے وہ لوگ گھر آ گئے تھے۔ حویلی آ کر بھی اسے کمرے میں لٹا دیا گیا تھا۔ کسی نے بھی اسے حادثے کی وجہ کو موضوع گفتگو نہیں

بنایا لیکن نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرے گی۔ وہ کمرے میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔ پریزی کھانے پھل اور جوس وغیرہ اس کے کمرے میں رکھ دیے گئے تھے۔

ہر کوئی اس کی تیمارداری کے لیے سرگرم عمل تھا گھر آنے کے بعد لیکن کمرے میں نہیں آتا تھا۔ رات میں فرح نے سب کو جا کر سونے کا کہا وہ فرح کے ساتھ ہی تھی۔ فرح اس کا خیال رکھ رہی تھی رات گئے لیکن کمرے میں آیا۔

”کیسی طبیعت ہے اب اس کی؟“ وہ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی جب لیکن کی آواز پر سنا کہ ہوئی۔

”چوت اور پھر فریج ہوا ہے اب تو کچھ دن لگیں گے سب

دھم کو ہونے میں۔“

”کوئی مسئلہ تو نہیں ڈاکٹر کی تو ضرورت نہیں؟“

”نہیں سوری ہے ابھی تو میڈیسن دی ہے اسے شاید یہ

اب بات بھروسے۔“

”تم ایسا کرنا آرام کرو میں اس کے پاس ہوں۔“ اس نے

فرح سے کہا۔

”آرام کی تو آپ کو بھی ضرورت ہے۔“

”ڈونٹ وری گھر آ کر دو تین گھنٹے آرام کر لیا تھا تم

ریٹ کرو دو دن بعد فکشن ہے تمہارے لیے نیند زیادہ

ضروری ہے۔“

”لیکن آپ.....“

”اُس لوگ..... میرے دم میں چلی جاؤ ورنہ اور بیڈ پر

لیٹ جاؤ۔“ لیکن نے کہا۔ اس نے چند لمبے لیکن کو اور پھر

شہرینہ کو دیکھا۔

وہ جانتی تھی شہرینہ سوئی ہوئی نہیں ہے محض آنکھیں بند

کیے ہوئے تھی وہ مسکرائی۔

”میں آپ کے دم میں چلی جاتی ہوں۔“ وہ چلی گئی۔

شہرینہ عجیب سی بے بسی میں تھی اس وقت وہ لیکن کے

ساتھ کمرے میں تھا تھی۔ لیکن فرح کے جانے کے بعد بیڈ کے قریب آیا اور بستر کے کنارے بیٹھا تو شہرینہ کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکتا تھا اس نے شہرینہ کی نبض چیک کی اس کی

پیشانی پر ہاتھ رکھا تو شہرینہ کی پلکیں لرزے لگیں۔
”شہرینہ.....“ اس نے پکارا تو اس کی آنکھوں کی لڑش ایک دم بڑھ گئی تھی۔

”شہرینہ جاگ رہی ہو؟“ اس نے دوبارہ پوچھا۔

”شہری۔“ لیکن کے لہجے میں تجاہل نہ کیا تاثر تھا۔

اس بیکار میں کسی تاثر بھی کہ شہرینہ کی پلکیں بے اختیار نیم

وا ہوئیں لیکن اسے دیکھ رہا تھا تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

”کیسی ہو؟“ اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

وہ اس شخص سے ہر موڑ پر نفرت کا اظہار کرتی آئی تھی حتیٰ

کہ ایک دن پہلے اس سے واضح الفاظ میں طلاق کی بات

کر چکی تھی اور اب اس کے کرم کی بارش میں جھجک رہی تھی۔

”نہیں زیادہ درو تھیں؟“ وہ نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا اور

ساتھ ہی اس کے الفاظوں میں عجیب سی گرمی بھی تھی۔ اس

نے ہاں میں سر ہلایا تو لیکن چونکا۔

”کہاں؟“

”میرے سارے جسم میں شدید درد ہے۔“ وہ آہستہ سے

بولی تو لیکن ایک لمبے کولا جواب ہو گیا۔

”ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو جائے گا بلکہ کسی بھی چیز کی

ضرورت نہ ہو مجھے کہو۔“

”بابا بابا کو اطلاع کرو؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں، منگنی پر آئیں گے تو علم ہو ہی جائے گا۔“ شیر لیکن

کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے مزاج پر کیا بات گراں گزر

جائے یہ سوچ کر خاموش رہا۔

رات کے کسی پہر اس کی آنکھ لگی گئی لیکن پاؤں کے درد

کی وجہ سے آنکھ کھلی تو وہ اس کے ساتھ تھا۔ مکمل طور پر دھیان

رکھے ہوئے۔ وہ ساری رات شہرینہ کی عجیب سے اضطراب

میں گزر رہی تھی۔ وہ عجیب سے دریا ہے پتا لگتی تھی۔

صبح کے قریب وہ نڈھال سی تھی اور شیر لیکن اس کی دلجوئی

کر رہا تھا۔ تسلی و دلا سے رہا تھا۔ لگے دن کا سورج طلوع

ہوا تو شہرینہ کو لگا کہ اس کا وجود یا پھر نہیں گیا ہو۔

وہ اب تک شیر لیکن سے ”مجھے تم سے نفرت ہے“ کہتی اس

سب کا جینا حرام کیے ہوئے تھی اور اب ایک دم اس کا دل

بدلنے لگا تھا۔

صبح کے قریب فرح کمرے میں آئی اور شیر لیکن چلا گیا لیکن شہرینہ کو لگ رہا تھا کہ اس کے تمام احساسات بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوا لگا دن اس کے لیے بڑا تکلیف دہ تھا۔

فرح کے سرال سے بہت لوگ اس کی عیادت کاتے تھے وہ کافی دیر کے رہے ان کے جانے کے بعد وہ دوبارہ بستر پر دراز ہوئی۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ نیل کے نشان تھے فرح مختلف نشاںوں پر مرہم لگا رہی تھی۔

”میرے بھائی بہت اچھے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی بیمار ہو جائے تو وہ ہمارے لیے ساری ساری رات جاگتے رہتے ہیں ان کے دل میں ہمارے لیے جو احساسات ہیں وہ

شاہد ہی کسی اور بہن بھائی میں ہو وہ تم سے شدید محبت کرتے

ہیں..... میں دیکھ رہی ہوں وہ تین دن سے بے حد پریشان

ہیں انہیں صرف تمہاری پروا ہے۔“ وہ اسی کے زخموں پر مرہم

لگاتے ہوئے دیر سے دیر سے ہاتھ لگتی تھی۔ شہرینہ کو لگ رہا تھا

کہ اس کے دل کی کیفیت بدل رہی ہے۔ وہ لکٹی ہوئی نیم

غنودگی میں تھی۔

شیر لیکن کمرے میں آیا تو اس نے اشارے سے فرح کو

بولنے سے منع کیا مبادا اس کی نظر نہ پڑ جائے۔ وہ خاموشی سے

باہر نکل گئی تو وہ اس کے پاس آ بیٹھا۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا

تو وہ جل رہی تھی۔

”شہری۔“ اس نے پکارا تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول

دیں۔

”کل فرح کی منگنی کا فکشن ہے..... میں نے بابا

صاحب اور ماں بی سے بات کی ہے تمہیں یہ رشتہ قبول نہیں

اب وہی ہو گا جو تم چاہو گی تمہیں زبردستی یہ رشتہ بھانے پر کوئی

مجبور نہیں کرے گا۔“ وہ کم صدم اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی بات

کے اختتام پر مسکرایا۔

”چچا جان اور خالہ دہی ہیں ان سے بھی بات ہو جائے گی

لوگ۔“ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

”پہیز بخوا لے ہیں میں نے۔ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی

ہو گا..... زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ یہی تو وہ

چاہتی تھی اور اب وہ مرثہ جاں سنا رہا تھا تو اتنی سادگی کیوں تھی اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا ایک ناپسندیدہ انسان اور اس رشتے سے جان چھوٹ دہائی گی لیکن وہ سادگی اس کی آنکھوں میں کچھ لٹکا ٹھہرے ہوئے ہوش تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کی نگاہوں کے سامنے جاں بخواروں کے جھون سے لگن وہ قیص تھی اور پھر جس طرح وہ اس کے لیے خوار ہوا وہ تو جنوں کی حد تک اس سے نفرت کرتی تھی پھر اس کا احساس کیوں بدل رہا تھا اس کے جنوں کی جگہ یہ کہ سنا یا جذبہ لبر تھا وہ چند لمبے بیٹھا اسے دیکھتا رہا وہ اٹھنے لگا تو شہرینہ کے کپوں سے ایک سسکی سی نکل گئی۔

”کیا ہوا؟“ شہرینہ نے بازو اس کی طرف بڑھایا۔
”مجھے بیٹھنا ہے لیٹے لیٹے میری کمر کھینکے گی ہے۔“ لگن نے اس کا بازو پکڑ کر سہارا دے کر اسے بستر پر بٹھا دیا۔
”ماما پاپا کو اس اسکینڈل کا علم ہے کیا؟“ اس نے لگن کو بغور دیکھا۔

”نہیں..... میں نے انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔“ وہ خاموش رہی۔

”کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں؟“ لگن نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کچھ پرکھڑا رہا اور پھر چلا گیا وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ اس پر وہاں کی غنودگی چھانے لگی تو وہ لیٹ گئی۔ وہ نیم غنودگی کی کیفیت میں تھی اس کے کانوں میں کچھ آوازیں آئیں۔ اماں بلی فائزرہ اور فرح تھیں کمرے میں۔

”ماہ آؤنے جو کچھ کیا اس کے بعد ہم نے اپنا دل وسیع کر لیا تھا صرف اور صرف اپنی بیٹی فائقہ کے لیے شہرینہ ہمارا خون بھی ہم خود غرض نہیں ہیں ہم نے ساری عمر بھی اسے ان چاہا ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا لیکن اب آ کر ہمارا دل دھکے لگا ہے فائقہ نے تو ماں بن کر پالا تھا لیکن ماہ آؤ کو کچھ کر وہ سب بھول گئی اب اسے نہ ہم اچھے لگتے ہیں اور نہ ہی ہماری اولاد لگن دیکھی ہے میں جانتی ہوں وہ کس دل سے یہ فیصلہ کر رہا ہے لیکن کیا فائدہ بھجوری کے رشتے بھائے بھی تو نہیں جاتے ساری عمر فائقہ نے نہ کرادی تھی اور اب شیر لگن اور شہرینہ کی

زندگی کو میں امتحان نہیں بنانا چاہتی لگن نے بات کی ہے عثمان اور فائقہ آتے ہیں تو حتیٰ فیصلہ کریں گے ہم لوگ۔“ ان کا انداز بہت رنجیدہ تھا۔ نیم غنودگی میں ڈوبتا وہ ایک دم ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا تو وہ آنکھیں بند کیے سب نلتی رہی۔

”چھوٹے موٹے اختلافات تھے..... شہرینہ ایسا کیوں کر رہی ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا؟“

”بچی بری نہیں ہے..... بس ہم سب نے سمجھنے میں غلطی کر دی مجھے لگتا ہے یہ سب ضد میں کر رہی ہے ورنہ دل کی تو کبھی بھی بری نہ تھی۔“

”لگن کے اس فیصلے کو میرا دل نہیں مان رہا..... یہ سو کر اٹھتی ہے تو میں اس سے بات کروں گی۔“

”چلو تم بھی کرو کچھ۔“ اماں بلی رنجیدہ سی کہہ کر اٹھ گئیں۔ فائزرہ اس کے متعلق فرح سے بات کرنے لگیں۔

فرح ماہ آؤ کے متعلق پوچھ رہی تھی فائزرہ بیگم اسے سب بتا رہی تھیں اور فرح حیرانی سے سن رہی تھی۔

♦.....♦

وہ عجیب سی کیفیت میں تھی۔ اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا وہ بالکل تنہا تھی۔ پاؤں فریج پر ہونا اس کی اپنی غلطی کا نتیجہ تھا۔ شایان نے اسے اس گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کیا تھا اور اس نے شیر لگن کی ضد میں اس پر سواری کی تھی نتیجہ تو سامنے تھا لیکن اسے ایک جگہ بیٹھ کر سب کچھ سوچنے کا موقع مل رہا تھا۔ سب کی محبتیں دکھائی دے رہی تھیں وہ اپنی ضد میں بہت کچھ تباہ کر رہی تھی یہ لوگ اتنے برس تو نہ تھے خود کو بدل سکتی تھی لیکن وہ خود کو بدلنے کے لیے تیار نہیں تھی لیکن اب اس کا دل بدل رہا تھا وہ کہنیوں کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے موبائل نکالا تو چونکی۔

”کیسی ہو؟“

”جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ سب بہت پریشان ہیں سب ہی تمہیں چلتا پھرتا صحت مند دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”گیٹ ویل سون۔“

کئی سیجر تھے جو شیر لگن کی جانب سے آئے ہوئے تھے۔ وہ آج سارا دن اس کی منتظر رہی لیکن وہ اس کے کمرے

میں نہیں آیا اور اب اسے سارے میجر۔
”مجھے کورٹ میں ایک کام تھا۔ میں شہر آیا ہوا ہوں کل فرح کی مفتی کے فنکشن میں شامل ہوں گا۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر موبائل ایک طرف رکھ دیا۔ وہ بالکل ایمان داری سے اپنا تجربہ کرنا چاہتی تھی۔

ان لوگوں کی محبتوں میں کوئی شک نہ تھا شیر لگن سے مامی میں جو بھی اختلافات تھے وہ سب مامی کا حصہ بن چکے تھے وہ محض ضد اور اپنے جنوں میں اسے چھوڑنا چاہتی تھی لیکن اب سب کی باتیں سن کر اور رویداد کچھ اور الجھ کر رہی تھی۔

لگن اسے صاف الفاظ میں کہہ چکا تھا کہ وہ اسے چھوڑ دے گا یہ جان کر تو اسے خوش ہونا چاہیے تھا جبکہ وہ غم زدہ تھی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ پریشان اور ہونے والے نقصان پر ماتم کناس تھی تھی ان لوگوں کی دل وسیع تھے انہوں نے ایک ایسی لڑکی کو اپنے درمیان جگہ دی تھی جس کی ماں کا مامی کوئی قابل فخر نہ تھا لیکن وہ تو عثمان فاروق کے حوالے سے جانی جاتی تھی اب بھلا کس چیز کا ذکر تھا۔

فرح کمرے میں آئی تو وہ اس طرح مسمم ٹپٹی ہوئی تھی۔ فرح نے آج مہندی لگوائی تھی۔

ماہر سٹانے والی آوازوں سے لگ رہا تھا کہ وہاں کافی گہما گہما ہے۔

”یار..... کیا مصیبت ہے تم نے عین فنکشن کے دن یہ چوٹ لگوائی..... وہاں سب ہی ہلکے گھر رہی ہیں اور تم ادھر ہو مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔“

”میں ٹھیک ہوں۔ تم جا کر انجوائے کرو تمہاری زندگی کا اتنا اہم فنکشن ہے تم کیوں کمر کر رہی ہو یہ سب۔“

”ایک بات کہوں؟“ اس نے فرح کو دیکھا۔

”تم واقعی لگن بھائی کو چھوڑ رہی ہو؟“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”پلیز ایسا مت کرو شیر لگن بھائی بہت اچھے ہیں وہ تم سے واقعی بہت محبت کرتے ہیں آج شہر گئے ہوئے تھے تھوڑی تھوڑی دیر بعد کال کر کے پل پل تمہاری خبر لے رہے ہیں وہ غصے کے تیز ہیں شروع میں کچھ کہہ دیا تھا لیکن دل کے

”میں نہیں ہوں۔“

”وہ کل آ جائیں گے کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”میں لیٹے لیٹے تھک گئی ہوں اب ڈرم کافی بہتر ہیں تم لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ باہر لے جایا کرو۔“ اس نے کہا تو فرح مسکرائی۔

”اچھا..... اماں بلی نے یہ کچھ چیزیں دی ہیں کہہ رہی تھیں کہ تمہیں دکھا دوں رکھنی ہیں کہ وہاں کرنی ہیں۔“ اس نے پلو میں بندھی ہوئی چیزیں اس کے سامنے کیں۔ ان میں ایک بریسلٹ تھا جو کچھ دن پہلے دکھا رہی تھیں ایک خوب صورت سی انگوٹھی تھی اور ایک چین۔

”یہ سب کچھ ماما نے تمہارے لیے بٹھوایا تھا۔“ اس نے وہ تینوں چیزیں اٹھائیں۔ بریسلٹ بہت پیرا تھا انگوٹھی اور چین بھی اچھی تھیں۔

”مجھے ذاتی طور پر گولڈ پسند نہیں لیکن یہ میں ضرور لوں گی..... بڑی ماما کو شکس کہنا۔“ اس نے انگوٹھی پھینکی اور بریسلٹ بھی لے لیا تھا۔

”ایک اور بات یہ چین بھائی لائے تھے باہر سے تم شاید ان سے نہ سنی انہوں نے ماما کو دی تھی کہ تمہیں دے دیں۔“ وہ کم مسمی ہو گئی۔

”میں کسی کو بلوائی ہوں تمہیں سہارا دے کر باہر لے جاتے ہیں۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

♦.....♦

مفتی کی تقریب میں کافی لوگ آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی خوب صورت لباس زیب تن کیے فرح سے ہلکا پھلکا ایک اپ کروا کر بڑے ہال میں آ بیٹھی تھی۔ فائقہ اور عثمان کی آمد ہوئی تو وہ دونوں اسے دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

”یہ کیا ہوا..... اور کیسے؟“ فائقہ زبرد پریشان ہوئیں۔

”ریٹیکس ماما آئی ایم فائن بس چھوٹی سی انجری ہے۔“ فرح انہیں تفصیل بتانے لگی کہ کیسی یہ چوٹیں لگیں۔

”آپ کو کیا ضرورت تھی درخت پر چڑھنے کی؟“ عثمان صاحب نے بھی کہا۔

”جو ہوتا تھا وہ ہو گیا اب اس کا دھیان بناؤ اور اس پریشان ہوگی۔“ فائزہ نے دونوں کو کہا تو دونوں خاموش ہو گئے۔
فنکشن میں ایک دو بار شیر لگن سے سامنا ہوا..... جب وہ کسی کام سے ایک دو بار ہال میں آیا تھا۔

سلام دعا اور خال خال کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی وہ بہت مصروف تھا مگنی کا فنکشن بہت اچھا رہا اور فنکشن کے بعد بھی کافی ہلا گلہ ہوتا رہا تھا۔ وہ تھک گئی تو لڑکیوں کے سہارے واپس کمرے میں آ گئی وہ ابھی بستر پر لیٹی ہی تھی کہ فرح چلی آئی۔
”باہر سب تمہارے اور لگن بھائی کے رشتے پر میٹنگ کر رہے ہیں۔“
”تو پھر کیا فیصلہ ہوا؟“

”فیصلہ تو نہیں کرنا ہے۔“ اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ کافی دیر گزر چکی تھی پھر ملایا پاس کے پاس آئے۔ فائزہ خاموش تھیں عثمان فاروق نے ہی بات کی۔
”آپ نے لگن سے رشتہ ختم کرنے کی بات کی تھی؟“
معاملہ سب بڑوں کے علم میں آیا ہے ہم نے ہر پہلو پر غور کر لیا ہے آپ بتائیں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟“ وہ کم صبر ہی رہی۔
”میرے فیصلے کو مانا جائے گا کیا؟“ اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو عثمان فاروق نے کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

”تو پھر میں سوچ کر جواب دوں گی۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تو دونوں حیران ہوئے۔

”مطلب؟“
”نہ مجھے کسی سے نفرت ہے اور نہ ہی کسی سے ذاتی دشمنی؟“
جب یہ لوگ مجھے میری خوبیوں خامیوں سمیت قبول کریں گے تو شاید میرے اندر بھی چمک پیدا ہو جائے۔“ انداز ابھی بھی قطعی تھا۔

”جو بھی فیصلہ کرو یہ یاد رکھنا تمہارے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ بعض اوقات انسان اپنے ساتھ خود ہی زیادتی کر جاتا ہے اور پھر وقت گزر جانے کے بعد پچھتا تا ہے مگر ازالے کے لیے پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔“ خوش رہی میں تمہارا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔“

عثمان صاحب نے اس کی ذات کی برتری کو قبول کر لیا تھا۔ وہ آنکھوں میں پانی لیے آئیں دیکھتی رہی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر چلے گئے تھے۔

❖.....❖

لگنے دن عثمان اور فائزہ چلے گئے وہ باؤں ٹھیک ہونے تک یہیں رک گئی رہی باقی چیدہ چیدہ لوگ بھی رخصت ہو گئے تھے۔ اس کے بعد پھر کسی نے اس سے بات نہیں کی اور نہ ہی اس کا فیصلہ پوچھا تھا۔ اس دن وہ لباس بدل کر فریش ہو کر بیٹھی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اخبار دیکھ رہی تھی۔ اسے ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔

”یس۔“ شیر لگن کو دیکھ کر وہ چونکی۔
”کیسی ہو؟“ شہرینہ نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔
”ابور پاؤں؟“
”کافی بہتر ہے ڈاکٹر باقاعدگی سے پیڑنٹنگ کر رہا ہے۔“
دونوں کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔
”پچانے شاید تم سے کوئی بات کی تھی؟“ اس نے پوچھا۔
”کون سی بات؟“
”ہمارے رشتے کے متعلق۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں نے ان سے کچھ وقت مانگ لیا تھا۔“
”میرا خیال ہے تم فیصلہ کر چکی تھیں اب یہ وقت لینا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”آپ نے میری ذات کو سمجھنے کی کوشش ہی کب کی؟“
اس کے لہجے میں عجیب سی شکایت تھی۔ اس نے چونک کر اسے غور دیکھا تو حیران رہ گیا۔
شہرینہ کے گلے میں اس کی دی ہوئی چین تھی وہ اس کے لیے یہ گفٹ خاص طہ پر لایا تھا لیکن وہ شاید اس سے نہ لیتی سو اس نے فائزہ کو دے دی تھی۔ اسے یقین نہ تھا کہ وہ پہننے کی لیکن اس نے وہ چین پہن رکھی تھی۔
”یہ چین.....؟“ اس نے گلے کی طرف اشارہ کیا تو اس نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا۔

”یہ..... یہ تو بڑی ماما نے دی تھی۔“ انداز نارمل تھا وہ خاموش ہو گیا۔

”میں کچھ دن کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔“ وہ کھڑا ہوا اور اسے سرسری سا بتایا۔

”تو مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔ اصل میں میں اس بیڈ ریٹ سے بے زار ہو چکی ہوں۔ وہاں کان کنج میں میرا پراجیکٹ ورک بھی منتظر ہے کافی دن ہو گئے ہیں آئے ہوئے اس بات کو چاہیے۔“ اس نے وضاحت سے کہا۔
”اماں بی سے پوچھ لو میں لے چلوں گا۔“ وہ کہہ کر چلا گیا۔
اس نے فرح کے ذریعے اماں بی سے پوچھا تو انہوں نے اجازت دے دی۔ فرح نے اس کی پیگنگ کر دی تھی۔
لگنے دن وہ لگن کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھی۔ اماں بی نے اسے بہت سا پیار کیا۔
”جو بھی فیصلہ کرنا بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔“
”جی۔“

وہ بابا صاحب سے بھی ملی اور پھر گاڑی میں لگن کے سہارے بیٹھی۔

ایئر پورٹ تک ڈرائیور چھوڑنے آیا تھا اور پھر وہاں سے اسلام آباد جانا تھا۔ وہ لگن کے سہارے چلتی رہی گھر سے گاڑی آئی تھی اسے لینے لگن نے اسے گاڑی میں بٹھا دیا تھا۔
”ڈرائیور آپ کو گھر لے جائے گا۔“ اس نے کھڑکی میں جھک کر کہا تو شہرینہ چونکی۔

”کیا آپ مجھے یہیں سے اللہ حافظ کہہ رہے ہیں گھر نہیں چھوڑنے جائیں گے۔“
”مجھے ایک کام ہے۔“ لگن نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے بات کاٹ دی۔

”آپ کے یہ کام مجھ سے زیادہ اہم ہیں کیا؟“ وہ حیران ہوا تو اس نے ڈرائیور کو دیکھا۔

”یو ڈرائیور۔“ ڈرائیور گاڑی چلانے لگا لیکن لگن نے روک دیا اور دروازہ کھول کر اس کے ساتھ ہی کچھ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

”اب چلو۔“ اس نے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔

اس نے شہرینہ کی طرف رخ کیا۔
”اپنے اس جملے کی وضاحت کرو۔“
”کیسی وضاحت۔“ وہ لاپرواہی سے بولی تو لگن نے اسے بغور دیکھا۔

”جو کچھ مجھے پہلے کہا تھا۔“
”کیا؟“ وہ لاپرواہی سے باہر دیکھتی رہی وہ خاموش ہو گیا تھا۔

”میرے پاؤں میں شدید درد ہو رہا ہے۔“ کچھ دیر بعد اس نے پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”مجھے لگ رہا ہے یہ سو منٹ کرنے سے ہوا ہے۔“ شیر لگن نے کہا۔ ”ڈاکٹر کو دکھائیں۔“

”نہیں پہلے گھر چلوں گی۔“ وہ نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ گویا دونوں کے درمیان کوئی مسئلہ ہی نہ ہو جیسے۔
کچھ دیر بعد گھر آ گیا تھا۔

وہ لگن کے سہارے چلتی اندر آئی تو فائزہ گھر پر نہیں تھیں۔ لگن اسے اس کے کمرے میں چھوڑنے آیا تھا۔
”آپ بیٹھیں پلیز۔“

”خالد نہیں ہیں تو پھر کبھی سہی۔“
”لوکے میں زبیدہ سے کہتی ہوں۔ کچھ کھائی کر جائیے گا۔“ اس نے ان کا نام اٹھایا۔ لگن نے فوراً منع کر دیا۔
”میں رات کو چکر لگاؤں گا۔ اگر پاؤں میں زیادہ درد ہے تو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔“

”نہیں اب ریٹ کر دیں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔“ لگن نے کچھ کہنا چاہا پر خاموش ہو گیا وہ اسے اللہ حافظ کہہ کر نکل گیا اور شہرینہ اسے مسکراتی نگاہوں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

❖.....❖

رات کو لگن گھر نہیں آیا تھا۔ وہ لا شعوری طور پر اس کی منتظر تھی۔ وہ نہیں آیا تو اس نے کال ملائی۔
”آپ گھر نہیں آئے؟“
”کیوں خبریت؟“
”نہیں ویسے ہی ماما پوچھ رہی تھیں تو کال کی۔“

”خالد سے کچھ پہلے میری بات ہوئی ہے انہیں نہ آنے کا بتادیا ہے میں نے۔“ شہرینہ ہنس دی تھی۔ ”پھر کب آئیں گے۔“

❖.....❖

”کیوں..... خیریت؟“
”میں نے سوچنے کے لیے وقت لیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ فیصلہ سب سے پہلے آپ کو سناؤں۔“ دوسری طرف چند سیکنڈ کے لیے خاموشی چھائی رہی۔

”اگر فری ہوئے تو ضرور چکر لگا لیجیے گا..... میں انتظار کروں گی۔“ اس نے کہہ کر کال منقطع کر دی۔ وہ اگلے دن کی منتظر تھی۔
اگلے دن وہ اچھی طرح تیار ہو کر انتظار کرتی رہی لیکن آگن نہیں آیا اس نے فون کیا۔

”آپ کیوں نہیں آئے؟“
”میں بہت بڑی تھا۔“
”کیا میری بات سننے کے لیے بھی آپ کے پاس وقت نہیں تھا۔“ دوسری طرف پھر خاموش چھائی تھی۔

”پھر بات ہوگی..... اس وقت بڑی ہوں اؤکے بائے۔“
شہرینہ کو ایک دم غصہ آنے لگا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ اسے فون نہیں کرے گی کچھ دن مزید گزرے تو آگن کی آمد کا انتظار ناامیدی میں بدلنے لگا اس کا پاؤں اب کافی بہتر ہو گیا تھا پلستر اتر چکا تھا۔ اس کو اسلام آباد آئے کوئی پندرہ دن ہو چکے تھے وہ ایک دوبار زبیدہ کے ہمراہ کالج بھی جا چکی تھی۔ اس رات عثمان صاحب نے اسے بلا لیا تھا۔

”پھر کیا فیصلہ کیا آپ نے؟“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”جس میں آپ سب کی خوشی ہے وہی میرا فیصلہ ہے۔“
اس کا انداز مطمئن اور نہ سکون تھا۔

عثمان اور فائقہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا دونوں کے لیے اس کی یہ فرماں برداری معمول سے ہٹ کر تھی۔ عثمان نے کھڑے ہو کر اسے گلے سے لگایا اور فائقہ سسکا رہی تھیں وہ

”تم نے دن گزر گئے آپ نے پوچھا ہی نہیں کہ میں نے کیا فیصلہ کیا۔“ اس نے خود ہی بات پچھڑی۔ آگن سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

”جب فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا تو اختیار بھی دیا تھا کہ کوئی بھی فیصلہ کر لیں۔“
”تو پوچھنے پر پابندی تھی کیا؟“ اس نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

”میں تمہارے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہونا چاہتا تھا۔“
”وہ تو ہوا ہی گئے ہیں آپ پورے طرح۔“ وہ حیران ہوا۔
”مطلب.....؟“

”میں نے اپنے پورے ہوش و حواس میں اپنی ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے کیا آپ کو میرا ساتھ قبول ہے؟“ اس نے بڑے اعتماد سے شیر آگن کو دیکھتے کہا۔

شیر آگن ایک دم حیران ہو کر اڑھ کھڑا ہوا اور پھر اگلے ہی پل اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی کے تاثرات پھیل گئے تھے۔

”رنگی.....؟“ اس نے مسکرا کر سر ہلایا تو وہ واقعی بے پناہ خوش ہوا۔

”تھینک گاڈ۔“ اس نے اسے دیکھا اور پھر مسلسل دیکھتا ہی رہا۔

”بعض اوقات ہم انسان کو جیسا سمجھتے ہیں وہ ویسا نہیں ہوتا میں ماضی میں تمہیں بہت کچھ کہہ چکا ہوں آج اپنے ان تمام خراب رویوں کے لیے معذرت خواہ ہوں۔“ سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

”ماضی میں جو ہوا وہ میری جذباتیت اور میرا جنون تھا لیکن اس وقت میرے جو جذبات ہیں وہ سب سے بڑی حقیقت ہیں۔“

”میں پریشان تھا کہ تجھ نے تم نے کیا فیصلہ کیا ہوگا اگر مجھے علم ہوتا کہ تم یہ فیصلہ کر گئی تو میں بہت پہلے ہی آ جاتا۔“ وہ ہنس دی۔

”بہر حال تھینک یو سوچ۔“ وہ اٹھ کر اس کے پاس آیا اور

اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کیا اور چند پل اسے بغور دیکھتا رہا۔

”آپ مجھے بزل کر رہے ہیں۔“ اس نے شرما کر کہا۔
”یہ فیصلہ کیونکر کیا..... کیا کسی نے مجبور کیا تھا؟“
”مجھے کیا کوئی مجبور کر سکتا ہے؟“ اس نے پوچھا تو آگن مسکرا دیا۔

”ہاں ویسے مجھے مجبور کیا تھا لیکن میرے دل نے..... وہ کھل کر مسکرایا۔

”یہ میرے پاؤں کے فریکچر والا حادثہ ہوتا تو شاید میں جذباتیت میں آ کر سب کا نقصان کر دیتی لیکن اس حادثے نے مجھے احساس دلایا کہ آپ کیا ہیں اور آپ کا وجود میرے لیے کتنا اہم ہے آپ کی محبت اور آپ کے خلوص میں ہر چیز کی قدر کرتی ہوں۔“ آگن ہنس دیا۔

یہ ایک جنونی جذباتی لڑکی تھی لیکن اس نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ درست وقت پر ٹھیک کر کے خود کو منوالیا تھا۔

اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر خود سے قریب کیا اور محبت سے اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکادی تھی۔

”لو یو سوچ شہرینہ.....“ وہ منگنیا تھا۔



محبہ راشدہ رفعت

کیا	خبر	کون	سی	خوشی	کے	لیے
دن	یونہی	گنوائے	جاتا	ہے	ناصر	ہے
رنگ	پیل	ہے	تیرا	کیوں	جاتا	ہے
تجھ	کو	کیا	رنگ	کھائے	جاتا	ہے



گھر کے کام نہ سنا تے ہوئے دن ڈھل چکا تھا لیکن کام اب بھی سمیٹنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ رشنا کی ٹانگیں اور کمر بے حد دکھنے لگی تھیں، پھر بھی وہ قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے گندے برتنوں کے ڈھیر سے نہ رو آتا تھی۔ اس کے ماموں سر کچھ دن پہلے ہی حج کے مقدس فریضے کی ادائیگی کے بعد واپس آئے تھے اور آج رشنا کی ساس نے اسے بھائی بھانوج کی پورے کنبے سمیت دعوت کی تھی۔ صفائی ستھرائی پر مامور ملازمہ نے بھی آج طبیعت خرابی کی وجہ سے چھٹی کر لی تھی۔ عام سادوں ہوتا تو رشنا سرسری سی صفائی کر لیتی لیکن چونکہ ان مہمانوں نے آنا تھا سو گھر چکانے میں خاصا وقت لگا پھر وہ نہا دھو کر پکن میں گھس گئی۔ جانتی تھی کہ ایک بار پکن میں جانے کے بعد کپڑے بدلنے کی بھی فرصت نہیں ملے گی۔ ساس صاحبہ نے مہمانوں کی ضیافت کے لیے بہت ہی پر کٹھن مینیو ترتیب دیا تھا اور کھانا پکانے سے لے کر کھانا پیش کرنے اور پھر دسترخوان سمیٹنے تک کی ذمہ داری صرف رشنا کے ہی ذمہ تھی۔

اس کی اکلوتی نند نے صرف سلاہ کے لیے سبزیوں کی کٹنگ کر کے گویا احسانِ عظیم کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ فرصت سے ماموں زاد بہنوں کے پاس بیٹھ کر کہیں لگاتی رہی تھی۔ عام دنوں میں رشنا کو الوینہ کی ہڈ حرامی نہ کھلتی تھی وہ پکن کے تمام کاموں کو اپنی ذالی ذمہ داری سمجھ کر خوشدلی سے سب کام نہٹاتی رہتی تھی لیکن آج جب گھر کے لامتناہی کام سمیٹنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے تو اسے جھنجھلاہٹ بھی ہو رہی تھی اور الوینہ کی ہڈ حرامی پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ برتن دھونے کے دوران ہی ساس سر اور ماموں سر کو چائے پکا کر دی۔ پھر دوبارہ برتنوں کا ڈھیر دھونے لگی۔ اللہ اللہ کر کے مہمان رخصت ہوئے۔ برتن بھی دھل چکے تھے لیکن پکن کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ کمر سے اٹھتی پیسوں کو نظر انداز کر کے اس نے پھر ہمت باندھی ڈھلے برتن خشک کر کے کپٹنس میں رکھے چولہا اور سلیب رگڑ رگڑ کر صاف کیے پکن کا فرش دھو پا اور جب پکن اصلی حالت میں واپس لوٹا تو کچھ سکون کا سانس آیا۔ اب چائے کے ایک کپ کے

ساتھ سردی گولی لینے کا ارادہ تھا لیکن سچ تو یہ تھا کہ اب نئے سرے سے چائے پکانے کی ہمت بھی نہ رہی تھی۔ پکن سے نکلنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ پھر مانتے پر ہاتھ مارا۔ صبح ناشتے کے لیے آٹا گوندھنا یاد ہی نہ رہا تھا۔

اویس (شوہر) صبح جلدی آفس کے لیے نکلتے تھے۔ رشنا آثارات کو ہی گوندھ کر رکھ دیتی تھی لیکن آج تھکن سے برا حال تھا سو چا آٹا صبح سویرے ہی اٹھ کر گوندھ لے گی پھر صبح سویرے کی متوقع افراتفری ذہن میں آئی تو نئے سرے سے کمر باندھی۔ صبح اویس آفس کے لیے نکلتے تو عاشر (دوبارہ) کو بھی وقت پر کالج پہنچنا ہوتا۔ اگر الوینہ کا یونیورسٹی جانے کا موڈ بنتا تو وہ بھی ناشتے کے لیے افراتفری مچا دیتی اور اس کے ساس سر تو ویسے ہی ذیابیطس کے مریض تھے۔ دونوں سے ہی بھوک برداشت نہ ہوتی تھی۔ رشنا کے لیے آٹا گوندھنا بالکل معمولی کام تھا لیکن آج تھکاوٹ کے باعث یہ معمولی کام بھی غیر معمولی مشقت محسوس ہو رہا تھا۔ آٹا گوندھ ہی رہی تھی کہ الوینہ پکن میں داخل ہوئی، گلاس اٹھایا اور فرخ کھول کر کولڈ ڈرنک گلاس میں انڈیل کر کھڑے کھڑے پی لی پھر بنا گلاس دھوئے سنک میں ڈال دیا۔ باہر نکلتے ہی لگی تھی کہ رشنا کی برداشت جواب دے گئی۔

”الوینہ کم از کم یہ گلاس تو دھو کر رکھ دو۔ پانی سے کھنکھل کر ہی تو رکھنا ہے۔“ بھانوج کے یوں مخاطب کرنے پر الوینہ تھکے تھکے تیروں سے واپس چلی۔

”آپ نے مجھے اتنے روڈ طریقے سے کیوں مخاطب کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”میں نے تمہیں صرف گلاس دھو کر رکھنے کا کہا ہے۔“ غصہ ضبط کرتے ہوئے رشنا سانسیت سے بولی۔

”ایک گلاس ہی تو بنا دھوئے رکھا ہے بھائی آپ تو ایسے پی ہو کر رہی ہیں جیسے میں نے گندے برتنوں کا ڈھیر سنک میں جمع کر دیا ہو۔“ الوینہ مزید کر بولی۔ رشنا نے دکھ سے نند کو دیکھا۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کتنے گھنٹوں سے پکن کے ہی کام نہٹا رہی ہے۔ پھر پور دھوت کا اہتمام اور دعوت کے اختتام پر گندے برتنوں کا ڈھیر جسے وہ ابھی دھو کر

دیا تھا۔

”اللہ غارت کرے نامرادوں کو میری ناز و نعم میں پٹی بچی سے کیسا سلوک روا رکھتے ہیں تو فکر نہ کر میری بچی تیرا صبر ان بد بختوں پر بڑے گا جو کچھ وہ تیرے ساتھ کر رہے ہیں۔ ان کے بھی آگے آئے گا اور اس کھوئی صوبی کی شادی ہو لینے دے۔ اتنا بڑا بھر (کتب) ہے اس کے منگیتر کا۔ اسے لگ پتہ جائے گا۔“ عشرت بیگم بیٹی کو سینے سے لگائے دلا سا دے رہی تھیں۔ قریب ہی رشنا بیٹی سبزی بنارہی تھی۔ وہ ساس نند کی گفتگو میں مداخلت کیے بنانہ رہ پائی۔۔۔

”ہماری الوینہ کو ہی صبر سے کام لینا پڑے گا ای۔۔۔ اگر صوبی کا کیا اس کے آگے بھی جائے گا تو اس نے کون سا شرمندہ ہوتا ہے۔“ الوینہ نے بھادج کو اٹھنے سے دیکھا۔ اس نے سبزی بنائی تھی۔ اب نوکری اٹھائے کمرے سے باہر جا رہی تھی۔

”یہ بھابی کچھ زیادہ ہی فلسفی نہیں ہو گئیں ای! ابھی کیا بول کر گئی ہیں۔“ الوینہ نے ماں کو مخاطب کیا۔

”اگرے دفع کر اسے۔ تو یہ بتا حلد تو ٹھیک ہے ناں تیرے ساتھ۔ ماں بہنوں کی لگائی، بھابی میں وہ تو نہیں آتا۔“ عشرت بیگم اپنی مزید سل چاہ رہی تھیں۔ ماں سے شیئر کرنے کے لیے ابھی الوینہ کے پاس بہت سی باتیں تھیں۔ ان کی گود میں سر رکھ کر وہ پھر سے دھڑلے رونا شروع ہو گئی تھی۔ عشرت بیگم بیٹی کے آنسو پونچھنے کے ساتھ ساتھ اس کے سر مال والوں کو منتقل کرنے بھی دیے جا رہی تھیں۔

ان کی بیٹی کے ساتھ جو بھی برا کر رہا ہے وہ اس کے آگے ضرور آئے گا۔ عشرت بیگم کو اس بات کا پورا یقین تھا۔



آج الوینہ نند نہیں بلکہ ایک بھرے پرے سر مال کی بڑی بہو کے مرتبے پر فائز ہے۔ آج اس کی نند کے متوجہ سر مالی تشریف لائے تھے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کی ساری ذمہ داری الوینہ کے کندھوں پر آن پڑی تھی کیونکہ صوبی کو تو آج اپنی تیاری سے ہی فرصت نہ تھی۔ مہمانوں کے آنے کے بعد بھی وہ بس ان کے پاس بیٹھی شرمیلی رہی تھی اور اب جب کہ مہمان رخصت ہو چکے تھے اس نے جب بھی پگن میں آ کر جھانکا تک نہ تھا۔ برتنوں کا ڈھیر دھونے کے بعد الوینہ نے ایک پلیٹ میں بریانی نکال کر ادون میں گرم ہونے کے لیے رکھی۔ پیٹ میں چوہوں کی دودھ جاری تھی۔ ابھی تک اسے کھانا کھانے کی فرصت بھی نہ ملی تھی۔ ابھی چاول گرم بھی نہ ہوئے تھے کہ صوبی نے پگن میں جھانکا۔

”بھابی! امی کہہ رہی ہیں دوپ چائے پکا کر ان کے بیڈ روم میں لے آئیں۔“

”دوپ چائے تو تم بنا سکتی ہو صوبی میں نے تو ابھی کھانا بھی نہیں کھایا۔“ الوینہ اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔ صوبی نے اسے گھورا پھر اکھڑے بگڑے تیوروں کے ساتھ دوپ چائے پکا کر کپڑے میں سجائے پگن سے باہر نکل گئی۔ الوینہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا صوبی کو چائے پکانے کا کہہ دینا اسے کس قدر مزہ پڑے گا۔ صوبی نے جانے ماں کو کس انداز میں جا کر سنا تھا کہ ساس نے اسے پگن میں آ کر ہی بے نقط بنائی تھیں۔

”ساس! سر کے لیے دوپ چائے پکانا بھی تم پر اتنا بھاری پڑ رہا تھا کہ بچی کو صاف انکار کر دیا۔ ارے یہ تو سوچ لیتیں کہ وہ اب اس گھر میں چند دن کی مہمان ہے۔ ہم تو تمہارے ماتھے کے تیور دیکھتے رہتے ہیں اور برداشت بھی کرتے ہیں۔ میری بچی کو تو بخش دیا کرو بی۔ی۔“ الوینہ ای ای کرتی آئیں اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتی رہ گئی لیکن ساس نے اس کی ایک نہی تھی۔

چند دن بعد میکے جانے پر اس نے روڈ کرپنا کھڑا ماں کو سنا یا تھا۔ عشرت بیگم کے تو جیسے کسی نے کیلجے پر ہاتھ ڈال دیے تین سال بعد پگن کا ہی منظر ہے۔ پگن کا نقشہ مختلف، لیکن منظر ملتا جلتا سا ہے۔ اب سنک کے پاس کھڑی الوینہ گندے برتنوں کے ڈھیر سے تیرا آ رہا ہے۔

ہی فارغ ہوئی ہے۔

”اب ایسے کیا دیکھ رہی ہیں میں نے آپ کی شان میں کون سی گستاخی کر دی ہے۔“ الوینہ نے چڑ کر پوچھا۔ اسنے میں رشنا کی ساس بھی وہاں آ گئی تھیں۔

”کیا ہوا الوینہ! کیا مسئلہ ہے؟“ انہوں نے بہو کے بجائے بیٹی سے ہی دریافت کیا۔

”مجھ سے کیا پوچھ رہی ہیں اپنی بہو بیگم سے پوچھیں۔ جانے کیوں موڈ آف کیا ہوا ہے؟“ الوینہ نے کندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

”کوئی بات نہیں ہوئی ای۔ بس میں نے الوینہ کو ایک گلاس دھونے کا کہہ دیا تھا۔“ رشنا نے مدافعا نہ انداز اختیار کرتے ہوئے بتایا۔

”آج بھابی کو تھوڑا سا کام کیا کرنا پڑ گیا ای! ان کے تو مزاج ہی نہیں مل رہے۔ میں نے کولڈ ڈرنک لی کر بغیر دھلا گلاس سنک میں رکھا ہی تھا کہ انہوں نے تو مجھے دس باتیں سنا دیں۔“ الوینہ نے مبالغہ رانی کی حد کر دی۔

رشنا کو گمان گزرا کہ اب اس کی ساس بیٹی کو احساس دلائیں گی کہ رشنا صبح سے کاموں میں جتی ہوئی ہے اگر اس نے ایک گلاس دھونے کا کہہ ہی دیا تو کوئی قیامت تو نہیں آ گئی۔ الوینہ کو بڑی بھابی سے میز سے بات کرنی چاہیے۔ رشنا کی سماعت منتظر ہی رہی لیکن ساس نے ایسا کچھ نہیں کہا بلکہ وہ بیٹی کی حمایت میں ہی بولیں۔

”بہو۔۔۔ ایک گلاس دھونے کے پیچھے تم نے بچی کو اتنی باتیں سنا دیں حد ہے بھئی۔“ وہ شکل سے بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں۔ الوینہ بھی اس پر تکیس نگاہ ڈال کر چلی گئی۔

رشنا بھی اب دل ہی دل میں خود کو کوس رہی تھی۔ کیا تھا جو وہ چپ چاپ وہ گلاس بھی دھو دیتی ایک گلاس ہی تو تھا ناں۔



لوہر تین سال بعد پگن کا ہی منظر ہے۔ پگن کا نقشہ مختلف، لیکن منظر ملتا جلتا سا ہے۔ اب سنک کے پاس کھڑی الوینہ گندے برتنوں کے ڈھیر سے تیرا آ رہا ہے۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

آنچل

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپہ فرمائشیں

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

7000 روپے

رقم ڈیماٹڈ آرڈر منی آرڈر منی گرام دیویژن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

مقامی افراد

ایری پیسہ اکاؤنٹ نمبر 0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر 0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے آف گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7-فیسر پیجیڈ عہد اللہ ہاؤس روڈ کراچی۔ فون نمبر: 922-3562077/1/2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
info@aanchal.com.pk

طوفان شازیرہ الطاف ہاشمی

بے خبر سا تھا مگر سب کی خبر رکھتا تھا
چاہے جانے کے سبھی عیب و ہنر رکھتا تھا
اس کی نفرت کا بھی معیار جدا ہے سب سے
وہ الگ اپنا اک اندازِ نظر رکھتا تھا



ساس، دیورانی، جنھانی یہ سب کس بھرے پرے گھر کی، ہو
کی زندگی میں نہیں ہوتیں اور کس کس طرح سے زندگی انہیں
نہیں کرتیں۔ یہ رشتے شاید ہوتے ہی بے فیض ہیں جو چاہت
کے بدلے میں بھی سر دھری جیسے میں آئی ہے زندگی اسی کا نام
ہے۔ ساس زبان کی لکھی تھی کبھی کہ وہ ان کے منہ سے سنتے،
حیران پریشان کھڑی رہ جاتی۔ ان کا چہرہ تو بالکل ایسا نہیں تھا۔
جو بات انہوں نے کہی تھی ان کے سفید بالوں اور بڑھاپے پر
بجی تو ہرگز نہ تھی مگر لوگ جیسے چہرے سے نظر آتے ہیں ایسے
ہوتے کب ہیں؟ کس کے کتنے روپ ہیں، یہ ان کے پاس
رہنے والی نانکھا اچھی طرح جان چکی تھی۔ مندریں ماں سے بھی دو
بلکدیں ہاتھ آتھیں اور اسے آگے لٹکے کے لیے راستہ چاہیے
تھا مگر راستہ کون کسی کو دیتا ہے؟ وہ تو بنانا پڑتا ہے دل پر پتھر رکھ کر
کبھی رو کر، کبھی آہستہ تو کبھی چھپ کر، سرسری علی الاعلان سچ
بولنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ بڑا ہی سخن راستہ ہوتا ہے اور بڑا ہی
پھونک پھونک کے قدم رکھنا پڑتا ہے در نہ تو یہ اڑھے جیسے لوگ
بس ایک لوالہ بناتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ یہ ہی سمجھنے
سمجھانے میں ازدواجی زندگی کے کئی اتار چڑھاؤ دیکھتے پر کتنے
دس سال گزر گئے۔ اسے بل کی اذیت کا اندازہ تھا اچھے
وقت کے گزرنے کا پتا نہیں چلتا مگر بڑا وقت گھسیٹ گھسیٹ کر
اند تک ڈھی کر جاتا ہے۔ وہ فارغ کبھی نہیں رہی۔ گھر کے کام
کاج میں ہمہ وقت مصروف رہی نماز کی پابندی کبھی کی کبھی نہ کی
مگر رب سے نانا ہمیشہ جوڑے رکھا کیونکہ یہی وہ دسی ہے جو
برے وقت میں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ وقت کے دوزخ میں
جٹنے سے بچالے جاتی ہے۔

چھوٹے سے قد کی حسنہ جو اس کی جنھانی تھی دجال کی سی
عادتیں رکھتی تھی۔ ہر وقت دیوار محبت میں سوراخ کرنے اور
اسے کھوکھلا کر کے گرا ڈالنے کی تدبیر میں مصروف رہتی اور ساس
چونکہ حسنہ کے بدلے بیٹی دیئے بیٹھی تھی، اس کی سہیلی بن بیٹھی
تھی اس پر جنھانی دوسری، بہن حزنہ بھی بیباہ لائی۔ دونوں ہاتھیں کیا
تج ہوئیں، مانو بہت سارے مصائب جمع ہو گئے اتنے کہ
نظریں اٹھانے کی بھی ہمت نہ رہی۔ ساس ان دونوں کو ساتھ
لے کر چلی، ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا اور بدلے میں بیٹی کا سکھ کسی

نہ کسی تک پالیا۔ احسان کو اس سے، بچوں سے محبت تھی مگر زندگی
گزارنے کے لیے صرف محبت کافی نہیں۔ اسے محبت تو میسر
تھی مگر ساتھ میسر نہیں تھا اور ساتھ نہیں تو کچھ بھی نہیں مگر چونکہ وہ
چلتے جانے پر یقین رکھتی تھی سو چلتی رہی۔

بہت زیادیاں ہوئیں۔ بات کا لم کالج اور بدتمیزی تک
آگئی مگر اس نے بھی ایک ہتھیار کندہ ہونے دیا، محبت کا
ہتھیار۔ جب جب وہ دور ہوئے وہ قریب ہوئی اور دونوں
میاں ہوئی کافے منے سامنے کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔
کبھی چائے کے سنہرے ٹھکانے کپ، کبھی پلاؤ کی گرام گرم
دعوت، پکڑوں کے ساتھ ہری چٹنی کی چپ۔ وہ منہ بند رکھنے
میں کامیابی تو حاصل نہ کر سکی مگر کام بھی نہ ہوئی۔

.....

”اے بیٹا میرا تو بڑھاپا برباد ہوا“ ساس لماں پھپھک
پھپھک کر بیٹے کے اندر پیڑوں اٹھ پٹنے کی کوشش کرتیں،
مندیں فن کے تیل دکھاتیں۔ احسان کے کچنچے سے پہلے ہی
وہ ہار مان لیتی۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ شاید مجھ ہی سے غلطی ہوئی
ہو، غلطی مان لینے کے بعد کاسکون، بہت بھلا لگتا تھا اور مندریں
سمجھتیں شاید بھائی بے ضمیر ہو گیا ہے حالانکہ مردوں کے اندر
خصوصاً شوہروں کے وجود میں تو ضمیر ہوتا ہی نہیں، کبھی جاگتا
ہی نہیں کہ کبھی اچھے برے غلط درست میں تیز کر لے یہ سارے
کام تو حوا کی بیٹی کے کرنے کے ہیں۔ دیور بھائی کا لاڈ لا تھا۔
کام کاج کچھ نہیں کرتا تھا البتہ بھانوج سے دن بدن نفرت
کرنے میں لگا رہتا۔ کبھی کوئی کام پڑ جاتا تو جواب تک نہ دیتا۔
اس نے ممبر کر لیا تھا اور ممبر کرنے والے کے ساتھ تو اللہ نے
وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ رہے گا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ
وسلم نے بھی تو ہمیشہ ممبر کر لیا تھا اور ای کبھی تمیں کہ ممبر کا رنگ بہت
گہرا اور پختہ ہوتا ہے۔ ممبر کا فاتح ہونا لکھا جا چکا ہے۔ بس ہمت
نہ ہارنا شرط ہے۔ دل کو مضبوط کر کے رکھنا، ثابت قدم رہنا، زلو
راہ ہے۔ وہ دل کو سمجھاتی اور اللہ سے مدد مانگتی۔

مندیں عالیہ باجی اور گینہ باجی شوہروں کے دلوں پر قبضہ نہ
کر سکی تھیں روپے پیسے کی بھی قلت تھی اور عالیہ باجی کے

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

نئے افق

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلیزیرہ فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیما انڈر آرٹ مینی آؤڈز مینی گرام ڈیٹریٹن لینٹن کے
ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسڈ کا وٹ نمبر

0316-0128216

موبائل کیش اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فہرہ جیمیز عصب اللہ ہادون روڈ کراچی

فون نمبر: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal.com.pk

جنگ میں تبدیل کر دینا چاہیے تھا مگر اس کی جامد خاموشی نے ہر طرف بے چینی پھیلا دی تھی۔ مندوں کا خیال تھا کہ احسان ان سے بول چال بند کر چکا ہے۔ بات چھوٹی موٹی نہیں تھی جو یوں ہنسم کر لی جاتی۔ سب مت کرارا کرنے کو بے تاب نظر آتے تھے مگر جودل کے درد کو قوا میں کر لیتے ہیں دشمن کی گردن پر گرفت مضبوط کر لیتے ہیں۔ اس کی خاموشی کا کیا مطلب تھا کیا ہونے والا تھا؟

تجسس کی منزلیں بہت کڑی تھیں اور انتظار کی گھڑیاں جان کالٹی تھیں۔ ساس املاں کا سکون بھی غارت تھا آج کل کہ نجانے یہو کیا قدم اٹھائے یا بیٹی سے اٹھوانے والی ہے جو یوں خاموشی چھائی ہے۔ نہ بیٹے سے پوچھنے کی ہمت کر سکیں نہ یہو کی پرسراریت کا سبب جان سکیں۔ احسان صبح کا گیا شام کو ہی لوٹا۔ آخر کچھ ہوتا کیوں نہیں کیا وجہ ہے؟ عالیہ باجی نے بہت انتظار کیا اور یہ انتظار انتظار ہی رہا۔ دل پر پتھر رکھے، ہنسی مسکرائی معمولات میں گن رہی۔

”بیٹا تیری بڑی بہن ہے غلطی ہوگئی اس سے۔“ املاں جی نے خود احسان سے معذرت کرنے کے لیے ساری کہانی کہہ سنائی اور احسان جاگ گیا تھا۔

”بڑی بہن ہونے کا بڑا نانا جائز فائدہ اٹھایا ہے عالیہ نے۔“ احسان کو جب غصہ آتا تھا تو بہت شدید آتا تھا۔ وہ جانتی تھی شکاری اپنے جال میں خود پھنس جاتا ہے اس ذرا انتظار کی زحمت کرنا پڑتی ہے، فاختاؤں کو..... احسان نے فاطمہ اور ندیا سے بھی اس بات کی تصدیق کر لی تھی۔ طوفان آیا اور سارے پھل اس کی جھولی میں گر کر اس نے انبار خ وشنوں کی سمت موڑ لیا تھا۔ آئندہ کوئی دشمن اس کی طرف میلی نگاہ سے نہیں دیکھ سکے گا، اس بات کا اسے یقین ہو گیا تھا۔ اس کے دکھ پر جشن منانے والوں کے چہرے آج اتنے تاریک ہو گئے تھے کہ املاؤں کی رات بھی پیچھے ہو گئی تھی۔



تھے، کہاں کھیلنے۔ اکٹھا رکھ کر جس طرح یہ مائیں زندگی عذاب بناتی ہیں اس کے لیے شوہر تو جواب دہ ہوں گے ہی مگر بیٹوں کی مائیں سب سے زیادہ قصور وار گردانی جائیں گی۔

احسان سے کہہ کر وہ میٹکا گئی۔ ساہوہاں میں گیند اور عالیہ باجی کا بھی گھر تھا۔ کراچی سے لہا فاصلہ طے کر کے وہ لوکاڑ بچپن۔ پہلے غلطی، اپنی بہن سے ملنے اس کے گھر گئی۔ اسی کا گھر تو آگے فرید آباد میں تھا۔ غلطی سے مل کر اب اس کا ارادہ عالیہ باجی کے گھر جانے کا تھا کہ ان کا فون آ گیا۔ وہ پچھلے مہینے ان کے ہاں سے ہو کے گئی تھیں۔ کھانا چٹا انگ ہوا تھا اور بنا دلا نا بھی وہ لے کر گئی تھیں۔ ہزار ہزار کے دونوں مشکل سے انہوں نے پکڑے تھے۔ وہ مطالبہ پانچ ہزار کا کر رہی تھیں اور ہار ہار ہاتھ جھٹک کر جس طرح انہوں نے ناملہ سے پیسے پکڑے تھے وہ اسے اچھی طرح سے یاد تھا۔

”ہم ناملہ سے ملنا نہیں چاہتے۔ وہ ہمارے گھر نہ آئے۔“ غلطی اس کی چھوٹی بہن نے بتایا کہ عالیہ باجی نے فون کر کے خود یہ بات کہی ہے۔ وہ ان کی بد فطرت سے واقف تو تھی مگر وہ اس حد تک جاسکتی ہیں یہ اندازہ نہ تھا۔ فاطمہ، ندیا اور وہ ہی تو آئے تھے احسان ساتھ نہیں تھے۔ ٹوٹ جانے کی اسے کبھی عادت نہ رہی تھی۔ وہ خود کو سنبھال کر میٹکا گئی۔

امی کو سب صورت حال کہہ سنائی۔ انہوں نے احسان سے خود بات کرنے کا کہا مگر اس نے منع کر دیا۔ وہ بہنوں کے ہاتھوں پر غماں بھائی تھا جس کی آنکھیں کھلنے میں ابھی بہت وقت تھا شاید۔ وہ سیکے سے سر ہل واپس آ گئی۔ ساس املاں اس کے تہودوں کا اندازہ کرنے کے لیے بار بار اس کے سامنے آن بیٹھیں حال احوال پوچھا اور اصل میں اس کے دل کو پھینچنے والی تھیں کو جاننے کی جستجو میں تھی وہ بیٹھی رہیں مگر اس نے کوئی بات نہ کی۔ کچھ نہ کہنے میں بھی ایسا اسرار ہے ایسا طلسم ہے جو بول دینے میں ہرگز نہیں۔

وہ رات اس پر بے حد بھاری گزری۔ اپنی بے وقوفی ٹھکرائے جانے کا احساس جان لیا ہوتا ہے بہت تکلیف دہ رات تھی اور بہت پرسرار فاصلہ تھا۔ اٹھانے کو تو اسے حشر اٹھا دینا چاہیے تھا۔ احسان کو اس کی بہنوں کی شکایت لگا کر گھر کو میدان

بکڑوں پر پیوند تو اس نے خود دیکھے تھے اور گھر بھی بد حالی کا ثبوت تھا۔ گھینہ جھوڑی مگر شوہر کو عورتوں کا چکا تھا کسی کو تاڑا کسی کو چھیرا یہ سب سے بڑا عذاب ہے جو گزرنے والیاں ہی جان سکتی ہیں۔

احسان کا اتنا احسان کیا کم تھا کہ وہ روزی روٹی کی طرف سے بے فکر تھی۔ وہ بچوں سے بھی بیکار تھا مگر ایک عادت جو ساری عادتوں پر حاوی تھی، وہ تھی بہنوں اور مل کی جائز ناجائز ماننا۔ اس نے یہ غلطی بھی نہیں کی تھی کہ وہ اسے احساس دلاتی کہ وہ غلط ہے بلکہ اس کی غلطیوں سے بچاؤ اس کے لیے اہم تھا۔ عالیہ باجی اور گیند باجی اندر سے کتنے کمزور عزائم رکھتی تھیں، وہ جانتی تھی کمزور یہ بھی جانتی تھی کہ احسان کو یہ سب بتانا بے کار ہے۔ وہ ان کے آنسوؤں پر فوراً یقین کر لیتا اور ناملہ کے بچ پر یقین کبھی نہیں کرتا۔



زندگی اپنے مخصوص انداز میں رواں دواں تھی۔ کچھ موسم کا کٹیا اپن تھا تو کچھ اس کا دل بھی بھرا یا تھا اپنے میکے کی آزاد فضاؤں میں سانس لینے کو دل چاہتا تھا۔ دوست عید والے اس نے سنبھال رکھے تھے اور بچوں کے بھی لیس گونا گونا گار لگے بہت پیارے کپڑے ایک ہی بار پہننے کے بعد اس نے بلکہ ہاتھ سے جو کر محفوظ کر لیے تھے۔ دو دوست اور بنا کر وہ گھر جانے کے لیے برتول رہی تھی۔

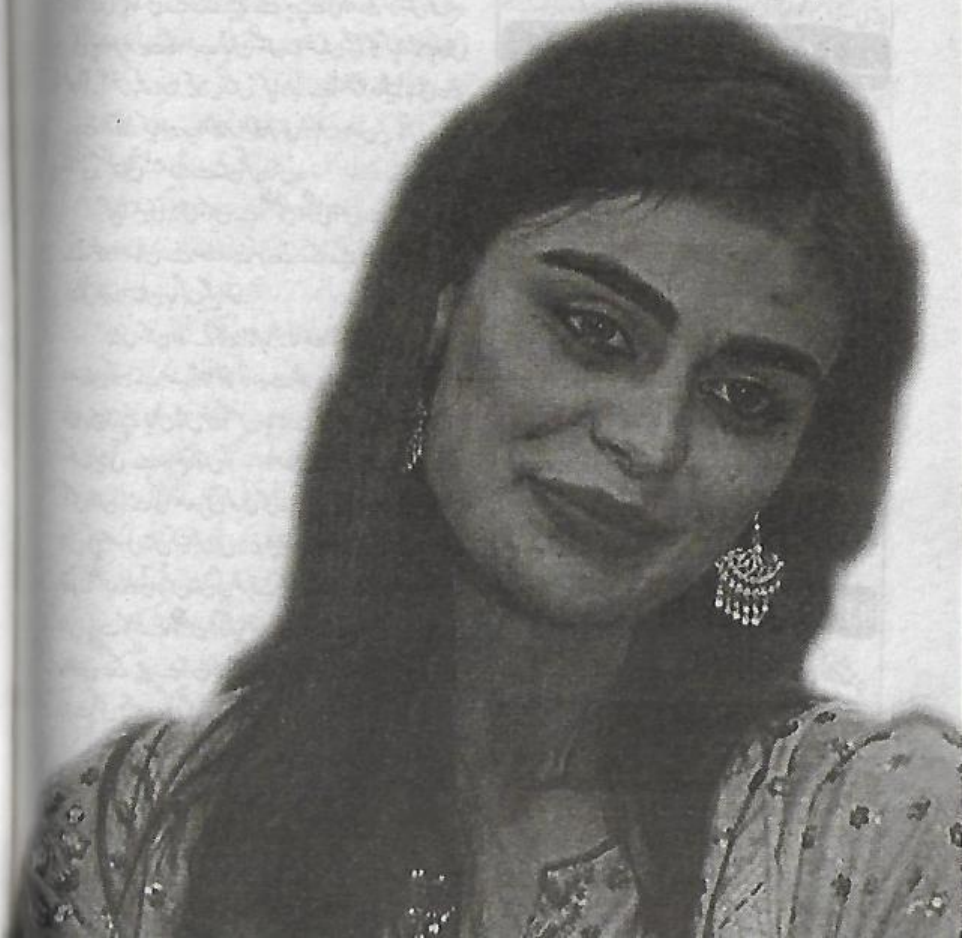
”میں جیسی تھی بیسنی ہے یہ ناملہ۔“ ساس املاں نے نہ کبھی امی کو بخشنا نہ کبھی اسے۔

مڑ چھلنے اس کے ہاتھ رکے اور پھر رواں ہو گئے۔ ندیا اور فاطمہ نے مڑ پلاؤ کی فرمائش کی تھی۔ اوائل سردی کے دن تھے اور مڑ بھی بھی تھی۔ بے خیالی میں کتنے ہی مڑ کے دانے پکھرے والی تھیلی میں ڈال بیٹھی اور جھٹکے مڑوں میں رکھتی گئی۔ دھیان آئے پر وہ چٹکوں کو علیحدہ کرنے لگی۔

”امی نے تو کبھی املاں جی کو برا نہیں کہا، پتا نہیں املاں جی کو ہر وقت کیا سوچتا ہے جو یوں فضول بولتی رہتی ہیں۔“ جھانی حسنہ اور دیورانی مزہ بھی ہمیشہ سے ہی درد سربنی رہی تھیں۔ کبھی ندیا کو دھکا دے دیا کبھی فاطمہ کو گرا دیا۔ بچے

چند ارے چندا ندا حسنین

ہم جہاں ہیں وہاں ان دنوں عشق کا سلسلہ مختلف ہے
کاروبار جنوں عام تو ہے مگر اک ذرا مختلف ہے
سب کے سب اپنے کاندھوں سے غیروں کا سر جوڑنے میں لگے ہیں
ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہاں کا خدا مختلف ہے



دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا آپس میں تعلق
لازم و ملزم ہے جیسے کہ ارباب اختیار کا کرپشن سے..... افکار کا
پاکڑوں سے..... سردیوں میں مونگ پھلی تو میٹھی عید میں
سویاں اور بڑی عید میں تکے اور کباب کا ساتھ چولی دامن کا بن
چکا ہے۔

یہ قانون قدرت ہے کہ جہاں سیاہ ہے وہاں سفید بھی ہے
جہاں امیر ہیں وہاں غریب بھی ہیں اور ان مثالوں کی عمیق تفسیر تھا
شہر کا وہ بے حد قیمتی علاقہ جس کی مالیت کروڑوں میں تھی اور اسی
سے منسلک تھا غریبوں کا محلہ نام تھا پنجم کالونی۔ مزے کی بات
تھی کہ ان امیروں کو اپنے پہلو میں آبا دغیر کا یہ محلہ کھلتا بھی نہ
تھا۔ ویسے کھلتا بھی کیوں ان کی نوکری چاکری پر مامور ملازم
نہیں تو آدا تھے۔

پنجم کالونی کی دنیا بھی ایک دلچسپ دنیا تھی۔ کالونی کی
ابتدا سچو صولائی کی دکان سے ہوئی جس کے بعد پھول والے
پاشا بھائی اپنے گلوں کے نوکرے سمیت براجمان ہوتے ساتھ
انہی بچو بھائی کا چھوٹا سا جنرل اسٹور تھا اور اس کے ساتھ ہی بابو
بھائی اپنی ایشیائی شاپ کھولے بیٹھے تھے ان سے آگے اسلم
کے گوشت کی دکان اور پھر بابا سبزی والا اپنی سبزی سجانے بیٹھتا
تھا۔ دکانوں کا سلسلہ وہاں سے یٹرن لے کر شکر کپڑے والے
کی دکان سے نئے سرے سے شروع ہوتا گلوں کی مرغی کے
گوشت کی دکان گلوں کے دکان کے ساتھ ہی بابائی والا اپنا ستر
چکا تا اس کے ساتھ ہی ٹیلر ماسٹر کی دکان بھی اور پھر زری لیس
سے دکان بھر کر آصف دیوانہ چہرے پر ہنسی سجانے بیٹھا ہوتا اور
پھر انگریز ساجن کی دکان جس کی دکان کی شان ہی نرالی تھی
رنگ برنگے شوخ دوپٹے لہراتے اور ان دلکش رنگوں کے
جبرمت میں بیٹھا ہوتا تھی موچھوں والا بانکا جیلا جوان ساجن
جس کے دل کے تار ایک ہی نام پر دھماکے دار انداز میں بجتے
تھیاور تھی چندا۔

پہلو میں بیٹھا آصف دیوانہ پڑنے بھی چندا کے نام
پر شروع ہو کر اسی کے نام پر ختم ہوتا تھا۔ ویسے آصف نام کا ہی
دیوانہ تھا اندر سے تو وہ خوب ہوشیار تھا۔ قیید و سیاہ ساجن سے
اس کا چہرہ کی کانٹے کا پیر تھا۔ شوخی قسمت کہ دونوں کی دکان بھی
پہلو پہلو تھیں۔ ان دونوں کی دشمنی سے پنجم کالونی کا پورا بازار
واقف تھا اور خوب مزے بھی لیتا۔ اس وقت بھی ان دونوں کی
کسی بات پر خوب ٹھنی ہوئی تھی۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ وہ دو روز قبل ہی چندا نے ساجن کو کچھ
دوپٹے رنگنے کے لیے دیے تھے ساجن نے بڑی چاہت سے
آج ان دوپٹوں کو بذات خود اپنے دست مبارک سے رنگ کرتا
پر پھیلائے تھے کسی کام سے وہ دکان سے باہر نکلا تھا کہ آصف
دیوانے نے چندا کے دوپٹوں کو بچی سے کتر ڈالا تھا تب سے
اب تک دونوں میں گھمسان کارن پڑا ہوا تھا۔

”میں کہہ رہا ہوں ماسٹر جی اسی فساد نے چندا جی کے
دوپٹوں کو کتر ہے جو ہوں کی طرح۔“
”نہ ماسٹر جی..... میں کہاں..... میں کوئی چوہا ہوں جو
کتروں گا اور میں تو کب سے اپنی دکان میں دکان داری کر رہا
تھا۔ آصف دیوانہ بھی پورا میاں تھا۔ معصوم سی شکل بنا کر مگر گیا۔
”اے ساجن..... یہ دیوانہ تو کب سے اپنی دکان میں
بیٹھا گا بہوں کو دیکھ رہا ہے لگتا ہے کہ کچھ کوئی چوہا تمہاری
دکان میں قفس گیا ہوگا۔“ سادہ لوح ماسٹر جی نے دکان کے
کوئے کھدروں میں نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

”ماسٹر جی کوئی اور نہیں یہ میاں دیوانہ ہی چوہا ہے جو آپ کو
ہمیشہ بڑا معصوم لگتا ہے۔“ دیوانے کے چہرے کی خباثت
ساجن کو کوئی اور ہی کہانی سن رہی تھی۔

”اچھا اچھا..... چھوڑو اس دیوانے کو تم دکان میں پہلی
فرصت میں چوہے دانی لا کر رکھو۔“ ماسٹر جی کی بھی اپنی منطق
تھی۔ آصف دیوانے کو اپنی دکان میں جانے کا اشارہ کرتے
ہوئے کہا اور خود ساجن کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی دکان
کی سمت چلنے لگے۔

”کیا چھوڑوں ماسٹر جی..... چندا جی کے دوپٹے تھے وہ
ہو گئے ناں خراب اب روکھ جائے گی وہ مجھ سے پھر بھلا کیسے
مناؤں گا میں چندا جی کو.....“ وہ جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

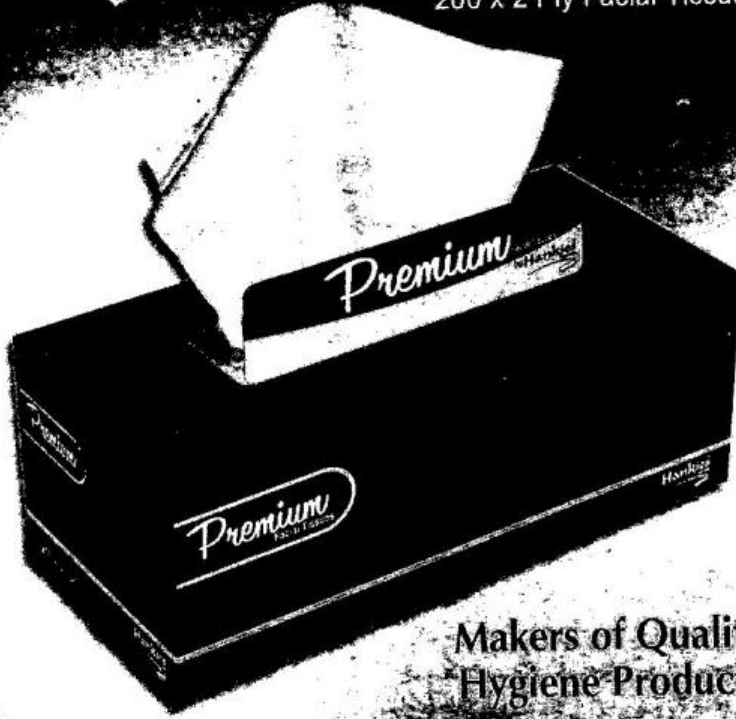
”اے لکھ چندا کی تو بالکل فکر نہ کر..... وہ تو بالکل میری
بچی جیسی ہے میں سمجھا دوں گا اسے۔“ ماسٹر جی نے اسے مطمئن
کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایسے ہی تھے ہر ایک کے کام آنے
والے۔ ساجن کو کبھی بلا خیر کام نہ کر ہی لیا تھا ماسٹر جی نے۔
”اس دیوانے کو تو میں چھوڑوں گا نہیں۔“ ماسٹر جی کے
جانے کے بعد وہ بڑا تاہوا منہ پر ہاتھ پھیرتے دیوانے کو کہینہ
توڑنگا ہوں سے دیکھنے لگا تھا۔

”ماما جان..... کچھ بھی ہو اس بار میں اپنے کپڑے چندا

Hankies®
Facial Tissues

Premium

200 x 2 Ply Facial Tissues



**Makers of Quality
Hygiene Products**

Available in
4 different colors

پوروں پر ہینوں کا حساب لگاتے ہوئے کہا۔
”لوہو..... اب یہ مختصر چندا کون ہیں جس کے لیے
لوگ اتنے بے چین ہوئے جارہے ہوں؟“ شائع نے لیپ ٹاپ
بند کرتے ہوئے ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے دریا فٹ
کیا۔

”اوہو..... تم پوچھتے ہو کہ چندا کون ہے؟ میں بتاؤں کہ
بھیا آپ بتائیں گے کیا.....! سمیر نے لپک لپک کر غالب
کے شعر کے ہاتھ پیر توڑے اور احسن کو چندا کی قصیدہ گوئی کی
دعوت دی۔

”ہائے پوچھتے ہو کہ چندا کون ہے؟ وہ ایک حسین بلا ہے
حسین اور بلا کا مطلب تو سمجھتے ہوناں تم؟“ احسن نے چندا کا
ہوش رہا سہا تصور میں دیکھتے ہوئے چچا زاد شائع سے سوال
کیا۔

”اف حد ہوئی یار..... تم لوگ تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے
زندگی میں کبھی حسین چہرہ دیکھا نہیں اور احسن اریبہ بھائی کیا کم
حسین ہیں جو تم یوں آہیں بھر رہے ہو۔“ شائع نے ان کی بیکانہ
حرکتوں پر طنز کیا اس کی بات پر احسن اور سمیر ہم آواز واپے پتھم
تہقیر لگانے لگے۔

”اسے ابھی خبر نہیں..... چندانام کس آفت کا ہے۔“ احسن
نے سمیر کا کھہراتے ہوئے ذوقی اعزاز میں کہا۔
”اچھا تو پھر مجھے بھی اس آفت کے حوالے سے بریف کرو
جس سے تم لوگ اس حد تک متاثر ہو۔“ شائع اب مکمل طور پر ان
دونوں کی جانب متوجہ ہوا۔
”متاثر..... وہ بھی چندا سے.....“ وہ دونوں ہم آواز چیخ
اٹھے۔

”بھائی میرے چندا ایک حسین بلا ہے اگر پیچھے پڑ جائے تو
بڑی مشکل سے جان چھوڑی ہے۔“ وہ دونوں اب اس کے
دائیں بائیں بیٹھ کر اسے سمجھانے لگے۔
”میں نے بڑی مشکل سے جان چھڑائی ہے اس بلا سے“
یقین نہیں آتا تو سمیر سے پوچھ لو۔“ احسن نے سرگوشیاں اعلیٰ
اٹھاتے ہوئے بتایا۔
”ہاں ہاں بالکل۔“

”اچھا..... اگر ایسا ہے تو پھر تو مجھے بے چینی سے انتظار ہے
چندا کا کیونکہ وہ اگر سیب ہے تو میں جھنڈو بام بابا ہوں۔“ شائع
نے سیدھے ٹوک کر اعلان کیا۔

سے سلواؤں کی غضب خدا کا پھیلی بارش نے اتنے جھگڑے اور
یتی ڈرمسور لیے تھے کہ ٹائلر نے بیڑہ غرق کر دیا تھا اب کوئی
کچھ بھی کہے میں اپنے کپڑے سلوانے کے لیے چندا کو ہی کھر
بلواؤں گی۔“ فراد کچھ دیر قبل ہی شائع مال سے اچھی خاصی
خریداری کر کے کوئی ٹی اور اب لائے گئے ملبوسات کو سلوانے
کی فکر میں تھی۔

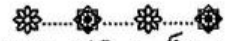
”فراد کچھ کہہ رہی ہے ماما جان ہزار فتنے اس چندا کے ساتھ
جڑے ہیں مگر جو ج ہے وہ سچ ہے سلائی اور کپڑوں کی
ڈیزائننگ میں تو چندا ماسٹر ہے ماسٹر میں بھی کتنی ہوں اس بار
آپ چندا کو بلوائی لیں۔“ اریبہ بھی شند کی ہاں میں ہاں ملائی
مسز ارسلان کے پاس آ بیٹھی۔

”بھئی چندا کو بلانا کون سا مشکل کام ہے آج کال کروں
گی ہلکے صبح سویرے آدھکے گی وہ مگر اریبہ یاد ہناں پھل مرتبہ
چندا کی وجہ سے تمہارے اور احسن کے درمیان کتنے جھگڑے
ہوئے تھے بھئی جان لو اچھی طرح، دنیا ابھر سے ابھر ہو جائے
مگر چندا کے طور طریقے بدلنے والے نہیں..... اس لیے اب
سمجھداری سے کام لیں۔“ مسز ارسلان نے بہو کو پھیلے سال کے
قصے یاد دلاتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔

”بالکل فکر نہ کریں ماما جان میں بالکل اچھی طرح سمجھ چکی
ہوں کہ چندا کی لادوں اور جفاؤں سے احسن کو کس طرح محفوظ
رکھنا ہے اس بار ہم چندا کو بلائیں گے ہی اس وقت جب یہ مرد
حضرات اپنے اپنے کاموں پر چاٹھے ہوں گے۔“ اریبہ نے
بٹیتے ہوئے منصوبہ سازی کی اور فراد نے جھٹ ہاں میں ہاں
ملائی۔ مسز ارسلان نے موبائل اٹھا کر چندا کا نمبر ملانا شروع
کر دیا۔

”ہیلو..... ہاں چندا۔“ اور ان کی بلند آواز گھر کے دروازے
سے ٹکرانے لگی۔
رہسٹنگ کے دلدادہ احسن اور سمیر کے کانوں میں چندا کی
آمد کی خبر کیا بڑی وہ دونوں ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور ان
کی اس اچھل کود کا آنکھوں دیکھا نظارہ لیپ ٹاپ پر مودی
دیکھتے شائع نے حیرانی کے عالم میں ملاحظہ کیا۔

”یہ..... یہ میں کیسا سن رہا ہوں..... چندا آ رہی ہے؟“
سمیر کے کان خرگوش کی مانند کھڑے ہوئے۔
”ہائے..... پورے ایک سال بعد چندا پھر سے ہمارے
گھر کو رونق بخشتے آ رہی ہے۔“ احسن نے بے تابی سے انگلی کی



آئینے میں اس کا عکس یوں جھلما رہا تھا جیسے شفاف نینگوں پانی میں چاند کا عکس جھلما تا ہوا۔ بھوری بادامی آنکھوں میں کاجل کی دھار دو دھاری تھوڑا کاروبار دھارے ہوئے تھی۔ اس نے نہایت نزاکت سے گلاب کی پتھریلوں کی مانند لبوں پر ہلکی گلابی رنگ کی سرخی لگائی اپنی سنتوں ناک کو مزید ابھارنے کی غرض سے ہائی لائٹر کا استعمال کیا۔ اپنے سر پر لے کر صدف جیہٹ سے سیاہ جواں مر جواں والی نگاہوں سے نکلتے ہوئے اس نے سیاہ آبشار کی گرہ کھول ڈالی گہرے سیاہ ریشمی بال اس کی پشت پر لہرائے لگے تھے۔

”ہائے چندا..... آج تو غضب کی قیامت ڈھاری ہے ٹو۔“ آئینے میں اپنے چاندی جیسے عکس سے وہ مخاطب ہوئی۔ اس کا رنگ مکھن کی طرح پھلکا ہوا سنہرا اور اس کی اٹھان شاندار تھی۔ اس نے ایک نگاہ پلاسٹر اکھڑی دیوار پر ڈالی جہاں گھڑی کی سوئی گیارہ کے ہندسے کو عبور کر چکی تھی۔ مقررہ وقت پر اسے اپنی منزل پر پہنچنا تھا بس کچھ ہی لمبے باقی رہ گئے تھے۔ اس نے پھرتی سے سامنے کے دو دروازوں کے بالوں کو چٹکی میں بھرا اور ہار یک چوٹیوں کی صورت ایک دوسرے میں پرونا شروع کر دیا۔

”امری چندا صرف سلائی کے لیے کپڑے ہی اٹھانے جا رہی ہے ناں۔ بن سو تو یوں رہی ہے جیسے کسی ڈرامے کی آؤٹش پر بلایا ہو تجھے۔“ رضیہ نے کن سونیاں لینے کی غرض سے کمرے کے اندر جھانکا اور اس کی زور شور سے کی جانے والی تیاریوں پر خوب بلند آواز میں تبصرہ فرمایا۔

رضیہ کے بھٹے ہانس جیسی آواز چندا کے بڑے بھیا کو ہوشیار کر گئی۔ غسل خانے کے پیشے میں اپنے عکس کو ترچھی نظروں سے ناظرے ہوئے مونچھوں کی کانٹ چھانٹ کرتے ہوئے بڑے بھیانے انتہائی جوش کے عالم میں چھاپا مارا۔
”نہ مجھے بتا چندا..... تو اتنا میک اپ شیک اپ کر کے بنگلے والوں کے فظ سلائی والے کپڑے اٹھانے جا رہی ہے یا کہیں اور ہی جا رہی ہے۔“ بھیانے تھاندا ارمان انداز میں ”کہیں اور“ کی ٹانگ کا اتنا کھینچا کہ بے چارہ لفظ بھی جھنجھلا کر ان کے منہ سے نکل پڑا۔ رضیہ بھڑکی چھوڑ کر پھر سے سوکے کپڑے اتارنے چلی گئی مگر وہ چندا ہی کیا جس کے کانوں پر پھو رینگے۔ وہ خاموش سے اپنے بال سنواری رہی۔

”نہ تیرا بھیا کیا دیواروں سے باتیں کر رہا ہے یا تو وہ گنگلے ڈالے کھی ہے جواب کیوں نہیں دیتی۔“ بھیا پر تھلا بری طرح سوار ہوئی۔

”نہ میرے بھیا تو کوئی ڈھنگ کا سوال پوچھتے تو جواب دوں ناں چندا جیسا دیں ویسا تمہیں پر یقین رکھتی ہوں۔“ بنگلے والوں سے ڈینگ ہوتی ہے چندا کی تمہاری طرح سر منہ بھڑا کالی بچن بچنیوں سے ملتا تھا کہ باڑے کو جارہی چندا..... بڑے بڑے لوگوں سے چندا کے تعلقا ہیں۔ اتنی تیاری تو پھر فرض ہوئی ناں چندا پر.....“ قفل ٹوٹا اور چندا پھوئی۔

”ہائے کیسے ڈر ڈر چلا رہی ہے زبان..... ارے اسی باڑے کی کالی بچن بچنیوں کا تازہ دودھ ہی کٹو نے یہ رنگ روپ نکالا ہے کم بخت..... آج اپنی بچنیوں کو کوس رہی ہے ناں بچنا نہ دوتو۔“ بھیا کے باڑے کا طعنہ بول رہا۔

”تو کر رہی ہوں ناں فرض ادا! تازہ دودھ کا میری کمائی کا آدھا سے زیادہ حصہ تو تیرے ہی بچوں کے کھانے پینے میں ملا جاتا ہے بھیا۔“ چندا نے چپ رہنا تو عمر کے کسی دور میں نہ سیکھا تھا ابھی بھی دوبدو جواب دے رہی تھی۔

”ارے اپنے چند گنتی کے نیلے نوٹ جو تیرے ہی اول جلول شوق میں پورے ہو جاتے ہیں ان کا طعنہ اپنے پاس رکھ تیری کمائی پر لکھ لعت بھیجتا ہے بھولے۔“ بھولے بھیانے جذبات میں کروہیں فرش پر تھوکنی بھی شروع کر دیا۔ چندا نے شعلہ بارنگاہوں سے بھولے کے پیچھے پیشی نکالتی رضیہ کو دیکھا اور بلند آواز میں بولی۔

”ڈال دی ناں بچوٹ ددووں بہن بھائیوں میں کرو دیا ناں بھٹلا..... اب لا کر دیتی ہوں تجھے کئی پکلیں بڑے ارمان تھے ناں تیرے ان لٹکی پکلیوں پر اپنی جتنی مٹی آنکھوں میں چپکا کر اپنے بھائی کی شادی میں جانے کے اب کر تو ارمان پورے.....“ چندا نے بھی بھولے بھیا کے تن فن کرتے وجود کے پیچھے سے جھانک کر منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لاکار۔

”ہائے چھوڑ ناں بھولے“ صبح سویرے کیوں بے چاری چندا کے پیچھے ہاتھ جو کر رہا ہے کسی کام سے ہی جا رہی ہوگی ناں چندا..... اچھا اچھا بھیا تا کہ اس کا کام اچھا ہو۔“ رضیہ نے جھٹ چلا بدلا اور لگ بھگ تندی کی چالوئی کرنے۔
”رضیہ..... دیکھو ڈر گرت کی طرح رنگ نہ بدلا کر..... میرا

بڑھکھو ناں تو گرگرت ہی بدل دوں گا۔“ بھولے نے آنکھیں اٹل کر کے عزیز بڑا جان بھوی کو کھوڑا۔
”ہیں..... گرگرت ہی بدل دوں گا..... کیا مطلب.....“ رضیہ بھانکا کاسی پوچھتی تھی۔

”مطلب یہ کہ بھوی ہی بدل دوں گا۔“ بھولے نے اپنا مطلب درست کرتے ہوئے کہا۔
”چندا بھائی..... باہر کرو لا آگئی۔“ پڑوسیوں کا سلو بھاگتے ہوئے کمرے کے اندر داخل ہوا۔
”کون سی کرو لا..... کس کی کرو لا؟“ بھولے کے کان بھر سے کھڑے ہوئے۔

”بھیا جی..... کریم کی کرو لا۔“ سلو نے بڑاری سے کہا۔
”اوئے یہ کریم کون ہے..... بتا چندا کس کریم کے ساتھ منہ کالا کرنے جا رہی ہے بتا دے چندا ورنہ آج کچھ غضب ہو جائے گا۔“ بھولے بھیانے اچانک ہی سلطان راہی کا روپ دھاریا۔

”اوہو سلو اب جلدی بتا بھیا کو کہ یہ کریم کون ہے۔“ چندا نے اپنا سر پٹیتے ہوئے کہا۔
”ارے بھیا ٹیشن نہ لو..... یہ کریم ایک کہنی ہے جو اپنی گاڑیاں کسی کے طور پر استعمال کرتی ہے اور لوگوں کے بلانے پر گاڑی خود گھرا جاتی ہے۔“ گیارہ سالہ سلو بڑی بھجھداری سے بھولے بھیا کو کریم کے متعلق بتا رہا تھا۔

”دیکھ سلو..... توج کہہ رہا ہے ناں کسی لالچ میں تو انٹ شٹ نہیں بتا رہا۔“ بھولے بھیا کی بدگمانی دور ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”ارے بھولے بھیا زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے میرا یقین نہیں تو اب ہر جا کر کسی سے بھی پوچھ لو۔“ سلو نے بھیا کے تیور دیکھ کر اپنا دامن چھڑایا۔

”اچھا اچھا ٹھیک ہے۔“ بھولے نے منہ ہٹا کر کہا اور اپنی پھٹ بھٹی اشارت کر کے کھڑے باڑے کے لیے روانہ ہو گیا۔
”جلدی آ جاؤ بھائی..... یہ کریم سامن یا دیوانہ نہیں جس کو تم انتظار کر رہی رہو اور اسے کوئی فرق نہ پڑے۔“ سلو چندا کو کرائے کے متعلق یاد دہانی کا تاہر بھاگ گیا۔

”ہائے چندا بڑی نوب ہے اتنی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر تو بنگلے سے سلائی کے کپڑے لینے جائے گی۔“ رضیہ نے حسرت آمیز لہجے میں استفسار کیا۔

”ارے بھائی تو جانتی نہیں چندا کی بڑی نور ہے ان بنگلوں میں اتنی بڑی گاڑی میں چندا جائے گی تو اتنی بڑی گاڑی میں چندا کو لینے کل کوئی رئیس آئے گا ناں۔“ چندا خواہوں خیالوں میں ہنکتے خواہ اور لہجے میں کہا۔

”چندا کو لینے کل کوئی رئیس آئے گا کڑی بالکل دیوانی ہو گئی ہے۔“ غریبوں کے اس محلے میں کوئی رئیس تجھے عزت سے بیٹھنے نہیں آئے والا ناں کسی اور مقصد سے آ سکتا ہے۔“ رضیہ نے نقل اتار کر منہ بگاڑ کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ البتہ آخری فقرہ بڑا ذوقی تھا جسے چندا نے خون کے گھونٹ لی کر برداشت کیا۔
”فٹے منہ تیرا بھائی شکل ابھی نہیں تو بات تو اچھی کر لیا کر.....“ وہ منہ ہٹا کر بولی تو رضیہ کو اس کا دل جلانے میں مزید مزہ آیا۔

”چندا تجھے جتنی اونچی اڑان اڑنی ہے اڑ لیا ہے تجھے یہ آصف دیوانہ یا سامن ہی آ کر لیں گے۔“
”بات سن بھائی وہ کئی پکلیں ناں مارکٹ سے غائب ہو گئی ہیں وہ نہیں ملنے والیں اب تجھے۔“ کھر سے نکلتے ہوئے وہ رضیہ کی دکھتی رنگ پر ہاتھ رکھتی تھی۔

”ہائے چندا ایسا تو نہ کر..... ڈھونڈ لا ناں کہیں سے۔“ رضیہ پھر منتوں پر اتار آئی مگر چندا ایک شان بے نیازی سے کرو لا میں بیٹھ کر بے جاہد جاہوئی تھی۔

کچھ دیر قبل ہی اخبار فروش اخبار اور کچھ فلمی میگزین دروازے کے اندر ڈال گیا تھا جسے شافع ٹیرس پر کھڑا دیکھ چکا تھا۔ ابھی وہ نیچے اترنے ہی والا تھا کہ اچانک بجنے والی ڈور بیل نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

”اوہو..... اس وقت کون آ گیا۔“ سیاہ ٹراؤزر اور آسانی رنگ کی ٹی شرٹ میں ملبوس شافع بڑبڑاتا ہوا دروازہ کھولنے کی غرض سے آگے بڑھا۔ گیٹ کھلتے ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سامنے لشکارے مادی حسینہ ایک ادا سے مسکراتی ہوئی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”جی..... آپ کی تعریف.....“ اس نے اس کے چمکتے دیکھنے سر پر لے کو لگا ہوں میں سو کر خوش اخلاقی سے پوچھا۔
”تعریف تو آپ کریں گے ناں.....“ حسینہ نے لبا کر اسے لا جواب کیا۔
”وہ تعریف تو میں کروں مگر اس خوب صورت قصے کا

عنوان جانتا تو پہلے فرض ہے ناں۔“ شافع نے معنی خیز نگاہیں ان مشتاق رنگاہوں سے ملاتے ہوئے کہا۔

”اے چھوڑیں جی..... میں تو مذاق کر رہی تھی۔ چندا کہتے ہیں مجھے۔“ چندا نے مقابل کی دلچسپی دیکھ کر اٹھلا کر اپنا نام بتایا۔

”ہائے چندا..... وہ جو ایک حسین بلا ہے..... نشے کی لت جو ایک بار لگ جائے تو چھوڑنا مشکل ایسا سحر جس کے شکنجے سے رہائی ناممکن..... سچ کہو تم وہی چندا ہو.....؟“ شافع چندا کا نام سنتے ہی ہلک اٹھا۔

”ہائے اللہ..... میری ایسی تحریف..... آپ سے بھلا کس نے کی؟“ چندا نے حیرانی سے انھیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ کے سابقہ عاشق جواب اپنی بیگم اور بیہ بھالی کو پیارے ہو چکے ہیں وہ آج بھی آپ کا نام سن کر ٹھنڈی آجھیں بھرتے ہیں.....“ شافع نے بڑبڑاتے لہجے میں کہا اور چندا خوشی سے نہال ہوئی۔

”ہائے سچی.....؟“ چندا نے بے یقینی سے کہا۔ ”بالکل جی..... سچی سچی.....“ شافع نے اس کے اشتیاق کو مزید جلائی۔

”شافع یہ کس سے باتیں کرنے میں مصروف ہو اتنی دیر سے گیٹ پر“ مسز ارسلان کی پاٹ دارا دانے شافع کو بے ساختہ پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

”وہ..... ممانی جان چندا آئی ہے..... آپ سے ملنے.....“

اس نے دروازے سے ہی صدا لگائی۔

”اے چندا آگئی..... ہونو بھی شافع تم سامنے سے۔“

چندا کا نام سنتے ہی مسز ارسلان تیزی سے دروازے کی جانب بڑھیں اور دائیں ہاتھ سے شافع کو ہٹاتیں چندا سے مخاطب ہوئیں۔

”اے چندا..... کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی اور تم یہاں کھڑی باتیں بنا رہی ہو..... چلو اب اندر آ جاؤ..... اتنے سارے کپڑے تمہارے منتظر ہیں۔“ مسز ارسلان اسے لے کر اندر چلی گئیں۔ جاتے جاتے چندا نے مڑ کر شافع کو نظر بھر کر دیکھا اور ذریعہ سب مسکناں اچھالی۔

”ہائے.....! شافع دل تمام کر رہ گیا۔“ احسن ٹھیک کہہ رہا تھا کہ بخت واقعی بڑی حسین بلا ہے۔“ بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بھی اندر چلا گیا..... راہداری میں داخل ہوتے ہی اس

کی نگاہ ڈرائنگ روم کی جانب اٹھی۔ جہاں چندا کواریہ اور فرنا گھیرے بیٹھی تھیں اور وہ ان کے ملبوسات کو دیکھ کر ان کے ڈیزائنز اس کیجے کے ذریعے انہیں سمجھا رہی تھی۔

”اچھا ایڈوچر ہاتھ لگ گیا ہے یہاں..... اب تو دن کمال کے گزریں گے۔“ وہ مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

.....

”ہائے اتنے بڑے بڑے ایڈیٹ پتھروں کے بیچ بٹا لیے مگر کم ظرفوں میں اخلاق رتی بھر کا پیدائہ ہوا۔ ایک گلاس پانی پر ٹر خادیا چندا کو..... یہ نہ ہوا کہ کچھ کباب شباب کیک ٹیک ہی رکھ دیتے چندا کے سامنے۔“ چندا چھو لہند کے ساتھ بڑبڑاتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی..... دونوں ہاتھوں میں ڈھیروں شاپرز اٹھائے ٹیکن سے بے حال صبح والی تروتازگی اب ناپید تھی۔ واپس کریم میں آنے کے پیچھے نہ تھے تو کشر زندہ بار بار بالوں کی سیاہ بشارت ایک دوسرے سے چپک کر اٹھ چکی تھی جنہیں بے زاری کے عالم میں چندا نے جوڑے کی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ صبح چندا خالی پیٹ لگی تھی اور اب خالی پیٹ ہی اس کے منہ سے فر واد اور اریہ کے لیے سو سو کوٹے نکل رہے تھے۔ جنہوں نے جھوٹے منہ بھی اس سے کھانے سے کونہ پوچھا تھا۔

رضیہ نے لال بھونکا ہوتی چندا کو باورچی خانے سے ذرا سا جھانک کر دیکھا۔ صبح کیا گیا میک اپ اب بہہ چکا تھا۔ وہ تو چندا کا بے انتہا گوارنگ اور ٹیکھے ٹین نقش تھے جو اس بگڑے میک اپ کو نبھال ہوئے تھے۔

”آگئی ٹیکل بیری..... اگر نہ لائی میری نقلی پلکیں تو دیتی ہوں ذرا میں اسے کھانا۔“ رضیہ منہ پر ہاتھ پھیرتے بڑبڑاتی اور جلدی جلدی پٹیلی کا بچا کچھا سامن چھوٹے سے پیالے میں اٹھیلنے لگی۔ سارا سامن پیالے میں ڈال کر پیالہ چولہے کے پیچھے چھپا کر ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔

”آگئی چندا..... کام ہو گیا تیرا۔“ یہ اتنے تھیلے بھر کر آیا لے آئی؟“ رضیہ نے تخت پر روکے ٹھیکوں میں جھانکا جھانکی کرتے ہوئے پوچھا۔

”سلائی کے پکڑے ہیں ان کے ساتھ چھیر خانی نہ کرو بھالی۔“ محن کے ایک کونے میں گئے یسن میں منہ ہاتھ دھوئی چندا نے مڑ کر رضیہ کو ناگوار سے دیکھ کر ٹوکا۔ رضیہ کی عادت جانتی تھی ابھی سارے کپڑے پہلا کر رکھ دے گی اور سینہ پھر

اسے پڑے گا۔

”دفع دور..... میں نے کون سا ان کپڑوں کو چرا لیا ہے تو یہ بتا میری پلکیں لائی یا نہیں۔“ رضیہ نے کپڑوں کے تھیلے کو ایک طرف کرتے ہوئے غصے سے ناک چڑھا کر مطلب کی بات دریافت کی۔ چندا نے ان کے بھائی کی شادی بھی اور اس نے خوب جم کر تیاری کر رکھی تھی۔ کچھ عرصے قبل چندا نے کسی تقریب میں نقلی پلکیں لگائی تھیں رضیہ کا دل تب سے ان پلکوں پر جاکھڑا تھا تب سے اس نے چندا سے ضد باندھ رکھی تھی کہ وہ اسے نقلی پلکیں لاوے۔

”ہاں ہاں لائی ہوں تیری نقلی پلکیں نہ لاتی تو تو نے میرا دانہ پالی بند کر دیا تھا۔ اچھی طرح جانتی ہوں تجھے بھالی چل اب کھانا لاوے“ قسم سے پیٹ میں چوہوں کی میرا تھن دیکھ لگی ہوئی ہے۔“ چندا اپنے دوپٹے سے بیچکے چہرے کو صاف کرتی تخت پر بیٹھی۔

”رگ جا ابھی لائی تیرے لیے کھانا۔“ رضیہ جلدی سے اٹھ کر بچن میں چلی گئی کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو کھانے کی ٹرے اس کے ہاتھ میں تھی وہ خود بھی اس کے مقابل آلتی پاتی مار کھینچ گئی جسمی۔

”جسمی کچھ اچھا بھی بنا لیا کر بھالی۔ ساری زندگی تیرے ہاتھ کی بد مزہ بڑی کھا کھا کر کھانے سے دل ابوب گیا ہے۔“ حسب معمول چندا نے کھانا شروع کرنے سے قبل بڑی کودیکھ کر ناک بھون چڑھا نا شروع کر دیے۔

”ساری زندگی تم دونوں بہن بھائیوں کے لیے کھانا پکا کر میرے ہاتھ کھس گئے مگر تم ناقدروں کو میری قدر نہ ہوئی قسم سے جیب اٹھنی چوٹی کی ہے اور زبان کا چمکا کیڑوں والا ہنہنہ۔“ رضیہ نے بھی ناک چڑھا کر جواب دیا۔

”بھالی یہ رہیں تیری نقلی پلکیں بڑی مہنگی ملی ہیں مجھے پورے دو سو کی آج کل یہی چل رہی ہیں بازار میں خوب بک رہی ہیں اور ہاں یہ دیکھ تیرے لیے لپ اسٹک بھی لائی ہوں۔ ہائے کیسا پیار اس رنگ ہے لیوں پر لگا کر بالکل پانچہ لگے گی میری بھالی۔“ چندا اب رضیہ کو خریدی گئی کاٹیکس کی ساری اشیاء دکھا رہی تھی۔ وہ دونوں ہند بھادج ایسی ہی تھیں بل میں تولہ بل میں ماش بھی گلے کا ہار تو بھی چھری اور توار۔

”ہائے چندا ایسا غضب کا بھڑکا ہوا سرخ رنگ ہے تیرے بھیا کو یہ تو بڑا ہی پسند ہے۔“ رضیہ خوش ہوئی لپ اسٹک

کوالٹ پلٹ کر دیکھتی ہوئی بولی۔

”اچھا چل اب چیزیں سمیٹ بھالی بھجے رام کرنے دے تھوڑا شام میں ان کپڑوں کے ساتھ ساتھ اس دہانے اور ساخن سے بھی مغز ماری کرنی ہے۔“ چندا نے سارے تھیلے زمین پر رکھتے ہوئے اپنے پاؤں پھیلانے کی جگہ بنائی اور وہیں آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی۔ رضیہ سارا سامان سمیٹ کر اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی تھی۔

سلونی شام گھرنے کو بے تاب تھی۔ مغرب کے بعد بھولے گھر کا چکر لگا کر دونوں ہند بھادج کی بیداری اس کے گھر لوٹنے پر ہی ہوئی۔ دن بھر کی ٹھکن بھی تب ہی آنکھیں خرابا لوں تھیں اور تب ہی بخاری کے عالم میں احسن کا مسکراتا سراپا محم سے اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا تھا۔

”آپ کے سابقہ عاشق..... وہ آج بھی آپ کا نام سن کر ٹھنڈی آجھیں بھرتے ہیں۔“ ساعت میں شافع کا کہا گیا جملہ رس گھولنے لگا تھا۔ خواب اس کی آنکھوں میں جا گئے تھے جہاں احسن اس کا ہاتھ تھامے جنت نظیر وادیوں میں لہرا تا ٹھنکنا تا پھر رہا تھا اور اریہ کی چوٹ کھاتی ہوئی ناگن کی طرح ان کے پیچھے پیچھے پھر رہی تھی۔

.....

بھولے اور چندا وہی بہن بھائی تھے اپنے اپنے تئیں دونوں ہی اماں باپ کے لیے اکٹوتے تھے مگر حسب روایت بھولے کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہا۔ اماں باپ کی نگاہوں کا محور ہمیشہ بھولے رہا۔ چندا تو فقط نام کی چندا تھی اماں نے تو ہمیشہ اسے لکھو کا تیل گردانا تھا۔ اماں کی خواہش ہوئی کہ چندا کسی ایک لمحے بھی سکول کا سانس لیتی نہ کھاتی دے۔

”چل چندا سامن پکاوے اے لگی مرغیوں کو دانہ تو ڈال دے“ بکروں کے ہٹکنیاں کیا تیری ماں صاف کرے گی آری جا پڑوسیوں کے گھر سے آٹا لے“ کپڑے دھو ڈال آج کے آج سارے منجھو سے سوا لے کر آ“ گھر کی صفائی ظہر سے پہلے کر ڈال ہائے کم بخت سارا دن تخت پر بڑی رہتی ہے ذرا میرے پیرو ہی داب دے۔“ یہ فقرے روزمرہ کے فقرے تھے ان میں سے اگر کوئی ایک فقرہ کسی دن اماں کہنے سے چوک جائیں تو چندا کو اماں کی طبیعت خرابی کی فکر گھیرتی۔ حقیقت یہ تھی کہ چندا کو اماں ہائے گھر کا مزد بنادیا تھا اور بھولے کو نازوں پلی سوخڑے چڑھی لاڈلی بیٹی۔

وہ تو کتنا قدرت کا کچھ یوں ہوا کہ اماں اب ایک دن گاؤں کے لیے روانہ ہوئے بھولے اور چندا اس قابل ہو چکے تھے کہ انہیں گھر پر اکیلا چھوڑنے میں کوئی ہرج نہ تھا ویسے بھی محلے والے سارے اپنے لوگ تھے ایک زمانے کا اعتبار تھا دو دن بعد ان کی گاؤں سے واپسی بھی مگر اللہ کا کرنا کچھ یوں ہوا کہ ان کی گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اماں اباس حادثے میں چل بسے ان دونوں کی وفات کے بعد بھولے کو احساس ہوا کہ مرد کا گزرا کسی بھی زمانے میں عورت کی طرح گھر بیٹھ کر ممکن نہیں اسے جدوجہد محنت کرنا ہی ہوتی ہے گھر والوں کی کفالت کی ذمہ داری اس کے حصے میں رہ کر طرف سے ملے ہوئی ہے اور ہر حال میں اسے یہ ذمہ داری نبھانی ہے۔ بھولے کو جب یہ احساس ہوا تب جا کر وہ مرد بن کر بابا کے باڑے کو سنبھالنے لگا۔ اس موقع پر چندا نے ماں باپ کی جدائی کے غم کے ساتھ ساتھ پورے گھر کی ذمہ داری کو بھی سر پر لے لیا حتیٰ کہ باڑے کے کئی اہم امور بھولے کو چندا نے ہی سکھائے تھے۔

گھر کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی تو سکھ کی گاڑی بھی دھیرے دھیرے رفتار پکڑتی گئی۔ مرد بن کر بھولے نے جو پہلا چاند چڑھایا وہ رضیہ کے عشق میں گوڑے گوڑے ڈوبنا تھا۔ رضیہ کے گھر بھولے دودھ دینے جاتا تھا۔ وہیں سے شروعات ہوتی اور بات شادی تک چلتی یوں چندا اور بھولے کے گھر میں رضیہ کا مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اوائل دنوں سے ہی نہ رضیہ کی چندا سے بنی نہ چندا کی رضیہ سے..... دونوں میں خوب تو تو میں میں ہوتی، بھولے بھی چندا پر برستا اور بھی رضیہ کی منیش ترلے کرتا پھر دھیرے دھیرے دونوں منہ بھاون کو احساس ہو گیا کہ جتنا بھی لڑاؤ قسمت نے جب رہنا ساتھ لکھ دیا ہے تو پھر ساتھ ہی رہنا ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی دونوں کے جھگڑے کم ہونے لگے مگر اب بھی ایک دوسرے کی کھنچائی کا موقع دونوں ہی ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔ روز و شب یوں ہی گزر رہے تھے اور گزرتے دنوں میں بھولے کے خاندان میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایسے ہی ایک دن بھولے رضیہ کو لے کر ہسپتال گیا ہوا تھا تب چندا کے گھر شہناز پھوپھو کی آمد ہوئی شہناز پھوپھو کو دیکھ کر چندا تنگ ہی رہ گیا۔

بڑی سی گاڑی میں قیمتی لباس زیب تن کیے ہوئے بڑی شان و شوکت سے براجمان شہناز پھوپھو کو چندا نے جوالی کی

حدود میں داخل ہونے سے کافی عرصہ قبل دیکھا تھا۔ شہناز سے اباحت ناراض تھے۔ پھوپھو نے گھر سے بھاگ کر کسی زادے سے شادی کی تھی اور اس کے بعد کس حال میں تھیں۔ کو کچھ بتایا نہ تھا۔ ہوتا بھی کیسے ابانے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ ان سب کے لیے شہناز پھوپھو پر مچتی تھیں لیکن اب ان کی دلہا کے بعد وہ آج بڑی شان و شوکت کے ساتھ ان کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ چندا تنگ کھڑی تھی۔ شہناز پھوپھو سے اس چندا نے خوب باتیں ہوئیں۔ بیٹے دنوں کو یاد کرتے ہوئے انہوں نے اس کے سلامی کڑھائی کے شوق کی بابت دریا پل کیا۔ وقت کی کمی کے باعث چندا اپنے ہر شوق سے بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت اب گھر داری اور بھولے کے بچوں کو سنبھالنے میں گزرتا تھا۔

”اڑی بچی، کچھ اپنے لیے بھی سوچ“ جھلی وہ تیرا ہنر تھا اس ہنر سے فائدہ اٹھا جوان جہان ہو چکی اب تو تیرے ہاتھ پہلے ہو جانے چاہیں تھے مگر بھولے کو تیری فکر کہاں چل جیسا میں بتاتی ہوں دیکھا کر.....“ اور پھوپھو نے چندا کو اس کے حسن کو مزید نکھارنے کی نئی راہ بھجائی۔

پھوپھو نے پہلے اسے محلے کی عورتوں کے اور اس سے آنے والے پیروں سے اسے سلامی کڑھائی کے انشٹیوٹ میں داخلہ لینے کا مشورہ دیا۔ چندا نے ابراہی کیا محلے کے کپڑے سکتی رہی اور پیسے جمع کرتی رہی اشد شکر کہ بھولے نے اب تک اس کے اس شغلے پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ وہ خوش تھا کہ اس طرح چندا کی ذمہ داری کچھ کم ہوگی۔ ویسے بھی نئے مہمان کی آمد نے اسے ذہنی طور پر راجھا دیا تھا۔ کچھ عرصے میں ہی چندا کے پاس اتنے پیسے ہو چکے تھے کہ وہ سلامی کڑھائی کے ادارے میں داخلہ لے سکے۔

ایسے موقع پر اس کے بچپن کے ساتھی ساجن نے بھی اس کا خوب ساتھ دیا۔ ساجن کے بابا کی چندا کے بابا سے گہری دوستی تھی اس لیے ساجن کے گھر آنے پر بھولے کو مکمل اعتماد تھا۔ ساجن نے ہی سلامی کڑھائی کے ادارے کے حوالے سے معلومات حاصل کر کے چندا کو تفصیلات فراہم کی تھیں اور اس کا داخلہ کرانے میں رقم کی کمی بھی پوری کی تھی۔ ادارے سے کورس مکمل کرنے کے بعد چندا کو کسی ملازمت کی تلاش تھی۔ ساجن ملازمت کے حصول میں سرگرداں ہو گیا اس کے ذریعے ایک فیکٹری میں چندا کو ملازمت مل گئی۔

چند ا کو رب تعالیٰ نے نہ صرف بے بہا حسن بلکہ بے بہا اہانت سے بھی نوازا تھا۔ اس ایک ہی کشتی قسمت میں اور وہ بھی غربت گریہ کی پوری کی جاسکتی تھی چندا کی کوشش میں سرگرداں تھی وہ غربت کی سرحدوں کو عبور کر کے زندگی نئے ڈھب سے گزارنا چاہتی تھی۔ فیکٹری کی ملازمت سے چندا کے ہنر میں تیرے کا اہمول رنگ بھی شامل ہو گیا تھا۔ شہناز پھوپھو کی ہولے اور رضیہ کی غیر حاضری میں ایک بار پھر آمد ہوئی۔ یہ بھی سن اتفاق تھا کہ وہ جب بھی آئیں بھولے اور رضیہ کسی نہ کسی کام سے باہر نکلے ہوتے خیر یہ اچھا بھی تھا کیونکہ شہناز پھوپھو بھولے کو پسند بھی نہیں۔ اسے غم ہو جاتا ان کے گھر آنے جانے کا تو گھر میں بھونچال آ جاتا۔

”چند ا کچھ عقل کر ہنر کے ساتھ ساتھ حسن سے بھی کام لے اس ساجن کے چکر میں نہ پڑ۔ اس موئے کے پاس ایک دو بنار کٹنے کی دکان کے علاوہ اور ہے ہی کیا تو اپنے فیکٹری کے پاس پر نظر رکھ۔ اس کے آگے پیچھے پھیر خود ہی بن جا اور اسے بہرہ ور بنا ڈال“ پھر بن جا اس کے گھر کی رانی..... عیش کرے گی عیش جیسے میں کر رہی ہوں۔“ پھوپھو اسے اٹنے سیدھے سنے دکھانے لگیں۔

”مگر پھوپھو وہ تو بڑھا کھوسٹ ہے اور شادی شدہ بھی۔“ چندا گڑبڑاتی۔

”شادی شدہ ہے تو کیا ہوا مرد دوسری شادی بھی کرتے ہیں بڑھا ہے تو اور اچھا ہے جلدی مر مر جائے گا ہاں مرنے سے قبل اس کا مال لینے نام کرالینا۔“ پھوپھو مشورے کے ساتھ اوسط درجے کا موبائل بھی پکڑا لگیں تاکہ پھوپھو بنی آ رام سے ایک دوسرے سے رابطہ کر سکیں۔

پھوپھو کی بات پر عمل کر کے اس نے ہاس کو بھانسنے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ کم بخت کردار کا اچھا نمونہ تھا اور اس کوشش کے نتیجے میں چندا کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے چندا اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ بے خبر ساجن پھر اس آڑے موقع پر کام آیا اس نے ایک اونچے گھر میں چندا کی جان پہچان کرادی۔ مسز ارسلان اونچے گھر آنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اونچے گھرانوں کی دیگر عورتوں کی طرح وہ بھی منت نئے ڈیزائن کے قیمتی ملبوسات پہننے کی شوقین تھیں۔ سونے پہ سہاگر یہ کہ حال ہی میں وہ اپنے بیٹے احسن کی شادی کرنے جا رہی تھیں۔ انہیں ایک بہترین ڈریس ڈیزائنری سخت ضرورت تھی اس کا ذکر انہوں نے باتوں

ہی باتوں میں اپنے ڈرائیور سے کر رکھا تھا یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ وہ ڈرائیور ساجن کا دوست نکلا ساجن کو جیسے ہی مسز ارسلان کی تلاش کا علم ہوا وہ فوراً چندا کو لے کر مسز ارسلان کے گھر جا پہنچا اور یوں ایک نئی کہانی کا آغاز ہوا۔

چند ا نے یہ سنہری موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ مسز ارسلان کو ان کی ہونے والی بہو کے ایسے شاندار ملبوسات تیار کر کے دیے کہ دیکھنے والے تنگ رہ گئے۔ جولباس مینگے مینگے بوتیک میں لاکھوں میں ملتے تھے چندا نے وہ لباس انتہائی کم لاگت میں تیار کر کے دیے تھے مسز ارسلان نے صرف بہو کے ہی نہیں بلکہ اپنے اور بی بی فرا کے شادی میں زیب تن کیے جانے والے لباس بھی چندا سے تیار کروائے تھے۔

چند ا بھی نہایت خوش تھی۔ اس ایک گھر سے اسے خوب فائدہ پہنچ رہا تھا۔ اس نے جی جان اور بھر پور محنت سے ان ملبوسات کو تیار کیا اور اسے اپنی محنت کا معاوضہ بھی مقبول مل رہا تھا۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ اس دن تباہی مچ گئی۔ چندا رات کو تیار شدہ ملبوسات دینے آئی تھی۔ لوٹنے میں تاخیر ہوئی مسز ارسلان کا ڈرائیور اس وقت تک گھر جا چکا تھا۔ اس دن انہوں نے احسن کو چندا کو گھر تک چھوڑ آنے کا کہا اور یہ وہ دن تھا جب پہلی بار چندا احسن سے ملی تھی۔ احسن کو دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ یہی وہ شخص ہے جو برسوں سے اس کے خوابوں میں آ کر اسے دو بانہ کیے ہوئے ہے۔ نہایت خوب رو و جاہت سے بھرپور مسکرائی آنکھوں والا خوش گفتار ساجن ہی اس کے خوابوں کا شبیر وہ تھا مگر وہ شہزادہ کسی اور کا ہونے جا رہا تھا۔

وہ پہلی ملاقات میں ہی احسن کو دل دینے لگی تھی مگر احسن اس سے بے نیاز تھا اس نے اس رات راستے بھر لاکھ اپنے جلوؤں آداؤں کو زلیما مگر اس کی ہر ادا کا رت گئی تھی۔ ان دنوں مسز ارسلان کے گھر چندا کا خوب بول بالا تھا شادی کا گھر تھا دس طرح کے مہمانوں کا آنا جانا رہتا تھا۔ مسز ارسلان چندا کی صلاحیتوں کی تعریف ہر کسی کے آگے کر رہی تھیں آتے جاتے مہمان چندا کے ہنر سے خوب متاثر ہو رہے تھے۔ مسز ارسلان نے چندا کو بھی احسن کی شادی پر مدد کیا تھا۔

سرخ کلاہ اور سنہری شیر والی میں ملبوس احسن اس کے دل کے تاروں کو نئے سرے سے چھیر گیا اس کی ہر لہری میں کھڑی نازک سی اریہ کا سن مہونا روپ چندا کو اپنے سن کے آگے

صفر کا گناہ۔

”کہاں احسن..... کہاں یہ معمولی سی اریہ بہنہ.....“
سوئے اتفاق محفل میں شامل کچھ جل گزری قسم کی لڑکیوں
نے بھی احسن اور اریہ کی جوڑی پر کچھ ایسے بیانات داغ کر چندا
کی سوچ کو بھر کا دیا تھا۔ چندا کو پوچھ پوچی بات پھر سے یاد آگئی۔
”مرد دوسری شادی بھی تو کرتا ہے“ اور یہ سوچ چندا کے
ذہن سے جو تک کے مانند چپک کر رہ گئی تھی۔ شادی کے بعد
چندا نے مسز ارسلان سے تعلقات مزید بڑھا لیے وہ انہیں
ملبوسات کی تیاری میں زیادہ رعایت دینے لگی۔ مسز ارسلان اور
ان کی بہنیں کو سہولت ملی تو ان تینوں نے بھی خوب خوب فائدہ
اٹھایا خاندان کی کسی بھی تقریب سے قبل نئے ملبوسات چندا
سے تیار کروائے جاتے چندا کا آنا جانا بڑھتا چلا گیا چندا نے
آنے جانے کے وہ اوقات رکھے جن میں احسن سے آنا سامنا
ہوا اکثر وہ ایسے حالات پیدا کر دیتی کہ احسن کو اسے گھر چھوڑنے
جانا پڑ جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ چندا نے اپنا رنگ روپ
بھی خوب نکھار رکھا کپڑوں کی ترش خراش بھی بدل گئی تھی۔ وہ
کس طبقے سے تعلق رکھتی تھی اس کی شخصیت اس راز کو فاش نہ
ہونے دیتی تھی۔

یہ چندا کی خوش بختی تھی کہ اریہ فطر تالا ابالی اور نادان ثابت
ہوئی تھی احسن پر توجہ کم دیتی بہتر وقت اس کا شاہنگ سہلیوں
کے ساتھ گھومنے پھرنے میں گزرتا چندا کی عقلانی نگاہیں یہ
ساری صورت حال بہت جلد بھانپ چکی تھیں۔ احسن کو اپنی
جانب ہل کرنا اس کے لیے آسان ہو گیا تھا۔ وہ مرد ذات تھا
امیر کبیر بھی تھا بیگم کے بے توجہی کا شکار ہو کر چندا کی جانب
متوجہ ہو گیا۔ وہ انہیں ہی حسد اس کے من کو بھانے لگی۔ اب
چندا جب بھی گھر آتی وہ کسی نہ کسی بہانے گھر پر موجود رہتا اسے
گھر چھوڑنے میں وہ پیش پیش رہتا۔

چندا اور احسن میں بے تکلفی بڑھتی چلی گئی گھر سے
ملاقاتیں شروع ہوئیں..... قبل اس کے کہ بعد وصول قسموں
تک جا پہنچی ان دونوں کو آنسکریم پارلر میں ساتھ بیٹھ کر
آنسکریم کھاتے اور پیار بھری نگاہیں ایک دوسرے پر بچھاؤ
کرتے مسز ارسلان نے دیکھ لیا تھا۔ دونوں رنگے ہاتھوں
پکڑے گئے تھے۔ چندا کا تو اسی وقت گھر آنا جانا بند ہو گیا تھا۔
البتہ احسن کی مسز ارسلان نے خوب کھچالی کی اور اسی برس نہ ہوا
بلکہ اریہ کو بھی اس کی کوتاہیوں اور نادانیوں کا خوب احساس دلایا

احسن نے کسی تک چڑھے بل کی طرح شروع شروع میں
خوب نگرے دکھائے مگر پھر لیں اور بیگم نے بلا خرہ سدھاری لہجہ
اب وہ چندا کو بھلا کر سننے سرے سے اریہ کے عشق میں گڑھے
گوڑے ڈوب چکا تھا۔
ارسلان ہاؤس کے دروازے ایک سال تک چندا پر بند
رہے مگر آج پھر سے یہ بند دروازہ چندا پر کھول دیا گیا اور دروازہ
کھلتے ہی شائع کی چرب زبانی نے چندا کے دل میں ایک بار پھر
احسن کی چاہت کے پھول کھلا دیے تھے اس بار چندا نے
ارسلان ہاؤس میں قدم ایک نئے خواب اور نئے منصوبوں کے
ساتھ دھرا تھا۔

”دیکھو شائع“ میں پھر تمہیں سبھیار ہاؤں چندا کا چھپا چھوڑو
اس سے دور رہو۔“ شائع نے کچھ دیر قبل اپنی اپنی اور چندا کی پہلی
ملاقات کی جامع تفصیلات احسن کے کمرے کو گزرا تھیں اور وہ
تمام باتیں سن کر احسن اسے تنبیہ کی۔
”دیکھ میرے یار میں تیرے دل کا حال سمجھ رہا ہوں تو نہیں
چاہتا کہ میں تیری سابقہ محبوبہ سے عشق کے پتھنیں بڑھاؤں مگر
بارہ ہے ہی اتنی حسین کد نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی جانب
مائل ہوتا چلا جاتا ہے۔“ شائع نے گیمینی سی مسکراہٹ لبوں پر
چپکا کر احسن کی تنبیہ کو ہوا میں اڑا دیا۔
”یار..... بات کو سمجھا کر میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی
تھی مگر وہ غریب گھر کی لڑکی ہے تو اسے ایڈو جرح سمجھ کر اس کے دل
سے مت کھیل۔“ احسن کو شائع کا رویہ کہیں سے بھی مناسب
نہیں لگ رہا تھا۔
”بڑی ہمدردی ہو رہی ہے اپنی سابقہ محبوبہ سے میرے
بھائی کو جا کر بتاؤں اریہ بہن بھائی کو کہ موصوف نے دیدار یار بھی
کیا نہیں مگر دل محبوب کے قدم کی چاپ پر ہی دھڑک اٹھا۔“
شائع نے احسن کو ڈر لایا۔
”ہو گئی بکواس ختم بالکل تھڑکا اس فلموں کا ڈراما لگ جھاڑا
ہے۔“ احسن نے غلطی سے منہ نہ کر کہا تو شائع کا قہقہہ فوارے
کی صورت چھوٹا۔
”اور وہ جو ستے سے آنسکریم پارلر میں چندا کے ساتھ ڈیٹ
مارتے پکڑے گئے تھے وہ کون سی کلاس کی مودی کا سین تھا۔“
شائع نے باقاعدہ مگر پر ہاتھ جما کر احسن کو کھینچا۔
”چھوڑو دیں احسن بھائی..... شائع ویسے ہی سر بھرا ہے جو

کر رہا ہے کرنے دیں یہ جانے اور چندا جانے خواہ وہ اس بد
دماغ نے کوئی آگ لگا دی اریہ بہن بھائی کو جا کر تو آپ کو لینے کے
دینے پڑ جائیں گے۔“ سمیر نے شائع کے تیور دیکھ کر احسن کے
کان میں سرگوشی کی۔
احسن نے بھی خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی اور شائع
کو اس کے حال پر چھوڑ دیا مگر دل میں کہیں نہ کہیں احسن کے
دل میں چندا کی فکر گئی جو اسے ستا رہی تھی چندا نے اسے سچے
دل سے چاہا تھا اور یہ احساس ایک بار پھر سر اٹھانے کو بے تاب
تھا۔

سلوئے دن ہی دن میں ساجن اور دیوانے تک خبر پھیلا
دی تھی کہ جن شام چندا مارکیٹ ضرور آئے گی۔ اس خبر کے عوض
سلو کو ساجن اور دیوانے دونوں نے پچاس کا نوٹ پکڑ لیا تو سلو
خوش ہو گیا تھا چندا کی بدولت اکثر اس کی کمائی ہو جاتی تھی۔
چندا کی آمد پر دیوانہ جہاں خوش تھا وہیں ساجن پریشان سا چندا
کے سرخ کترے ہوئے دوپٹے کو تکتا ہوا تھا۔
”چندارے چندارے..... کبھی تو زمین پر آ..... مل بیٹھیں
گے باتیں کریں گے۔“ دیوانہ بھونڈی آواز میں گنگنا رہا تھا وہ
دن قبل لائے گئے مال کو دکان میں ترتیب سے سجا رہا تھا مگر اس
کے گانے کے بول ساجن کی سماعت میں پھٹے ہوئے سیسے
کے مانند گر رہے تھے۔ من ہی من میں وہ دیوانے کی گردن کی
مرتہم روڑ چکا تھا۔
”چندارے چندارے..... کبھی تو زمین پر آ..... دیوانہ
بلند تان لگاتے ہوئے بیت الخلا کے لیے باہر نکلا اور ساجن کو وہ
موتی بلا خزل ہی گیا جس کی وہ تلاش میں تھا۔
رش کا وقت تھا۔ تقریباً ساری دکانیں گاؤں سے بھری
ہوئی تھیں۔ ساجن کو سنہرا موصوف ملا تھا۔ وہ نظریں پچاتا دیوانے
کی دکان میں جا گھسا۔ دگر پر تھا اس لیے رنگوں سے زیادہ نہ
سوچ کا خوب صورت کڑھائی والے لیسوں کے بنڈل کو بد
صورت رنگوں میں ڈبو ڈالا..... چپکتے دکتے شوخ رنگوں سے
مزین لیسوں کی چمک ماند بڑھتی اور خوب صورتی دم توڑ گئی.....
یہ ساری کارستانی ساجن نے منٹوں میں غنائی گئی پرندہ رنگوں
سے لبریز ان لیسوں کے بنڈل کو وہ واپس ان کی جگہ پر رکھ کر
بڑے اطمینان سے اپنی دکان میں آ بیٹھا اور چندا کا انتظار سے
بھی اب بڑی شدت سے تھا۔

”نہ مجھے بتا چندا کب تک سخت پر پڑی رہے گی تو رات
ہوئے کوئے تیرا سونا ہی ختم نہیں ہو رہا۔“ بھولے بکڑے ہوئے
تیور کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تھا۔ آج دن کا آغا ز ہی اچھا نہیں
ہوا تھا صبح چ چندا سے من ماری ہوئی اور باڑے جاتے ہی دو
بھینسوں کی بیماری کی خبر سننے کو ملی۔ بیمار بھینسوں کا دودھ نہ ہوا
گیا اسی لیے روز کے کچھ گھروں کا نانہ..... نانے کے باعث
دھاڑی کم ہوئی اور دیہاڑی کا کم ہونا ویسے ہی بھولے کو گرم کر دیتا
تھا۔ بکتے بکتے قسمت کو کوئے ہوئے وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔
سانے سخت پر پڑی چندا کو خواب خرگوش کے مزے لوٹنے دیکھ کر
اسے بری طرح تباہی لہذا ساری بھڑاس اسی پر جھانکی۔
”ابھی آگ لگی تھی کہ تو نے آ کر میرے اچھے خاصے
سہانے خوابوں کا بیڑہ غرق کر ڈالا بھیا۔“ چندا انگریزی لیتے بیدار
ہوئی تھی۔ بھولے کی کڑوی سیلی باتوں کا اس پر چندا اس اثر نہ ہوا
وہ تو اب تک احسن کے سہانے پنوں کے شہار میں تھی۔
”آگ لگے تیرے ان مخوں پنوں کو..... شرم نہیں آتی
بھائی کے سامنے بے غیرتی کی باتیں کرتے ہوئے جا جا کر
ٹھنڈا پانی لے کر آ میرے لیے۔“ بھولے کا میٹرک دم گرم
ہوا۔ چندا کو سخت سے اٹھا کر ہی دم لیا اور خود تخت پر ناگسں سار کر
بیٹھ گیا۔ چندا نے براسمانہ بنا کر اپنے بھیا کو کھنڈ اور پھر تن فن
کرنی چکن کی طرف بڑھ گئی۔ واپس آئی تو ہاتھ میں اسکیل کا
کنورا ٹھنڈے شہار پانی سے لالاب بھر ہوا تھا۔
”لے لی پانی اور ٹھنڈا ہو جا..... سارا دن گرم دماغ لیے
پورے شہر میں دھناتا پھرتا ہے۔“ چندا نے کنورا بھولے کے
ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا اور منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے
تسکن کی جانب بڑھ گئی۔
”منہ ہاتھ دھو کر میرے لیے جلدی سے گرم گرم چائے
پراٹھا کر بنا لا۔“ ٹھنڈا پانی پی کر بھولے نے ڈکار ماری اور پھر
سے چندا کو مخاطب کیا۔
”بھیا..... میں تو جاری ہوں مارکیٹ اپنے کام سے.....
ایک کام کر تو اپنی بیگم کو کھانا اور اس سے جو چاہے بنا کر کھا۔“ چندا
نے صاف ہری چھنڈی دکھاتے ہوئے کہا تو بھولے کے تن
بدن میں پھر سے آگ لگ گئی۔
”کس کام سے ذرا مجھے بھی تفصیل بتا۔“ بھولے نے
جھٹ سے بھڑکائیں ماتھے پر رکھ لیں۔

قرآن پر مہنا آسان سمجھنا سب کے لیے آسان

معروف قلم کار مشتاق احمد قریشی کی عام فہم قرآنی تفسیر پر مبنی کتابیں



اسلامی کتب خانہ محمد ناریٹ غزنوی روڈ اردو بازار لاہور 0423-7116257

نئے انٹرنیٹ گروپ آف ایڈیٹرز 77 فریڈ جیمز روڈ لاہور 0213-562077/1/2

”ہائے یہ کیا غضب ہونے جا رہا ہے۔“ دیوانے کے دل میں پھل سی جی۔

”مجھے پتا چلا ہے کہ..... تم نے میرا.....“ چندا نے نظریں جھکا کیں پھر اٹھا کیں اور شرماتے ہوئے ہولے سے اٹھوا جملہ لبوں سے ادا کیا۔

”میں نے تمہارا کیا چندا؟“ دیوانہ چندا.....“ ساجن کی بے چینی عروج پر تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ چندا کے نرم دلائل مکھن جیسے ہاتھوں کو اپنے سخت کھر دے ہاتھوں میں تھام لے۔

”تم نے میرا دوا بڑا خراب کر ڈالا.....“ اس بار چندا واپس اپنی جون میں لوٹ آئی۔ وہی تیکھا غریبا غصیلا انداز..... ساجن سر پیٹ کر رہ گیا۔

”کھی کھی کھی.....“ دیوانے کی منخوس ہنسی ساجن کے کانوں میں زہر گھول گئی جسے اس نے بمشکل نظر انداز کیا اور چندا کی جانب متوجہ ہوا۔

”وہ چندا..... میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ ساری کارستانی اس کم بخت دیوانے کی ہے وہی تمہارے دوپٹے کو پٹی سے کتر کر گیا تھا۔“ ساجن بے قرار سا ہو کر اپنی وضاحت دینے لگا۔

”اچھا تو لاکھا میرا دوا بڑا.....“ چندا نے ایک گھڑی دیوانے کے نذر کر کے جیسے لہجے میں ساجن کو حکم دیا اور ساجن نے حکم پر سر جھکاتے ہوئے جھٹ وہ لال دوا بڑا اس کے آگے کر دیا چندا نے ہر زاویے سے دوپٹے کو الٹ بلیٹ کر دیکھا..... کترے ہوئے حصے کا بخور معائنہ کیا اور پھر ساجن کو کبھی لگا ہوں سے ٹھہرا۔

”ساجن..... تو بھی حد کرتا ہے..... دیوانہ تیری طرح مرد ہے ہر ڈکونی چوہا تھوڑی جویوں کتر ڈالے گا.....“ دیکھ اس طرح صرف چوہے کترتے ہیں.....“ چندا نے ساجن کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا۔

”تو بھی سب کی طرح اسے بے قصور سمجھ رہی ہے چندا کیا تو نے دیکھے نہیں اس کے لیے لیے بڑے بڑے دانت.....“ ساجن بے چارگی کی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ مظلومیت سے چندا کو تکتے ہوئے کہہ لگا۔

”چل چھوڑ ساجن..... اچھی بھلی شکل ہے دیوانے کی تو اسے ڈر کیلنا نہ بنا چل اب یہ بتا میرے دوپٹے کا نقصان تو کیسے بھرے گا؟“ چندا فی الحال دیوانے کے متعلق ایک فضول لفظ بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔ ساجن کے بعد اسے دیوانے کی

”بھیا کیوں تو مجھ سے ہر وقت الجھنے کو تیار رہتا ہے جانتا بھی ہے کہ آج میں بیٹکے سے ڈھیروں ڈھیر کترے لے کر آئی ہوں انہیں تیار کرنے کے لیے درمستجہ مجھے بازار کا چکر لگانا پڑے گا۔“ چندا بھلا خراج ہو کر بولی۔

”اچھا چل جا مگر جلدی آ جانا۔“ بھولے ذرا نرم پڑا اور بدایت نامہ جاری کر کے وہ رضیہ کو پکارتے اندر کمرے میں چلا گیا۔ چندا نے اپنا جلیو سنوارا اور کھر سے باہر نکل گئی۔

تجو کی دکان سے بٹکی دانوں کی بڑیا بنوا کر پاشا بھائی سے گلاب کا ایک پھول لے کر وہ شکر کی دکان میں جا پہنچی۔ وہاں سے گھنڈ بھر بحث کے بعد بیچنگ کے کچھ پڑے اٹھائے اور پھر سیدھا ماسٹر جی کی دکان پر آئی ماسٹر جی سے اس نے کپڑوں کی ڈیزائننگ کے حوالے سے ڈھیر سارے مشورے لینے ماسٹر جی کے مشورے ہمیشہ سے اس کے کام آتے رہے تھے ماسٹر جی کا تجربہ غضب کا تھا۔ ان کی ڈیزائننگ بہترین سے بھی بڑھ کر ہوتی۔ کافی دیر تک ماسٹر جی کا سر کھانے کے بعد چندا اپنی دروازہ کھلی چٹیا جھلاتے اور بٹکی دانے بھاگتے ہوئے دیوانے کی دکان کے سامنے سے گزری تو ایک چٹیلی سی چندا کی مسکان آصف دیوانے کے نام ہوئی۔

”ہائے..... چندا ارے چندا.....“ دیوانہ دل تھام کر رہ گیا مگر اگلے لمبے وہ چونک اٹھا چندا نے ساجن کی دکان کا رخ کیا تھا۔ دیوانے کو کچھ حد قہقہ کی اپنی کارستانی یاد آئی۔

”ہائے ساجن..... آج تیری خیر نہیں چندا تجھے چھوڑنے والی نہیں۔“ دیوانہ دل ہی دل میں خوش ہوا۔

”ساجن.....“ ساجن ڈرم میں تھسے رنگوں کو چپک کر رہا تھا۔ جب چندا نے اسے بڑی لگاوت سے پکارا۔

”چندا.....!“ ساجن سب چھوڑ چھاڑ انتہائی بے تابی کے عالم میں چندا کی جانب بڑھا۔

”مجھے پتا چلا ہے کہ.....“ چندا نے غمور نگاہیں ساجن کے بے تاب چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔

”کیا پتا چلا ہے چندا.....؟“ ساجن کا دل جھوم رہا تھا۔ چندا نے آج کتنے دن بعد اسے یوں پیار سے پکارا تھا۔

دیوانہ اپنے دکان سے مسلسل تاک جھانک میں مصروف تھا اسے لگتا تھا کہ گھبراہٹا تھا۔ ساجن اور چندا ایک دوسرے کے مقابل کھرے قربان جانے والی لگا ہوں سے ایک دوسرے کو تکتے میں مصروف تھے۔

دکان پر ہی جانا تھا۔ اسے پتا چلا تھا کہ دیوانہ اس بار بڑی اعلیٰ قسم کی بلیں لے کر آیا ہے۔ اس لیے وہ دیوانے سے فی الوقت اپنے تعلقات ذرا بھی خراب کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ دیوانہ بھلے اس کا دیوانہ تھا مگر اس کی کھوپڑی بالکل اخروٹ جیسی تھی۔ ذرا سی بھی بات پر اٹھتا کہ جیسی گرم اور وہ اگر اس وقت ساجن کی بات پر یقین کر لیتی تو یقیناً دیوانہ اس سے روٹھ جاتا اور جتنی بھی بلیں اسے اسی قیمت میں نہ دیتا۔

”تو جیسے بولے گی چندا میں ویسے تیرا نقصان بھروں گا۔“ تو بول تو سہی۔ ”ساجن منہ لٹکائے چندا کو منانے کی آخری امید لیے بولا۔

”اچھا تو پھر ایسا کر مجھے پانچ دوپے میٹ کے موتیوں والے خرید کر لا دے اور سن ساجن۔۔۔۔۔ ان میں ہی رنگ نہ گوانے ہیں۔“ چندا نے جھٹ کپڑوں کا تھیلہ اٹھوا اور اس میں سے کپڑوں کے رنگ دکھانے لگی۔ ساجن کی جان میں جان آئی۔ پانچ دوپوں کے عوض ہی سہی چندا مان تو گئی وہ اسی پر خوش تھا۔

”ساجن یہ نہ سمجھنا چندا لاچی خود غرض ہے ایک دوپے کے لیے پانچ دوپوں کا خرچہ کر رہی ہے دیکھ ساجن تو جانتا ہے چندا کچھ پر کتنا اعتبار کرتی ہے وہ سرخ و پیشہ میرا بڑا پسندیدہ تھا میری پھوپھی بڑے بڑے مہنگے بازار سے لا کر دیا تھا۔ اس کی کڑھائی تو دیکھی تھی ناں تو نے اب خود بتاؤ وہ پٹا خراب ہوا تو میرا دل کتنا دکھا ہوگا بس تو نے جو چندا کا دل دکھایا ناں اسی کی سزا دے رہی ہے چندا تجھے۔“ جاتے ہوئے چندا نے بڑی معصومیت سے ساجن کے دل پر وار کیا اور ساجن دل تمام کر رہ گیا۔

”معاف کر دے چندا۔۔۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں تجھ سے آئندہ کبھی تیرا دل نہ دکھاؤں گا۔ تیری ہر شے کو سینے سے لگا کر رکھوں گا۔“ ساجن شہنشاہ جذبات بناد ل کیر لہجے میں کہتا چلا گیا۔

”چل مان لیتی ہوں تیری بات۔ آئندہ دل نہ دکھانا اپنی چندا کا۔“ چندا نے دکان سے باہر نکلے ہوئے بڑی لگاؤ سے کہا۔ ”ساجن کا من“ اپنی چندا پر جھوم اٹھا۔ چندا کے جانے کے بعد وہ کتنی دیر تک چندا کے سہانے پنوں میں کھویا رہا۔ ”ہائے دیوانے۔۔۔۔۔ کتنی حسین بلیں لے کر آیا ہے ذرا میں بھی تو دیکھوں چل ذرا دکھا تو مجھے بھی دلی بلیں۔“ چندا دیوانے کی دکان میں پہنچ کر اب دیوانے کو گھیر رہی تھی۔

”ابھی دکھاتا ہوں۔۔۔۔۔ مگر یہ بلیں جتنی بھی خوب صورت ہوں چندا۔۔۔۔۔ تیرے گے ان کا حسن پانی بھرتا ہے۔“ دیوانے نے صدقہ داری ہوتی دکانوں سے چندا کو کھینچے ہوئے کہا۔ چندا کے گلابی باب شرمیں انداز میں سر اٹھائے۔

”چل ہٹ پٹک۔۔۔۔۔ بالکل ہی دیوانہ ہے تو۔“ چندا نے شرماتے ہوئے کہا اور دیوانے کے دل میں شکوے نکل اٹھے۔ وہ جلدی جلدی ساری بلیں نکالے لگا مگر اگلے ہی لمحے دل دھک سے رہ گیا۔ ان لیسوں کے بنڈل میں سے اکثر لیسوں پر بد نما رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ سارے بنڈل چندا کے سامنے سج کر دکھائی انداز میں گویا ہوا۔

”دیکھ چندا اس منحوس ساجن نے میرے سارے مال میں اپنے بد نما رنگ چڑھا دیے میرا زبرداریوں کا نقصان کر ڈالا۔“ چندا ہکا بکا رہ گئی۔ بلیوں کے بنڈل میں بد نما رنگوں کے دھبے ساجن کے خلاف کواہی دے رہے تھے۔

”یہ کیا کیا ساجن تو نے دیوانے کا سارا مال خراب کر دیا۔“ چندا دیوانے کے ہر اوہ خراب شدہ بلیوں کے بنڈل اٹھائے ساجن کی دکان میں پہنچ کر برس پڑی۔

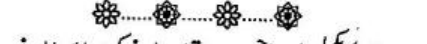
”میں نے کیا۔۔۔۔۔ کیا ہو گا ان چوہوں نے جنہوں نے میری دکان میں کھپ ڈالی ہوئی ہے پہنچ گئے ہوں گے وہ بھی دیوانے کی دکان میں۔“ ساجن نے منہ بسور کر انتہائی بھونڈا سا جواب دیا۔

”ساجن تیرا دماغ ٹھیک ہے کیا انا سیدھا بول رہا ہے پہنچ جاتا تو نے کیوں کیا ایسا؟“ چندا پھر اُچی دیوانے کا نقصان اس کا اپنا نقصان تھا۔ اسے ڈر اٹنگ کے لیے فی الفور بلیوں کی ضرورت تھی اور فی الوقت جو نقصان دیوانے کو اٹھانا پڑا تھا اس کے بعد وہ فوراً دوسرا مال لانے کے لیے نجلد راضی ہونے والا تھا نہ ہی اس پوزیشن میں تھا۔

”چندا جیسے میری بات کا یقین نہیں اور اس دیوانے کی ہر بات پر یقین کر لیتی ہے تو۔“ ساجن شکوہ کنال ہوا۔

”ساجن تیرے ساتھ جو بھی ہوا اس میں دیوانے کا ہاتھ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں تیرے پاس مگر تیرے رنگ خود کواہی دے رہے ہیں تیرے خلاف۔“ چندا کا سا جواب ساجن کے منہ پر مار گئی۔ دیوانہ بھی بڑا ہوتا تھا ساجن کی دکان سے نکل گیا۔ یہی فرق تھا ساجن اور دیوانے میں وہ آج سے نہیں ہمیشہ سے ساجن کی پشت میں جھجھکھونپتا آ رہا تھا مگر اس کا اصل چہرہ

ساجن کے کوئی نہیں پچھتا رہا تھا اور ساجن ٹھہرا ہمیشہ کا بے وقوف اس کی چھینٹ خانیوں کا رول وہ اسی طرح بھونٹے انداز میں دیتا تھا اور ہمیشہ سب کی نظر میں ملے برابر تھا۔ اس وقت بھی چندا اس سے بے حد ناراض ہو چکی تھی اور اب وہ منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔



اس کا مکمل نام ساجن پرویز تھا نہ جانے کیوں اماں ابانے اس کا نام ساجن رکھ ڈالا تھا مگر یہ نام اس کی شخصیت سے بے حد میل کھاتا تھا۔ یہ اداوں کا یار تھا ابانے نے نگریری کا کام شروع کیا۔ دکان کھولی تو نام ساجن کے نام پر رکھا۔ بچپن سے ہی وہ اماں کے ساتھ دکان پر بیٹھتا اور پیٹھ پیٹھتے وہ اماں سے ستر سیکہ گیا۔

چند ا کو وہ بچپن سے دیکھتا آ رہا تھا۔ اماں کی چندا کے ہاں سے گہری باری تھی وہ اکثر اس کی دکان پر آ بیٹھتے اور خوب پسینا نکلتے اکثر دیکھتے چندا بھی ان کے ساتھ ہوتی رنگ اسے اچھے لگتے تھے ساجن اسے وہ سارے رنگ دکھاتا تھا جو اس وقت دکان میں موجود ہوتے اسے نازک سی حد حسین ہی وہ گڑبا بے حد اچھی لگتی تھی۔ اس وقت اس کی زندگی میں چندا اس کی واحد دوست تھی۔

تب کی چندا آج کی چندا سے بے حد مختلف تھی وہ بہت معصوم تھی سادہ دل خیال رکھنے والی اور اپنوں سے محبت کرنے والی چندا۔۔۔۔۔ ساجن کو وہ ہمیشہ سے ہی بے حد پسند تھی۔ ہمہ وقت وہ اپنے ماں باپ کی خدمت میں جتنی رہتی تھی اور جب بھی ساجن کی دکان پر آتی اس کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لاتی بھلے وہ کچھ فایاں چھپ ہی کیوں نہ ہوں۔

ساجن کے دل میں تب سے ہی چندا کے لیے اہم مقام تھا اور یہ اہم مقام نہ جانے عمر کے کس حصے میں محبت بن کر ساجن کے وجود میں سانس لینے لگا وہ خود نہ جان سکا مگر چندا کا خیال اس کی فکر بڑھتے چاند کی طرح اس کے من میں بڑھتی چلی گئیں۔ آج تک چندا کی ہر بات کے سننے دیکھنے لگیں۔ چندا کے عشق میں ڈوبنے کے باعث وہ چندا کے ذہن و دل میں در آنے والی تہذیبوں کو محسوس نہ کر سکا اپنے والدین کی جادوئی موت کے بعد ساجن نے اس کی بے حد ہمت بندھائی تھی اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا چندا اس کی دوستی کے سہارے کچھ سمجھنے بوجھنے کے قابل ہوئی تھی ساجن نے بھولے کا بھی خوب ساتھ دیا تھا ہارے کے بنیادی اور مالی امور کی دیکھ بھال میں ہر طرح ساتھ دیا تھا۔ تب ہی بھولے کو ساجن پر یقین بھی بہت تھا اور

اس کے گھر آنے جانے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ ساجن کبھی کبھی اپنی چھوٹی بہن صبا کو بھی چندا کے پاس چھوڑ جاتا۔ ایسے ہی ایک دن صبا نے اسے بتایا تھا کہ آج جب وہ چندا کے گھر تھی تو چندا نے اپنی بھائی کا بھانہ بنا کر اسے واپس گھر سے لوٹا دیا تھا جبکہ چھوڑی دیر مل ہی صبا نے اس کے بھائی کو اپنی نئی ٹوٹی ڈھن کے ساتھ باہر جاتے دیکھا تھا۔ اتفاق سے صبا کی بھولی دو گھر چھوڑ کر اسی گلی میں رہتی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لیے اس کے گھر چلی گئی۔ اس کا اپنا گھر دو گلی چھوڑ کر تھا واپس گھر جانے کو باہر لگی تو اس نے چندا کے گھر سے ایک انجینی خوب صورت عورت کو باہر نکلتے دیکھا۔ وہ انجینی عورت ایک گاڑی میں سوار ہو کر چلی گئی تھی۔

دوبارہ ملاقات ہونے پر صبا نے چندا سے بارہا اس عورت کی بابت دریافت کیا مگر چندا صاف مکرنگی صبا نے اس بات کا ذکر ساجن سے بھی کیا۔ چھوٹی بہن کی مگر ساجن بھیا کے دل میں چندا کے لیے موجزن جذبات سے بخوبی آگاہ تھی۔ ساجن نے اس قصے کو زیادہ اہمیت نہ دی مگر اس دن کے بعد سے چندا میں غیر محسوس انداز میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی تھی وہ گھر کے کام کاج سے زیادہ سلائی کڑھائی پر توجہ دینے لگی پھر ایک دم اس نے سلائی کڑھائی کے ادارے میں داخلگی کی خواہش کا اظہار کیا اور ساجن کی بدولت جلد ہی اسے مطلوبہ ادارہ مل گیا مگر فیس چندا کی پہنچ سے دور تھی۔ اس موقع پر بھی ساجن نے چندا کی مالی معاونت کی چندا نے کورس مکمل کیا تو ساجن نے اس کی ملازمت ایک فیکٹری میں لگوا دی کچھ عرصے بعد ہی چندا کا رویہ ساجن سے اکڑا اکڑا رہنے لگا پھر اسے چندا سے متعلق کچھ عجیب باتوں کی بھینک پڑی۔

ہوا کچھ یوں کہ روز کی طرح وہ اس دن بھی چندا کو لینے اس کی فیکٹری آتا تھا دروازے کے باہر کھڑا وہ کب سے انتظار کر رہا تھا فیکٹری کے دروازے سے کچھ لڑکیاں باہر نکلی تھیں اسے انتظار میں موقوفہ کچھ کروہ مختصر فاصلہ انداز میں ایک دوسری کو دیکھ کر ہاتھ پر ہاتھ مارنے لگیں کھٹکھٹا کر فیس پڑیں۔ ان کی اس مشکوک حرکت کو ساجن نے تعجب سے دیکھا اور شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر انداز کر گیا۔

”بڑی تو پ چیز ہے یہ چندا۔۔۔۔۔ اس بے چارے کو بھنوں بنا کر گیٹ کے باہر کھڑا کر رکھا ہے اور اندر اپنی اداؤں سے پاس کو بھانسنے کے چکر میں ہے۔“ وہ لڑکیاں اس کے نزدیک سے

کھسک پھسکرتی گزری تھیں۔ یہ ساجن کی بدبختی تھی کہ اس کا کہا گیا تھوڑا سا جملہ ساجن کی ساعت سے ٹکرا گیا تھا۔
”یہ چندا کے بارے میں کیا الٹا سیدھا بول رہی ہیں آپ لوگ؟ میری چندا ایسی نہیں ہے۔“ وہ ناگواری سے ٹوکے بنا نہ رہ سکا۔

”بھلا ہمیں کیا ضرورت ہے کچھ اناسیدھا بولنے کی۔“ ان میں سے ایک لڑکی نے ٹھیک ٹھاک براہ مناتے ہوئے ساجن کو سرتاپا گھورتے ہوئے کہا۔
”چندتا ہے ہی اتنی سین ڈین اور باصلاحیت کہ آپ جیسی لڑکیاں جل کر ایسی باتیں اس کے حوالے سے گھڑنے لگتی ہیں۔“ وہ چندا کی شان میں تنقید پر پڑھتا ان لڑکیوں کو بری طرح تپا گیا۔

”چندتا اگر حسین ہے تو ہم کوں سادہ صورت ہیں اگر اس میں صلاحیت ہے تو ہم بھی یہاں اپنی صلاحیتوں کو منوانے آئے ہیں ناں کہ چندا کی طرح غیر مردوں کو اپنے حسن کے جال میں پھانسنے نہیں آیا بڑا چندا کا رشتہ دار ہونہ۔“ وہ لڑکیاں کھری کھری سناتیں ناک بھوں چڑھاتی وہاں سے چلی گئیں۔ ساجن مسمم کھانے سب کی باتوں کو سوچتا رہا۔

”تم کیوں گوتہ بدہ ہے گھڑے ہو یہاں قسم سے بڑے ہونٹ لگ رہے ہو ساجن۔“ چندا کب اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اسے پتا ہی نہ چلا مگر اسے جھران لڑکیوں کی زہریلی باتیں اس کی ساعت میں زہر گھولتی رہیں۔ بلا خروہ چندا سے پوچھ ہی بیٹھا۔

”چندتا حیرا باس کیسا ہے۔۔۔۔۔ بہت ہینڈسم ہے کیا۔۔۔۔۔“ ساجن نے جھجکتے ہوئے چندا سے استفسار کیا وہ بانٹیک چلا رہا تھا اور چندا اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے بے نیازی سے اس کے پیچھے بٹھی تھی۔

”ہائے یہ بے پرکی کس نے اڑائی۔۔۔۔۔ وہ تو بڑھا کھوسٹ ہے۔۔۔۔۔ تجھ سے کس نے کہا ہینڈسم ہے۔“ چندا سخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

”وہ۔۔۔۔۔ وہ کچھ لڑکیاں کہتی ہوئی نکل رہی تھیں کہ باس بہت اسارٹ ہے۔“ ساجن نے یوں ہی بات کھڑی۔
”اندھی ہوں گی اسارٹ تو نہیں مگر بڑھا مالدار بہت ہے۔“ چندا نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔
ساجن نے چونک کر بانٹیک کے شیشے میں چندا کا چہرہ

دیکھنا چاہا مگر وہ منہ موڑے بیٹھی تھی پھر کچھ دن بعد ہی اسے چندا کی نوکری ختم ہونے کی خبر ملی۔ اس نے اپنے طور نوکری ختم ہونے کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی اور جو خبر اسے پتا چلی اس نے ساجن کے ہوش اڑا دیے تھے۔

مگر چندتا نے ملازمت ختم ہونے کا کوئی اور ہی قصہ سنایا تھا اور وہ اس پر یقین کر کے چندا کے لیے کوئی دوسری ملازمت تلاش کرنے لگا تھا۔۔۔۔۔ جلد ہی اسے سمر اسرمان کے حوالے سے اطلاع ملی اور وہ چندا کو لے کر ان کے گھر جا پہنچا تھا سمر اسرمان کے گھر بات بن گئی اور چندا کی لازمی لازمی نقل آئی۔ چندا بے حد خوش تھی اور چندا کو کچھ کرسا جن بھی خوش تھا۔

آصف دیوانے سے اس کی بھی نہیں تھی۔ وجہ فقط چندا نہ تھی بلکہ دیوانے کے کروت تھے۔ اس کا نام دیوانہ ایسے ہی نہ بڑا تھا۔ آتی جاتی ہر خوش شکل لڑکی سے میل جول بڑھاتا اس کا شیوہ تھا۔ ساجن کو شروع سے ہی اس کی یہ عادتیں بے حد کھٹکتی تھیں۔ دلوں کی دکان ساتھ ساتھ ہونے کی بنا پر وہ اس کی انٹی سیدی حرکات سے بخوبی واقف تھا مگر اس کا دل بری طرح تب کھٹکا جب سمر اسرمان کے گھر کا کام لینے کے بعد چندا نے دیوانے سے میل جول بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ چندا بہت بدل گئی تھی۔ وہ دیوانے سے تعلقات بڑھا کر اس کی دکان سے

مہنگی مہنگی ٹیکس انتہائی کم داموں میں خریدتا تھا۔ اٹھارہ تھی۔ ساجن کو اس کا یہ چھپھورا بری طرح کھٹکا رہا تھا۔ کتنی بار اس نے چندا کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کتنی سے اسے اپنی حد میں رہنے کی تاکید کر جاتی۔ ساجن کا دل تب بے حد دکھا تھا۔ ساجن جب اس کو سمجھانا چاہتا چندا اس سے خفا ہو جاتی وہ اپنا وقار کھوٹی جا رہی تھی اور چندا کا وقار تو اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ چندا سے دستبردار ہونے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ ہر حال میں اپنی فطرت سے دور ہوئی اور دنیاوی رنگ میں رنگی چندا کو بچا لینا چاہتا تھا کیونکہ فطرت سے دوری مصیبت کو دعوت دینے کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

چندتا نے گزشتہ ایک ہفتے میں ڈرامنگ بھی کر لی تھی کپڑوں کے میچنگ دوپٹے بھی تیار تھے وہ دے اسے ساجن نے ہی لا کر دیے تھے خوب صورت رنگوں میں رنگ کر اٹیختم کا پیکو کروا کر۔۔۔۔۔ چندا نے کپڑوں کے ڈیزائن پتیرن اکٹھے کیے دوپٹے سنبھال کر ایک خیمے میں رکھے خود کو گھبراہٹ سوار ایک

شوخ نگاہ دیکھنے پر ڈالی اور نکل گئی گھر سے۔ سمر اسرمان کے گھر فی الحال جانا اتنا اہم تھا نہ ضروری مگر دل کا کیا کرتی جو احسن کی ایک نگاہ خالص کا مشتاق تھا اور دل کے ہاتھوں مجبور وہ اسرمان ہاؤس کے دروازے پر پہنچی۔ حسن اتفاق تھا کہ اس بار بھی سب سے پہلے اس کی ملاقات شافع سے ہوئی تھی۔

”آپ کو کیا ہمارے آنے کی خبر مل جاتی ہے جو سب سے پہلے اس گھر میں آپ کا دیدار ہوتا ہے۔“ چندا ہنسی۔
”جناب اسے آپ یوں بھی کہہ سکتی ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔“ شافع نے غیر متوجہ نہیں چندا کے حسین چہرے پر جھاتے ہوئے کبھی لہجے میں کہا۔ چندا نے چونک کر شافع کو دیکھا تو اپنے قد کاٹھ کا لاکھ خوربوڑو جوان جس کی نگاہوں میں بے پناہ شوق سے بھر پور پیغام تھی تھے۔ وہ مسکرائی۔

”جو بات احسن کی ہے جو مقام اس کے دل میں احسن کا ہے وہ کوئی نہیں لے سکتا۔“ دل نے فوراً تسخیر کیا۔

”تو آپ کے خیال میں ہمارے دو آپ کے دل کی راہیں اب میل کھانے لگی ہیں؟“ چندا نے اس بار ٹوٹی لگا نہیں شافع کے مسکراتے چہرے پر جھاتے ہوئے دریافت کیا۔
”بالکل۔۔۔۔۔ میل کھانے لگیں۔۔۔۔۔ کیوں آپ کو نہیں لگتا؟“ شافع دل ہی دل میں چندا کی ٹوٹی لگا ہوں پر مسکرائی۔

”جو راہیں بہت جلد اور تیزی سے بنتی ہیں وہ جدا بھی جلدی ہو جاتی ہیں اتنی قابل اعتبار نہیں ہوتیں دل کی یہ راہیں۔“ چندا نے مسکرا کر جواب دیا اور شافع بھوچکا رہ گیا۔ چندا لاؤنج میں آ گئی تھی۔ اس کی اچانک آمد پر سمر اسرمان حیران ہوئیں مگر چندا نے اپنے آنے کے مقصد کو اس خوب صورتی سے بیان کیا کہ کچھ ہی لمحوں میں وہ اپنی جانی والی پریشانی بھلا بیٹھیں۔

”میں نے اریہہ کے ڈرمز کے کچھ پیئرز بنائے ہیں اگر اریہہ ان پیئرز کو کچھ لے اور فائل کروے تو پھر میں ان پر کام شروع کر دوں۔ بنا اریہہ کو مطلع کیے میں ان پر کام نہیں کر سکتی آپ تو جانتی ہیں ناں آئی اریہہ ڈرمز کے معاملے میں کتنی چوڑی ہے۔“ کچھ ہی دیر میں اریہہ چندا کے ساتھ بیٹھی ان پیئرز پر بحث کر رہی تھی۔ دل ہی دل میں وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ کچھ دیر قبل ہی احسن آفس کے لیے روانہ ہوا تھا۔ دیکھا جائے تو اریہہ نے چندا کو گھر بلا کر ایک بہت بڑا رسک لیا تھا۔ وہ عورت جس سے اس کے شوہر کا ماضی میں معاشرہ رہ چکا ہوا ہے دوبارہ گھر بلانے کا رسک کوئی بھی سمجھدار عقل مند عورت نہیں لے سکتی مگر

اریہہ نہ نئے اعداد کے کپڑوں کی اس قدر دیوانی تھی کہ اس نے بناء سوچے سمجھے بڑا رسک لے لیا۔ سمر اسرمان نے دہ لفظوں میں اسے سمجھا تھا مگر اریہہ نے یہ کہہ کر اپنی مطمئن کر دیا تھا کہ چندا کو وہ لوگ جب بھی بلائیں گی احسن کی غیر موجودگی میں بلائیں گی مگر آج چندا کی اچانک آمد نے اریہہ کو ایک جھکاوے ہی ڈالا تھا وہ دل ہی دل میں بیچ و تاب کھاتی چندا سے ملنے کے ڈیزائن پیئرز پر بحث کر رہی تھی۔ فروا کو بھی چندا کے لائے گئے دوپٹے بے حد پسند آئے تھے۔ فروا کے لباس کے ساتھ جو دوپٹے تھے اسے وہ پسند نہیں آئے تھے اسے کنٹراسٹ میں دوپٹے چاہیے تھے۔ چندا نے ان دوپٹوں کی ذمہ داری خود لے لی تھی اور ساجن سے وہ دوپٹے منگوا کر چندا نے ایک ایک دوپٹا منگوا دماوں میں فروا کو بچا تھا۔

آج کا دن چندا کے لیے مایا طور پر تو بے حد شان دار گزرا تھا مگر دل شاک تھا احسن کا دیدار ہو جاتا تو۔۔۔۔۔ دل کو سکون آ جاتا۔۔۔۔۔ وہ کچھ اسی دل دروازے سے باہر نکل رہی تھی جب پیچھے سے اسے کسی نے پکارا۔۔۔۔۔ چندا نے پلٹ کر دیکھا اس کے عقب میں شافع موجود تھا۔
”آپ اتنی جلدی جا رہی ہیں؟“ وہ مسکراتا ہوا اس کے نزدیک آیا۔

”جلدی کہاں۔۔۔۔۔ کافی وقت گزر گیا اب تو۔۔۔۔۔“
”میں باہر کی کام سے جا رہا تھا۔“ شافع نے چندا کو پیش کش کی اس کی پر شوق نگاہیں چندا کے بروسج چہرے کو تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔

”نہیں شکر یہ۔۔۔۔۔ چندا نے گھر کا راستہ ہر ایک کی ہمراہی میں طے نہیں کرئی۔“ اس بار چندا نے بھی اس کا جواب دیا شافع کی تنکلی اسے کچھ خاص پسند نہیں آ رہی تھی۔

”بہت خوب اور اگر میں کہوں کہ اس ناچیز کے پاس آپ کے لیے احسن کی طرف سے ایک خاص پیغام ہے تو پھر۔۔۔۔۔“ شافع نے اس کے لیے سن چاہا وہ ڈالا اچھا چندا بڑبڑھئی۔

”میرے خیال سے اب تو آپ میری ہمراہی میں اپنے گھر تک کا سفر طے کرنے پر راضی ہوں گی۔“ شافع نے اپنی پیشکش ایک بار پھر سے دہرائی اور چندا اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔
کتنی دیر تک وہ بے چینی سے منتظر بیٹھی رہی۔۔۔۔۔ چندا سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کرنے کے بعد شافع بے نیاز بنا

”اُحسن..... تمہارا نمبر لیٹا چاہ رہا تھا..... وہ تم سے فونوں بات کرنا چاہتا ہے۔“ چندا جب گاڑی سے اترنے لگی تو شافین نے اصل مدعا اس کے آگے رکھ دیا۔ چندا نے جھٹ اپنا نمبر شافین کو دیا اور گاڑی سے اتر گئی مگر جاتے ہوئے کہنا نہ بھولی۔

”اُحسن سے کہیے گا کہ میں اس کے پیغام کا انتظار کر رہی ہوں۔“

”میں بزدل نہیں ہوں چندا..... مجبور ہوں مگر میں کم سے
 وعدہ کرتا ہوں کہ یہ مجبوری کی زنجیر جلد توڑوں گا اگر تم میرا ساتھ
 دو۔“ احسن نے عاجزی سے کہا چندا کا دل پھل گیا۔
 ”چندتا ہر حال میں تمہارا ساتھ دے گی احسن۔“ چندتا نے
 محبت سے چور لکھی میں کہا۔

لڑکیوں کے پیچھے وہ اپنا حقیقی وقت اور باپ کی دولت دونوں ہی ضائع کر رہا تھا..... ہر نادان ماں کی طرح زرخار بے نیام بھی اس کی غلطیوں، نادانیوں پر پردہ ڈالے رکھتیں مگر اب تک.....

جلد ہی فیضان میاں کے کوٹلی صاحبزادے کے کارنامے پتھراب کے چھوٹے شہر میانوالی کے مقامی اخباروں کے فرسٹ پیج پر چھپنے لگے۔ فیضان صاحب کی خوب بدنامی ہوئے تھی۔ حال ہی میں انہوں نے فرخ کا رشتہ اپنے ایک کاروباری دوست کی بیٹی سے طے کیا تھا کچھ دنوں میں فرخ کی شادی عوبے والی تھی۔ شاخ کے کارنامے فرخ کے رشتے کو بھی متاثر کرنے لگے تھے ایسے میں فیضان صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ شائع کو کچھ دنوں کے لیے ماموں یعنی ارسلان میاں کے گھر بھیج دیا جائے۔ ارسلان ہاؤس کے مکین اب تک موصوف کے

”دیکھا ہے نہیں..... دیکھ رہا ہوں..... اپنے سامنے کھڑی
 ران بھابی کو..... ویسے ایک بات بتاؤں بھابی..... آپ
 ادبی کے بعد احسن کے ہاتھوں بیوقوف بننا شروع ہوئی ہیں یا
 شروع سے ہی ایسی تھیں۔“ شافع نے اس مار کھل کر اسیہ کو

گھیرا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا شافع؟ کہنا کیا چاہتے ہو؟“ بلا آخر اس نے ناگواری سے منہ نہاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”اے میری نادان بھائی ناراض نہ ہوں میں تو بس یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اپنی آنکھیں کھولیں آپ کے میاں آج کل مجھ سے چندا کا حال احوال پوچھتے رہتے ہیں۔“ وہ آنکھیں گھماتا ہوا دانا انداز میں کہہ رہا تھا اور اسی میں آنکھیں جھٹکھٹکھٹکیں۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا اس نے چندا اور اس کا آمناسا منانہ ہونے دیا تھا مگر پھر بھی اس کا چندا کے لیے یوں بے قرار ہونا اس پر کھانے چاروں اطراف خطرے کی گھنٹیاں بجتی سنائی دینے لگیں۔

”حسن تو اس دن مجھ پر بھی غصہ کر رہا تھا کہ چندا سے بات نہ کیا کرو۔ مجھے نہیں پسند کہ کوئی بھی اس سے بات کرے۔ میں نے کہا بھی تمہارا چندا سے اب کیا واسطہ تو جانتی ہیں بھائی کیا جواب دیا حسن نے۔“ وہ جھوٹے قہقہے گھڑتا کمال کی اداکاری کر رہا تھا۔

”کیا کہہ رہے تھے حسن؟“ اس نے لڑتے دل سے پوچھا۔

”غصہ کر رہا تھا کہ میں کون ہوتا ہوں چندا اور اس کے بچے آنے والا۔ چندا کے سارے راستے آتے ہی مجھ تک ہیں۔ اور بھی نہ جانے کیا کچھ کہا تھا؟ میں بتانا نہیں چاہتا آپ کو دکھ ہوگا۔“ وہ سارے کاری وار کر کے اب معصومیت سے کہہ رہا تھا۔ اریب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ حسن ابھی بھی چندا کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہیں میں تو جانتی تھی کہ میرے ساتھ میرے خیال اور میری محبت نے ان کے دل سے چندا کو نکال دیا ہوگا۔ مجھے یقین نہیں آتا شافع۔“ اریب کی صرف آنکھیں نہیں ابھری تھیں ہوا تھا وہ غم آنکھیں شافع کے چہرے پر جمائے ہوئے تھیں۔

”آپ ایسا کیجیے گا چندا اور حسن کا آمناسا منانا کروائیے گا۔ اس وقت ان دونوں کے جو تاثرات اور حالت ہوگی وہ خود ملاحظہ کر لیجیے گا اور آپ کی آسانی کے لیے میں اس وقت چندا سے مخاطب ہونے کی کوشش کروں گا پھر خود دیکھ لیجیے گا اپنے میاں جی کے تئیں۔“ شافع تو کہہ کر چلا گیا مگر اریب وہاں بیٹھی کافی دیر تک چلتی رہتی رہی۔ حسن جب گھر آیا تو

بیکم کے بگڑے تئیں ناہنجی سے ملاحظہ کیے۔ مزاج باز برہم ہونے کی وجہ دریافت کی تو ایک جنگ عظیم رونما ہوگئی سارا ماجرا سن کر حسن کو شافع پر شدید غصہ آیا مگر فی الوقت اسے اریب کو سمجھانا تھا جو شافع کے بہکاوے میں آ کر حسن سے شدید متغیر ہو چکی تھی۔ حسن کو اس تکبیر میں الجھا کر شافع آرام سے رات مات بھر چندا سے حسن بن کر باتیں کرتا رہا تھا۔



چندا اس بار مہارت کے ساتھ ساتھ نہایت بھرتی کا بھی مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس نے دن رات ایک کر کے مسز ارسلان کا ایک لباس تیار کیا تھا۔ فردا کے لباس کے لیے اسے کچھ فنیسی نکلیں اور دیگر لوازمات چاہیے تھے۔ اس مقصد کے لیے اسے دیوانے کے ساتھ ایک شام گزارنا پڑی۔ اس شام وہ دیوانے کے ساتھ قلم دیکھنے بیٹھی گئی اور اوپسی پر گول گپے بھی کھائے۔ خوب تصویریں بنوائیں اور خریں بڑی لاجت کے ساتھ اس نے دیوانے کا ہاتھ تمام کرکشی فیتی اور فنیسی بیبلوں کی فرمائش کی۔ دیوانہ نیم رضامند ہوا اسے مزید خوش کرنے کے لیے چندا نے اگلے کئی دن تک ساجن کا دل جلی جلی باتوں سے دکھایا پھر آخر کار دیوانے نے چندا کو بہترین کوٹائی کی فنیسی بیبلیں منسل تحفے میں دے دی ڈائیں۔ ہزاروں کا حساب تھا جو چندا نے اپنی ذہانت سے مفت میں اڑایا اور اب دن رات کپڑوں کی ڈیزائننگ میں جتی ہوئی تھی۔

کل رات حسن نے اس سے کہا تھا کہ وہ جلد ارسلان ہاؤس آئے وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔ حسن کی فرمائش پر اس نے اسے اپنی تصویریں بھی بھیجی تھیں اور اب جلد از جلد چندا ایک لباس تیار کر کے ارسلان ہاؤس جانا چاہتی تھی۔ رات تاریک ہوئی جاری تھی مگر وہ سلائی مشین میں جتی ہوئی تھی۔ بھولے لٹی بار بلند واز میں اسے کوس چکا تھا۔ مشین کی گھر گھر سے اس کی اور اس کے بچوں کی نیند میں خلل پڑ رہا تھا مگر وہ چندا کی کیا جو بھولے کی بات پر کان دھرے۔ اگر بھولے کی بات پر وہاں دیتی تو جو دن رات محنت کر کے جو تھوڑی بہت رقم محفوظ کی تھی وہ بھی نہ ہوتی۔ اپنے روشن خوب صورت مستقبل کے لیے جو محنت کرنا تھی اسے ہی کرنا تھی۔ بھولے کو نہیں۔ یہ بات وہ خود کو اچھی طرح سمجھا چکی تھی۔

ان ہی سوچوں میں غرق وہ سلائی مشین کی سوتلی میں دوسرے رنگ کا دھاگہ پرور ہی گئی کہ سامنے رکھا موبائل بیکدم

تھر تھرانے لگا۔ چندا نے جلدی سے موبائل اٹھا، حسن کا دل کر رہا تھا اسے۔ وہ مشین چھوڑ چھاؤ تخت پر جا بیٹھی تھی۔ حسن نے کہا وہ کل شافع کو اسے لینے کے لیے بھیجے گا۔ کل اسے برحال میں ارسلان ہاؤس آتا ہے۔ وہ بے چینی سے وہاں اس کا انتظار کرے گا۔ حسن سے بات ہو جانے کے بعد وہ من ہی من میں کل دن کے معاملات کی ترتیب دینے لگی۔ رنگین پینے اس کی آنکھوں میں قوس و قزح کے رنگ بکھیرنے لگے تھے۔



حسب وعدہ شافع اسے لینے کے لیے اس کے گھر آ پہنچا وہ مغروری فرنیٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر شافع کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ بھولے آج سویرے ہی ہاؤس کے لیے نکل گیا تھا۔ بے چاری رضیہ شافع کی شاندار گاڑی کو مشہور زمانہ کریم کی گاڑی اور شافع کو ڈرائیور کچھ کر دروازہ بند کر کے پلٹ گئی البتہ چندا کو فرنیٹ سیٹ پر بیٹھا دیکھ کر اس کا ہاتھ تھڑک رہا تھا۔

”آ نے دے بھولے کو بتاتی ہوں اس کی لاڈلی بہن کے کرقوت۔“ وہ منہ ہی من میں بڑبڑاتی سننے کو گود میں اٹھا کر باقی بچوں پر چبھتی چلاتی اندر چلی گئی۔

ساجن اور دیوانے دونوں نے ہی چندا کو اس بڑی سی گاڑی میں کسی غیر شخص کے ہمراہ جاتے دیکھا تھا ساجن کا دل تو پہلے ہی چندا کے دیے گئے زخموں سے داغ داغ تھا مگر دیوانے کو جھٹکا کافی دور سے لگا تھا۔ چندا گاڑی میں بیٹھی اس کے سامنے سے گزری اور اسے یکسر نظر انداز کرتی اس انجینی شخص سے خوش گپیوں میں مصروف رہی۔ انجینی کچھ نہ ٹل ہی تو چندا نے دیوانے کو کئی کہنی خواب دکھائے تھے کہتے ہی وعدے کیے تھے اور دونوں میں سب بھول بھال وہ کسی اور کی سنگت میں گھوم رہی تھی۔

”بھولی دغا باز۔“ چھوڑوں گا نہیں تجھے۔“ دیوانے نے طیش کے عالم میں منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دل میں عہد کیا۔ ارسلان ہاؤس میں چندا کی شافع کے ساتھ مدد سب کو ہی چونکا گئی۔ مسز ارسلان سب سے زیادہ متحیر ہوئیں۔ کچھ دن قبل ہی انہوں نے فرو اور شافع کے رشتے کا تذکرہ ارسلان صاحب سے کیا تھا اور ارسلان صاحب بھی بخوشی راضی تھے بلکہ آج کل میں اپنے چھوٹے بھائی سے بات بھی کرنے والے تھے مگر شافع کی حریفانہ آج شنگ میں جھلا کر رہی تھیں کہیں حسن

کی طرح شافع بھی چندا کے حسن میں گرفتار تو نہیں ہو گیا دل میں وہم پیدا ہوا۔

”تم دونوں ایک ساتھ۔“ شافع تم چندا کو گاڑی میں لے کہیں پھرے پھرے ہو۔“ انہوں نے کڑے لہجے میں شافع سے باز پرس کی جبکہ ایک خت نگاہ چندا کے شعلے بھڑکاتے سر پر پڑی۔ چندا نے ناز رہی۔

”اے تانی جان۔“ کہیں لے کر نہیں پھر رہا آپ کی ڈیزائننگ۔“ میں کھڑک رہا تھا تو یہ محترمانہ سارے شاہرہ اٹھائے باپتی کا پتی چلی آ رہی تھیں۔ میں نے تو ازراہ ہمدردی انہیں گاڑی میں بٹھالیا۔ جو راستہ بڑی منٹ میں طے کرتیں وہ دونٹ میں کٹ گیا۔“ شافع نے بلکہ جھٹکے انداز میں کمال کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ مسز ارسلان کا سارا شک کا فور ہو گیا۔ چندا بھی شافع کے جھوٹ کو دل میں سہاے بغیر نہ رہ سکی مگر وہ کڑی فرو اتنی نا سمجھ نہ تھی اس نے شافع اور چندا کو کون اکیوں سے اشارے کرتے دیکھ لیا تھا۔

اریب کو چندا کی آمد کا علم ہوا تو گھبرا گئی۔ حسن آج گھر پر تھا اسے آج دیر سے جانا تھا شافع جانتا تھا یہ بات سب ہی اس نے آج چندا کو اس وقت زور دے کر بلایا تھا۔ اریب کو کھلے کھائے جاری تھی کہ حسن کے دل میں چندا کے لیے بڑی محبت کہیں اسے سامنے دیکھ کر وہ اتھوڑا ہو جائے آئی مگر میں وہ کافی دیر تک حسن کو نیچے جانے سے روکتی رہی مگر کب تک۔ حسن بلا خریچہ آچھا گیا۔

فرو اپنے لباس کا معائنہ کرنے میں مگن تھی جبکہ مسز ارسلان اپنا لباس پہن کر دیکھنے کے لیے اپنے کمرے میں گئی تھیں چندا اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھی سب ہی حسن بالائی منزل سے اترتے ہوئے نیچے آیا اور سامنے چندا کو بیٹھا پا کر ٹھٹھا کا اس کے قدموں میں زنجیر ہو گئے۔ حسن کو یوں اچانک اپنے سامنے پا کر چندا نے فرار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”حسن۔“ بلوں سے دھجی سی سرگوشی کی صورت صدا بلند ہوئی۔ کئی لمحے گزر گئے وہ دونوں یوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

”وہ آج بھی ویسی خوب صورت تھی بلکہ پہلے سے بڑھ کر حسین ہو گئی۔“ آئی رنگ کے لباس میں اس کی گلابی رنگت حسن کی نگاہوں کو شگفتہ بخش رہی تھی۔

چندا کی بے قرار نگاہیں حسن کے سارے چہرے پر محبت کو

تلاش کر رہی تھیں کئی بے نام سے لئے ان دونوں کے درمیان گم ہوتے جا رہے تھے۔ لاؤنج کے دروازے پر کھڑا شائع چیک سے ان دونوں کی کئی تصویریں اپنے کمرے میں محفوظ کر چکا تھا۔

”کیسے ہو احسن..... آج بلاخر ہم دونوں نے ایک دوسرے کا دیدار کر ہی لیا میری پیاسی نگاہیں آج سیراب ہو گئیں۔“ چندا بے تابی سے کہنے لگی اور احسن کی سماعت میں اترتے اس کے الفاظ اسے گنگ کر گئے۔ اوپر سے تم یہ کہ سیزہیاں اترتی اریبہ نے چندا کے یہ سارے فکری ڈانٹا لگ سن لیں اس کے تو تن بدن میں وہ آگ لگی کہ بجھائے نہ بجھے۔

اریبہ نے چیخ چیخ کر چندا کو وہ کوشا شروع کیا کہ بکھلائی ہوئی چندا کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنی پڑی۔ بے چارہ احسن ایک بار پھر اریبہ کے کٹھنرے میں جا کھڑا ہوا۔ مسز

ارسلان اور فروا کو جب تمام معاملات کا علم ہوا تو انہوں نے چندا کو خوب برا بھلا کہا۔ سارا اشتا محض وہی شکل بنائے شائع چمکتی آنکھوں سے ملاحظہ کرتا رہا۔ احسن بے چارہ مجرم بنا اپنی صفائی پیش کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہا مگر اس کی فریاد کسی نے نہ سنی نہ ہی اس کی بے گناہی پر یقین کیا۔ اوپر سے

سو نے پہا گریہ ہوا کہ چندا نے اتنی تذلیل کے بعد جوش میں آ کر سیدہ ٹھونک کر اپنی اور احسن کی محبت کا اعلان کر ڈالا۔

اریبہ تو ویش غش کھا کر گر پڑی۔ جواس باختہ احسن چندا کو غصے سے کھورتا رہا کہ سنبھال لے گا۔ چندا احسن کی اس کا پلٹ پر حیران و پریشان کی کھڑی رہ گئی۔ وہ احسن کے لیے ڈٹ گئی تھی مگر احسن نے اس کا ساتھ نہ دیا یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی

اس نے ناہم نظروں سے شائع کو دیکھا مگر وہ انجان بنارہا۔

اس دن چندا ذلت و رسوائی کا ٹوکرا لے کر ارسلان ہاؤس سے نکلی تھی اپنے محلے میں وہ لٹی پٹی کیفیت میں پہنچی۔ رگڑوں سے کھیلے ساجن کی نظر بے اختیار چندا پر پڑی۔ وہ دکان چھوڑ کر بے اختیار چندا کی جانب بڑھا۔

”چندا..... اس نے چندا کے پیچھے چلتے ہوئے پکارا مگر وہ خاموشی سے چلتی رہی۔ ساجن تیز قدموں سے چلا ہوا مزید اس کے قریب ہوا۔

”چندا.....“ اس ہارس نے ذرا بلند آواز میں اسے پکارا چندا نے بے ساختہ اسے دیکھا مگر اس کی آنکھوں میں غصے کی لہریں ملکورے لے رہی تھیں۔

”چلا جا ساجن..... چلا جا..... کوئی کام دھندا نہیں ہے جب دیکھو میرے پیچھے چلا آتا ہے۔“ وہ تندہ میں ساجن برس پڑی۔

”چندا..... تیری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی..... کیا ہوا مجھے بتا..... تیری حالت ٹھیک نہیں تو رک میں تیرے ساتھ.....“ ساجن اس کے تیز تیز کونظر انداز کرتا فکر مند سی کہہ رہا تھا کہ چندا نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے سوک دیا۔

”دیکھ ساجن تو چلا جا ابھی سامنے سے تیرا یہ منوں چھو میری طبیعت مزید خراب کر رہا ہے دُفع کیوں نہیں ہو جاتا میری زندگی سے تو۔“ چندا کے دل میں جو غبار اور نفرت اس وقت

ارسلان ہاؤس کے ٹیکنوں کے لیے اہل رہا تھا وہ سب کسی گرم سیال کی مانند ساجن کے وجود پر گرانی پاؤں پختی، نفرت سے منہ موڑ کر وہاں سے چلی گئی مگر ساجن ساکت کھڑا رہا۔

چندا نے اپنے اپنی زندگی سے دُفع ہونے کا کہا تھا۔ چندا اتنی نفرت کرتی تھی اس سے اس نے بھی سوچا بھی نہ تھا۔ دور کھڑا دیوانہ یہ سارا منظر ملاحظہ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کینہ پروری تھی اور لبوں پر سخرانہ مسکراہٹ۔ اس کا شاطر ذہن

بہت تیزی سے جال بن رہا تھا چندا کے شکار کجال۔



احسن کچھ دیر قبل ہی اپنے کمرے میں لوٹا تھا اور اب اریبہ کے سر ہانے بیٹھا اس کے بالوں کو زنی سے سہلا رہا تھا۔ آج جو کچھ ہوا وہ بے حد بد صورت تھا مگر شام ڈھلے اسے جو خبر تھی وہ بے حد خوب صورت تھی۔ لمحے بھر میں اسے اپنی زندگی بے حد حسین لگنے لگی تھی۔ اریبہ سے ساری شکایتیں دور ہو چکی تھیں۔

اس کا مرتبہ احسن کے دل میں مزید بلند ہو گیا تھا۔ اریبہ بے خبر نیند کی وادی میں مدھوش سی سوئی ہوئی تھی۔ احسن نے اس کا ہاتھ ہولے سے تھا اور اپنے لبوں سے لگا لیا۔

”میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔“ احسن نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے ہولے سے کہا۔

”تم یقین کرو یا نہ کرو میری زندگی کی سب سے خوب صورت وجہ تم ہی ہو.....“ اس میں جو کچھ بھی ہوا اس کا اب حال سے کوئی واسطہ نہیں ہے اریبہ اس حقیقت کو اب تم بھی مان لو میری زندگی۔“ وہ اب اس کے ہاتھوں کو ہولے ہولے زنی سے سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

آج صبح جو بھی تماشا ہوا..... وہ سب کچھ غیر متوقع غیر یقینی

تھا اور ان حالات کو دیکھ کر اریبہ کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ احسن اسے اسی وقت ہسپتال لے گیا تھا۔ وہ مکمل طور پر اس بات سے لاعلم تھا کہ یہ طبیعت خرابی اور اسل ایک بڑی خوش خبری کا پیش خیمہ ہے ہسپتال جا کر اسے علم ہوا کہ اریبہ امید سے ہے..... ڈھائی سال گزرنے کے بعد آج بلاخر انہیں یہ خوش خبری مل ہی گئی تھی وہ بے حد خوش تھا گھر میں اچانک جمیل جانے والی ناگوار فضا خوش گوار احساس میں بدل گئی تھی۔ ارسلان ہاؤس کے سب ہی مکین اس خوش خبری پر بے حد خوش تھے۔ خود اریبہ بھی اس خبر کے ملنے کے بعد کافی حد تک مطمئن تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان کو کد اب تک ناراضی کی فضا قائم تھی مگر اب احسن اس ناگوار فضا کو خوش گوار بنانے کے جتن میں مصروف تھا۔

احسن کی اس مسلسل چھیڑ چھاڑ نے اریبہ کی نیند میں بلاخر خلل ڈال ہی دیا۔ اس نے کسمسا کرا کھیں کھولیں سامنے احسن کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر لمبے بھر کے لیے دھکوی گئی۔ اس ایک شخص سے اس نے کتنی محبت کی تھی اور اس ایک شخص کو کھونے سے دو کتنا زاری تھی۔

”کیسی طبیعت ہے اب؟“ احسن نے اس سے محبت آمیز لہجے میں پوچھا۔ اریبہ کی آنکھوں سے موٹی چھلک پڑے۔

”حال سے بے حال کر کے پوچھتے ہو کہ کیسی ہوں میں۔“

اریبہ شکوہ کنال ہوئی۔ احسن نے اس کے شکوے کے جواب میں ایک گہری سانس لی اور پھر دھیرے سے گویا ہوا۔

”حال سے بے حال تو تم نے مجھے کر رکھا ہے اریبہ..... مجھے بے یقین کر دیا..... ایسا کیوں کیا اریبہ..... کیا تم نے مجھے بے وفا پایا؟ کون سا لمحہ تھا جب میں تمہیں دعا باز لگا۔ مجھے

بتاؤ اریبہ..... مجھ سے کہو..... آج میں اپنی زندگی کی تمام شکایتیں دور کر دینا چاہتا ہوں۔“ اسے اپنائیت سے اسے اپنی ہانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا اور اریبہ بن بادل برسات کے زیر اثر آ گئی..... چہکوں پہکوں ہچکیاں جیتی روئی وہ سب کچھ کتنی چلی گئی وہ سب کچھ جو شائع نے اسے بتایا تھا اور پھر

چندا کی باتیں..... وہ سیدہ ٹھونک کر کہہ گئی تھی کہ احسن صرف اس سے محبت کرتا ہے اور درحقیقت اریبہ کو شائع کی باتوں سے زیادہ شدید دھچکا چندا کے اس دعوے سے پہنچا تھا۔ احسن اریبہ کو شائع کے مزاج اور اس کے حوالے سے تمام باتوں کی وضاحت بتانے لگا۔

”شائع خود چندا میں لچپی لے رہا ہے اور اس کے مقاصد

آنکھ کی جانب سے ایک اور آنکھ

حجاب کرکچی

محبت نفرت کی آمیزش سے مزین ناقابل فرموش کہانیاں

سب سے زیادہ سنا

محبت وہ وفا کی مرد کا شیدا ہے، وہ اس میں کسی مقام تک جاسکتا ہے، نادیدہ فاطمہ رضوی کی خوب صورت تحریر

سب سے زیادہ سنا

محبت و جذبات اور خود مری کا اثر لیے ایک پراثر و دلکش تحریر نالک طارق کے قلم کا ایک نیا انداز، ایک نئی کہانی

سب سے زیادہ سنا

خاندانی رسم و رواج کو طرح لڑکیوں کو باقی کرتا ہے ریحانہ آفتاب کے لوگ قلم لکھی ایک خوب صورت تحریر

سب سے زیادہ سنا

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

Infoohijab@gmail.com
021-35620771/2
0300-8264242

تک نہیں ہیں اور اگر وہ کچھ غلط کر بیٹھتا ہے تو جو بھی نتائج ہوں گے سہجئے ہمیں پڑیں گے۔ پھوپھا جان کو بھی نہیں جواب دینا پڑے گا۔ بدنامی الگ ہوگی اور پھر چندا۔۔۔ وہ ایک الگ درد سر۔۔۔ اس سے بھی بڑا پڑے گا۔ میں اسی لیے اسے اس کی ان فضول حرکات سے روک رہا تھا۔ جس کا اس نے غلط مطلب نکال کر ہمیں بہکانا شروع کر دیا سمیران سب باتوں کا گواہ ہے یقین نہ آئے تو اسے کال کر کے پوچھ لو۔“ احسن ساری وضاحتیں دے کر اب اریہ کی جانب امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”اور وہ چندا۔۔۔ وہ کیوں اتنی پر یقین تھی آپ کے حوالے سے“ آپ کی محبت کے دعوے کر کے گئی ہے وہ۔۔۔ اتنی ہمت اتنا یقین کہاں سے آیا اس میں؟“ اصل خوف تو اب نکلا تھا اریہ کے لبوں سے۔

”اس بات پر تو میں بھی حیران ہوں اریہ کہ چندا کس بل بوتے پر اتنا سب کچھ کہہ گئی۔ جب سے اس کا ہمارے گھر میں دوبارہ آجانا شروع ہوا ہے میری اس سے بات چیت تو دور کی بات آمناسا مانا تک نہیں ہوا۔۔۔ جو کچھ ماضی میں ہوا تھا وہ سب کچھ اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔ مجھے اگر اس سے تعلق رکھنا ہوتا اریہ تو یہ کچھ مشکل نہ تھا۔ میں اس کا گھر بھی جانتا تھا اور نمبر بھی چندا نے بتا دیا تھا کہ میں کیا تھا مگر میں بہک کر سنبھل چکا تھا اور دوبارہ دیکھنے کی اب نہ خواہش ہے نہ گنجائش۔۔۔ اب میری اس بات کا میرے ساتھ کا اور میری محبت کا یقین تم بھی کر لو اریہ۔“ سچائی احسن کے لہجے سے جھٹک رہی تھی۔ اریہ کے دل سے بھی بے اعتباری کے بادل چھٹنے لگے تھے مگر پھر بھی ایک خوف باقی تھا۔

”اور وہ چندا۔۔۔“

”اوہوں۔۔۔“ احسن نے اس کے لبوں پر شہادت کی انگلی رکھ دی۔

”اب کوئی چندا نہیں میرے اور تمہارے درمیان اب بس ایک ہی چندا ہے۔ وہ جو چھپ چھپ کر ہماری پیار بھری باتیں سن رہا ہے۔“ احسن نے مسکرا کر کھڑکی سے نظر آتے افق پر دیکھتے چاند کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اریہ بے ساختہ مسکرائی اور پھر فوراً بولی۔

”بالکل غلط۔۔۔ ہمارے درمیان اب غمغریب ایک چاند سا مہمان بھی آنے والا ہے۔“ اس کے چہرے پر شرمیلیں

مسکراہٹ بھی اور احسن اس کے اس روپ پر دیوانہ ہونے کو قرار دے گیا۔



رات کے تیسرے پہر پیاس کی طلب سے اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔۔۔ وہ کمرے سے نکل کر کھن میں رکھے کالے سے لینے آئی تھی تب ہی خاموشی میں تیرنی سسکیوں پر ٹھٹھکی اندھیرے کے باعث کچھ نظر نہ آ رہا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے ہاتھ کی سسکیوں کو پچھان گئی تھی۔

”بھیا۔۔۔“ صبا نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے پکارا۔۔۔ ساجن سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ اندھیرے میں بھی وہ اپنے بھیا کی سرخ آنکھوں کو دیکھ سکتی تھی اس کے دل پر کسی نے زور سے ٹھونسا مارا کتنا نیک تھا اس کا بھائی، کتنا پیارا دل تھا ساجن کا اور اس دل کی اس بد بخت چندا نے قدر نہ کی۔ صبا نے دل ہی دل میں چندا کو خوب کوسا۔

”کب تک تو اس چڑیل کے پیچھے اپنا دل دکھاتا رہے گا بھیا دفع کر اس نامر لاکو تیرے قابل نہیں وہ بھیا نہ رواں کے لیے۔“ وہ ساجن کے آسوا صاف کرتی نم لہجے میں بولی۔

”ایسے نہ بول صبا۔۔۔ اسے کوئی برا کہے تو میرا دل دکھتا ہے۔“ ساجن تڑپ اٹھا۔

”تو اتنی محبت کرتا ہے اس سے اور وہ تیری محبت کا جواب ہمیشہ نفرت سے دیتی ہے تیری محبت کی نہ پروا ہے اسے نہ قدر۔۔۔ تو کیوں اس کے لیے خوار ہوتا ہے بھیا نکال دے اس بد بخت کا خیال اپنے دل سے۔“ صبا ساجن کو جھانے لگی۔ آج جو رویہ چندا نے اس کے بھیا کے ساتھ اپنایا تھا اسے پورے محلے نے دیکھا تھا۔

”وہ مجھ سے محبت کرنے یا نہ کرے مجھے تو یہ بتا ہے کہ محبت بے اعتباری کا نام ہے اس کا نام ہی مجھے بے اختیار کر دیتا ہے۔ پھر چاہے وہ کچھ بھی کرتی رہے سیاہ و سفید کرے۔“ مجھے معلوم ہے کہ تم سب میری عقل پر ماتم کرتے ہو مگر مجھ کی محبت عقل کا نہیں دل کا معاملہ ہے اور دل تو میری بھی نہیں مٹتا کسی اور کی کیا ستے گا۔“ ساجن نے خود کو سنبھالتے آسوپو سمجھتے ہوئے کہا۔

”مجھے بھی بھیا ایک چندا ہی کی تھی دل لگانے کو۔۔۔ دل کی باتیں بھلا کہاں اس کی سمجھ میں آتی ہیں وہ تو کسی اور ہی رنگ میں خود کو رنگ چلی ہے۔ تو کب تک اس کے پیچھے اپنی زندگی

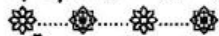
براد کرتا رہے گا۔“ صبا ساجن کی زلی منطق پر جی جان سے کڑھتے ہوئی بولی۔

”نصیحت۔۔۔ تو نہیں جانتی اسے۔۔۔ وہ اتنی بری نہیں۔۔۔ بس اسے دنیا کی ہوا لگ گئی ہے۔ وہ اپنے دل کی منشا چھوڑ چکی ہے اگر اپنے دل کی سننے تو اس کی دھڑکن آج بھی میرا نام لیتی ہے۔“ ساجن پور پور چندا کے عشق میں ڈوب چکا تھا۔ وہ کہنے ہی لگا تو اس کے دل کو لگاتی مگر ساجن کے دل میں چندا کے لیے موجود احساس محبت میں کوئی جدلی نہ آتی۔

”بھیا دنیا کی ہوا کس کو نہیں لگی مگر کوئی بھی یوں اپنے قدم زمین سے نہیں اٹھا لیتا اپنا دل یوں نیلا نہیں کر دیتا کہ جس کے پاس زیادہ قیمت ہو دل اس کے نام ہوتا۔۔۔ چندا اور اس کا خیال اپنے دل سے نکال دو بھیا۔۔۔ ورنہ خوشیوں سے دور ہوتے چلے جاؤ گے۔“ صبا تو کہہ کر چلی گئی مگر ساجن کو اس کے کہے گئے لفظوں نے چونکا دیا تھا۔

”دل کوئی نیلا نہیں کرتا۔“ تو چندا اپنے دل کی بولی لگانا چاہتی ہے۔۔۔ ایک سوچ نے اس کے اندر سر اٹھا رہا۔

”تو بھی احمق ہی ہے جواب تک انجان بنا پھر رہا ہے ساجن چندا کے طوطا طوطا اب تک تو کچھ نہیں پایا وہ نہ محبت کی راہ نکلتی ہے نہ وفاؤں کا دم بھرتی ہے نہ صرف اس راہ پر چلنا چاہتی ہے جس کی منزل دنیا کا بھر آ رہا ہے۔ تو اب تک اس چندا کے تصور میں کھو رہا ہے ساجن جسے تو بچپن سے جانتا تھا چندا اب بدل چکی ہے اس کی زندگی اس کے دل میں تو اب نہیں نہیں۔۔۔ سنبھل جا ساجن سنبھل جا۔“ اس کے اندر کوئی تھا جو اسے سمجھا رہا تھا اسے محبت کے فریب سے نکالنا چاہ رہا تھا ساجن سنبھل ساٹھ کھڑا ہوا۔ نہ جانے کیوں آج دل بھی خاموش ہو رہا تھا چندا کی محبت کا وطن نہیں پڑھ رہا تھا۔



وہ بے چینی سے محن کے چکر کاٹ رہی تھی۔ موبائل اس کے ہاتھوں میں بالکل ساکت تھا جسے پھر قہرانا بھول گیا ہوا۔ چندا نے ایک بے چمن نگاہ ہاتھ میں پکڑے موبائل پر ڈالی اور پھر سے بے صبری کے عالم میں کال مانے لگی۔ کافی دیر تک وہ کال وصول کیے جانے کی منتظر رہی مگر انتظار بے سود رہا جب سے وہ گھر لوٹی تھی عجیب اضطراری کیفیت کا شکار مگی۔ ارسلان ہاؤس میں جو کچھ بھی ہوا وہ غیر متوقع تھا مگر سب سے زیادہ غیر متوقع احسن کا رویہ تھا وہ رات بھر اس سے محبت کے دعوے

کرنے والا شخص آج جب ملا تو ہانسی لگا دو اس کی محبت میں ڈٹ گئی مگر وہ ریت کی بھر بھری دیوار کی صورت بھرنا دکھائی دیا وہ آزمائش کی اس گھڑی میں اس کا ساتھ دینے کے بجائے اریہ کا ساتھ دے رہا تھا اس کی محبت سے منکر ہو رہا تھا اور یہی بات اسے بری طرح کلنگ دی تھی۔

”کیا احسن صرف وقت گزاری کر رہا تھا یا وہ اتنا بزدل تھا کہ زمانے سے ڈر کر اس کی محبت کو اپنانے کی ہمت نہیں کر پایا۔۔۔“ دونوں صوفیوں میں ہی خسارہ تھا۔ جس کی پہلی قسط آج اسے مل گئی تھی۔ رسوائی اور ذلت کے ساتھ روزی سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور اب چندا مکمل طور پر اپنے حواسوں میں لوٹ آئی تھی۔ احسن سے اسے کوئی طوفانی قسم کا عشق نہ تھا کہ اگر وہ نہ ملتا تو وہ دنیا تیاک دیتی ہاں مگر احسن وہ پہلا مرد تھا جس نے اپنے مرتبے اور خاندان کو نظر انداز کر کے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ یوں تو کہتے ہی لوگ تھے جو اس کے پل بھر کے ساتھ کے خواہاں تھے اور وہ پل بھر کا ساتھ چندا نے ان کے اندر بھی کیا تھا مگر بدلے میں کئی مالی فوائد بھی حاصل کیے تھے مگر احسن کا معاملہ مختلف تھا۔ احسن کے ساتھ نے اس کے خاویں کو پہلی مرتبہ چھوٹنے کی امید بخشی تھی۔ وہ ارسلان ہاؤس کی مالکن بننے کے خواب دیکھنے کی تھی مگر پھر یکا یک سب کچھ بدل گیا اس کے خواب اذھر رہ گئے اریہ نے احسن کو اس سے چھین لیا اور کچھ عرصے کے وقفے کے بعد آج پھر احسن اس کی زندگی میں امید بن کر آیا تھا اور ایک بار پھر یقین کا دیا بچھنے کو تھا اور چندا دوبارہ اپنے خاویں کو لٹا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اگر احسن پھر سے ہمت ہار گیا تو۔۔۔ ایسی صورت میں تو وہ پھر سے وہیں آ کھڑی ہوگی جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔۔۔ منزل تک پہنچنے کا سفر۔ یعنی کہ صفر۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ ایسا وہ نہیں ہونے دے گی۔ اس کے پاس احسن سے تعلقات کا ثبوت ہے وہ اسے استعمال کرے گی احسن کو اس کی محبت سے کچھ نہیں بٹنے دے گی۔ سیدھی انگلی سے نہ یہی ٹیڑھی انگلی ہی سے یہی تھی تو وہ نکال کر رہی رہے گی۔ اس کا ذہن تیز کی سے نفع نقصان کے حساب کتاب میں الجھا ہوا تھا کہ اس کی بیسگی ہتھیلیوں کے درمیان دبا موبائل اچانک لرز اٹھا۔ چندا بری طرح چونگی۔۔۔ کال احسن کی تھی اس نے بے قرار دل سے جھٹ کال وصول کی۔

”ہیلو احسن۔۔۔“ اس کے لب بے ساختہ اسے پکار

اٹھے۔

”چندا..... میری چندا“ دوسری جانب سے بھی بے قراری جھلک رہی تھی۔
”تم ہمت ہار گئے احسن تم چندا کو ہار گئے۔“ چندانے روہانی ہو کر شکوہ کیا۔

”نہیں چندا..... میں تمہیں ہار نہیں سکتا..... آج جو کچھ بھی ہوا وہ اچھا نہیں تھا مگر جس طرح تم ہماری محبت کے لیے لڑیں اس نے میرا دل جیت لیا۔ میں اب فیصلہ کر چکا ہوں میں تم سے تمہاری محبت تمہارے ساتھ سے پیچھے نہیں ہوں گا۔“ احسن مستحکم اور اٹل بلجے میں کہہ رہا تھا اور چندا مسکرائی۔

”میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس بار میں تمہیں اپنا بنا کر رہوں گا..... مگر اس کے لیے تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا..... تو میں کل.....“ احسن کہہ رہا تھا اور چندا کا رواں رواں اس کے فیصلے کو سننے کے لیے بے تاب تھا مگر احسن نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”کل کیا احسن؟“ بولو۔“ چندا بے تابی سے گویا ہوئی۔
”کل تمہیں مجھ سے ملنے آنا ہوگا..... کل ہم نکاح کر لیں گے۔ نکاح کے بعد کوئی کچھ نہیں کر سکتا چندا مگر تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا..... تمہیں کل آنا ہوگا..... میں شائع کو بھجوں گا تمہیں لینے..... تم آؤ گی نا چندا..... کل سہ پہر میں تمہارا انتظار کروں گا۔“ احسن نے نکاح کا ذکر کر کے چندا کے دل کو لیے مطمئن کر دیا تھا۔ چندا کوبال اپنا منزل بالکل واضح نظر آنے لگی تھی وہ اپنے حسن اور نصیب پر نازاں تھی۔ بے خبر بھی اپنے آنے والے نکل سے بے نیاز تھی اپنے ارد گرد کے حال سے..... باتوں میں مگن چندانہ جانے کب سے رضیہ کی نگاہوں کے حصار میں تھی..... اس کی تمام گفتگو سے فیض یاب ہو کر رضیہ نے دھیرے سے کھڑکی کے دونوں پٹ بند کیے اور بھولے کی جانب پلٹ گئی۔ کئی دنوں سے چندا کی عمرانی کا پھل آج اسے مل گیا تھا۔

سیر کچھ دیر قبل ہی گھر میں داخل ہوا تھا مگر گھر میں پھیلا سناٹا اسے اچھلنے میں جتلا کر گیا۔ گھر کے کمین اپنے اپنے کمروں میں مقید تھے۔ وہ خود بھی تھکا ہوا تھا لہذا ان ساری باتوں کو نظر انداز کرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا..... کل اس کے کمرہ دروازہ کھلتا اندر سے آنے والی سرکشیوں نے اسے

ٹھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ شائع تھا جو بے فکرے خبر ساسی سے باتوں میں مشغول تھا سیر نے اس گفتگو کے دوران کی مرتبہ چندا کے نام کی تکرار سنی اور اسی سبب تمام گفتگو سننے پر مجبور ہوا سب کچھ تو نہیں مگر کافی کچھ وہ جان چکا تھا اور اس ادھوری معلومات نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اٹل قدموں وہاں سے پلٹ گیا۔ احسن اور اربہ اپنے خوش گوار مستقبل کے منصوبوں کے تانے بانے بننے میں مگن تھے تب ہی دروازہ پر ہونے والی دستک نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

”میں دیکھتا ہوں.....“ احسن یہ کہتے ہوئے اٹھا دروازہ کھولا تو سامنے سیر کھڑا تھا۔

”اے سیر تم..... کب آئے؟ آنے کی خبر بھی نہ دی۔“ احسن خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوا۔

”بھائی بس ابھی ابھی پہنچا ہوں..... مگر یہ بتائیں اس گھر میں ہو کیا رہا ہے؟“ سیر نے سنجیدگی سے پوچھا..... اس کے سنجیدہ تاثرات نے احسن کو چونکا دیا۔ دن بھر کا بل بل بلنا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ اس نے اچھی نظروں سے اربہ کی جانب دیکھا اور سیر سے استفسار کیا۔

”اوہو بھئی..... کیا ہو رہا ہے گھر میں..... گھر آتے ہی تمہیں ایسا کیا بتا چلا جو تم اتنے پریشان ہو گئے؟“

”بھائی یہ شائع کیا کرتا پھر رہا ہے.....“ سیر نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

”کیا کرو یا بھئی شائع نے..... ہمیں بھی تفصیل سے بتاؤ سیر..... اربہ بھی بیڈ سے اتر آئی۔“

”اندراؤ..... یہاں بیٹھو..... اب بتاؤ ماجرا کیا ہے؟“ احسن نے سیر کو اندر بلا کر دروازہ بند کر لیا۔

”بھائی بات دراصل یہ ہے کہ میں اسے کمرے میں جا رہا تھا کہ وہاں شائع موجود تھا وہ چندا سے باتیں کر رہا تھا اور مجھے سن کر شاک لگا وہ چندا سے کلی نکاح کرنے جا رہا ہے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔“ سیر نے کمرے میں دھماکا کیا۔ احسن اور اربہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

”یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے سیر..... آج دن میں ہی تو چندا نے اتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔“ اربہ بھونکی غیر یقینی کا شکار ہوئی۔
”ہنگامہ..... کیسا ہنگامہ..... بھائی چندا نے کیا کیا دن میں

بھائی مجھے پوری بات بتائیں آپ۔“ سیر کو احساس ہو گیا تھا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ احسن اسے دن میں ہونے والے قتلے کی تفصیل بتانے لگا۔ سارا معاملہ جان کر سیر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

”سیر یہ مجھ میں نہیں آ رہا کہ دن میں احسن سے محبت کے پابند بائگ دعوے کرنے والی چندا شائع سے شادی کرنا چاہتی تھی تو پھر اس نے احسن پر جوئے لڑام کیوں لگائے۔“ اربہ نے اچھے سے کہا۔

”کچھ تو گڑبڑ ہے کل ہمیں ہر حال میں شائع پر نظر رکھنا ہوگی۔“ احسن نے اس تمام معاملے کے ہر پہلو پر غور کرتے ہوئے کہا۔ سیر اور اربہ نے اس کی بات سے مکمل طور پر اتفاق کیا تھا۔



رضیہ نے دروازے کی اوٹ سے جیسے سے چھانکا چندا اپنی تیاریوں میں مگن تھی۔ اس کی آج کی تیاری غضب کی تھی۔ سرخ شیفون کی ساڑھی میں اس کا مرمریں بدن قدرت کی صناعی کا حسین شامکار معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کا کامل لبوں کی لالی آج کوئی اور ہی داستان سناری تھی۔ اس کی آنکھوں میں جناتی محبت کی جوت اس کے چہرے کی دلکشی میں چار چاند لگا رہی تھی۔ چندانے اپنی دراز پر کئی زلفوں کو خوب صورت جوڑے میں لپیٹا اور آئینے میں ہر زاویے سے اپنا جائزہ لیا۔

”ہائے.....“ وہ مسکرائی۔
”کسی کیوں والی جج دج..... تو کہاں جا رہی ہے چندا؟“

رضیہ بلا خرد دروازے کی اوٹ سے باہر نکل آئی۔ چھپتی نگاہوں چہتا لہجہ کانوں میں آوڑے پہنٹی چندانے بے اختیار پلٹ کر دیکھا اور پھر اپنی ازلی لا پرواہی سے جواب دیا۔

”جنگلے میں شادی ہے چندا کو بطور خاص بلا یا ہے شرکت ضروری ہے۔“ چندا کے لاپرواہ انداز میں بھی غور کی ٹھنک تھی۔

”وہ تو تیری تیاری بتا رہی ہے چندا کہ تیرا جانا کتنا ضروری ہے۔“ رضیہ عجب سے لہجے میں ہنسی ہوئی وہیں سخت پریش تھی۔ چندانے چونک کر رضیہ کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر سرخ سینڈل پہننے لگی۔ موہاں گنگنا تھا شائع کی آمد کی نوید ملی تھی۔

”بھیا کو بتا دینا بھائی..... مجھ نے میں دیر ہو جائے گی۔“ چندا ہنسنے لگے میں بولی اس کے اس قسم کے پیچھے چھپی داستان سے رضیہ لالطم نہ تھی۔ طنز یہ مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے گویا ہوئی۔

”لوٹ تو آئے گی ناں چندا..... وہیں تو نہیں رہ جائے گی۔“ جملہ جملہ بھرا تھا مگر چندانے غالباً سنا نہ تھا۔ وہ ایک طعنے پر اس گھر سے باہر کھڑی گاڑی کا فرٹ دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ گاڑی فرار نے بھرتی پل بھر میں نظروں سے اوجھل ہوئی۔ دروازے پر کھڑی رضیہ نے چھپتی نگاہوں سے گاڑی کا پیچھا کیا اور پھر کئی آہٹ پر چونک گئی۔

”اڑکی تیرے گلن کی بیٹا..... پر کیوں نہیں کتر کے رکھے بھائی تو نے۔“ وہ دیوانہ تھا جس کے لہجے میں انتقام کی آگ روشن تھی۔

”مینا کے پر کتر نے کی کیا ضرورت تھی دیوانے وہ تو اپنے پر خود کاٹ گئی ہے اب جب بولے گی تو اپنا انجام خود دیکھ لے گی۔“ رضیہ کی مسکراہٹ معنی خیز تھی۔

پچھلے کچھ دنوں سے وہ چندا کے غیر معمولی رویے کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے انداز و اطوار رضیہ کو کئی دنوں سے ہلار رہے تھے۔ وہ خود چپچپ والی تھی اور چندا کے ان بے باک تیروں سے خوفزدہ بھی تھی۔ اس دن وہ دیوانے کی دکان میں کسی کام سے گئی تھی۔ دخی شری کی طرح انتقام کی آگ میں جھلٹے دیوانے نے چندا کی بے اعتنائی بے وفائی کا قصہ مرچ مسالا لگا کر رضیہ کو سنا پڑا تھا۔ رضیہ چندا کے کروت جان کر جی جان سے لڑا تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی شریے مہارند کا براس یا یہ اس کی بچیوں پر بڑے اسی دن سے وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ کسی طرح چندا کو گھر سے نکال باہر کرے اور کل رات یہ موقع چندانے فطرتی میں تھا کہ رضیہ کے آگے پیش کر دیا تھا۔ رضیہ نے ساری کہانی دیوانے کے گوش گزار کر دی اور دیوانے نے چندا کو سوا کرنے کا پورا منصوبہ بنا ڈالا تھا۔ رضیہ خوش تھی کہ اس کے بعد بھولے نے چندا کو دھکے دے کر گھر سے نکال باہر دینا ہے۔

”چل جا..... اب یہاں کھڑا ہو کر وقت نہ ضائع کر..... جا اس اڑکی مینا کے پر گن تا کہ کتر نے میں کوئی کسریا نہ بچے۔“ رضیہ نے لفظ چاچا کر ادا کیے تو بے بسی چندا کی جانب اس کے بڑے حساب لگتے تھے۔ دیوانہ چہرے پر کمیٹی سی مسکراہٹ سجائے اپنی چھٹی اشارت کر کے چلنا تھا۔

”ساڑھی میں غضب کی لگ رہی ہو چندا..... احسن تو تمہیں دیکھ کر آج دیوانہ ہو جائے گا۔“ گاڑی میں بیٹھے ہی

شائع نے اس کی مدح سرائی کی۔ چندا کے چہرے پر شرمیں مسکراہٹ پھیل گئی جو کلمہ کلمہ ہی پل سٹٹتی تھی۔

”مگر احسن نے اس دن میرا ساتھ نہ دیا تھا۔۔۔۔۔ وہ بالکل اجنبی بنا کھڑا تھا۔ مجھ سے بے حد دور۔۔۔۔۔ ایسا کیوں کیا اس نے شائع میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔“

”اس نے جو بھی کیا اس دن آج اتنا بڑا قدم اسی کے ازالے کے طور پر اٹھا رہا ہے۔ چندا تمہیں سارے شکوک دل سے مٹا دینے چاہیں۔۔۔۔۔ آج کی شام کے بعد جو دن تمہاری زندگی میں آئیں گے وہ بے حد دھواں ہوں گے۔۔۔۔۔ تمہیں اب ان کے متعلق سوچنا چاہیے۔“ اس نے بہم مسکراہٹ چہرے پر سجائے کہا۔

”ایسا کیوں کہہ رہے ہو۔ دھواں کیوں ہوں گے۔۔۔۔۔ والے دن؟“ چندا چوکی پل بھر کے لیے ہی سبکی مگر شائع کی بات نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔

”بہت بھولی ہو چندا تم۔۔۔۔۔ جانتی تو ہو نکاح کے بعد تمہیں اور احسن دونوں کو ہی اپنے اپنے گھر والوں کو منانا ہوگا اور یہ کوئی آسان مرحلہ تو ہوگا نہیں۔“ شائع نے ہنستے ہوئے کہا اور چندا اس کی بات کی اصلیت کو جان کر مطمئن ہو گئی۔

”اچھا چھوڑ دو یہ سب باتیں آؤ ہم ایک یادگار سٹلی تو لے لیں آج کی شام کے بعد تو مزید کوئی تصویر میرے ساتھ بنوانا تم پسند تو نہیں کرو گی۔“ اس نے گاڑی ایک مقام پر روکتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ آج کے بعد ایسا کیا ہوگا جو میں تمہارے ساتھ تصویر بنوانا پسند نہ کروں گی۔“ نہ جانے کیوں چندا کو آج شائع کی ہر بات ٹھٹھکتے پر مجبور کر رہی تھی۔

”اوہ بھئی۔۔۔۔۔ آج کے بعد تو ساری تصویریں احسن کے ساتھ ہوں گی ناں۔ مجھ بے چارے کو کون یاد کرے گا مطلب نکل جانے کے بعد۔۔۔۔۔“ اس نے جیب سے موبائل نکالتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔۔۔ چندا اس کے اس پُر شوخ مذاق پر کھلکھلا اٹھی۔ شائع کیمروہ آن کے کٹنا کٹ تصویریں بنا رہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ بھری ہوئی تھی۔ تصویر بنانے کے بہانے شائع اس کے بے حد قریب بھی ہوا اور ان تمام شوخیوں میں چندا بھی نہ محسوس کر سکی کہ ان کی گاڑی نسبتاً ایک سنسان راستے پر چل گئی تھی۔

شائع نے گاڑی ایک چار منزلہ عمارت کے قریب روکی چندا

نے نظر اٹھا کر عمارت کو جانچا غائبانہ وہ فلیٹوں پر مشتمل عمارت جس کے آس پاس آبادی نہ ہونے کے برابر تھی۔ چندا سوالیہ نگاہوں سے شائع کو دیکھا۔

”احسن کے دوست کا فلیٹ ہے نکاح خواہ کو احسن یہیں بلوایا ہے۔“ وہ اس کی نگاہوں کو بڑھتا عمارت کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ مجبوراً چندا کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔ وہ تیسری منزل پر واقع فلیٹ تھا۔۔۔۔۔ جہاں شائع قدم کر کے تھوڑے دروازے کھول کر اندر داخل ہوا چندا کو بھی ہلکا عجیب سے احساس نے آکھیرا۔۔۔۔۔ آج نکاح ہونا تھا اس احسن سے احسن کو پہلے سے اس گھر میں اس کا منتظر ہونا چاہیے تھا۔ مگر اس کا استقبال خالی گھر نے کیا۔ اس کے اندر داخل

ہوتے ہی شائع نے دروازہ لاک کر دیا تھا۔ چندا نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ شائع اس کے سامنے بیٹے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ ایک عجیب مشکوک سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر کئی ہوئی تھی۔

”احسن کہاں ہے شائع؟“ وہ اب تک آیا کیوں نہیں۔۔۔۔۔“ چندا کے لہجے میں گھبراہٹ دہائی تھی۔

”احسن اپنی ٹیکس اریہ کے ساتھ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کا جشن منا رہا ہے۔۔۔۔۔ اوہ میں تو تمہیں بتانا بھول گیا۔۔۔۔۔“

”راسل وہ باپ بننے والا ہے ناں۔“ شائع نے دھیرے دھیرے شرافت کا لبادہ اتارتے ہوئے کہا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے بے حد قریب آ چکا تھا چندا کا دل دھڑکنے لگا۔ شائع کے تئیر۔۔۔۔۔ احسن کی خوش خبری۔۔۔۔۔ بیروں تلے زمین نکالنے کے لیے کافی تھی۔

”اوہ یا نا۔۔۔۔۔ میں تو تمہیں بھی بتانا بھول گیا کدات بھر تم سے بات احسن نہیں میں کرتا تھا؟ جس کی باتوں کی تم دیوانی تھی۔۔۔۔۔“ چندا کے حواسوں پر بم گرا وہ جی جان سے لرز اٹھی۔ شائع اس کے بے حد نزدیک آ چکا تھا اس حد تک کہ اس کی گرم سانسیں چندا کو اپنے چہرے سے ٹکرائی محسوس ہو رہی تھیں اسے خبر ہی نہ ہوئی وہ کب دیوار سے جا لگی۔

”تم نے وعدہ کیا تھا کہ آج اپنی محبت کا خراج دو گی۔“ وہ اس کی زلفوں کو ہر قید و بند سے آزاد کرتا جتنا ہی نگاہیں اس کے خوف زدہ چہرے پر جمائے کہہ رہا تھا۔ چندا کے حواس یک دم جھرجھری لے کے بیدار ہوئے اگلے ہی پل اس نے دونوں ہاتھوں سے پوری قوت کے ساتھ اسے پرے دھکیلا اور پتلی

اٹھی۔

”جھوٹے کینے دعا باز۔۔۔۔۔ تم نے مجھے اتنا بڑا لہو کا دیا۔“ وہ اسے برا بھلا کہتی دروازے کی جانب بھاگی کہ اگلے ہی لمحے شائع نے پوری قوت سے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا وہ بے وزن سی اس کے سینے سے جا لگئی۔ اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں قید وہ آزاد ہونے کے لیے بری طرح پھڑپھڑائی مگر ظالم نے اس کے پر کترنے شروع کر دیے تھے۔ چندا کی ساڑی کا پلو ڈھلک چکا تھا اور وہ جیتی جلاتی اپنی عزت کی ہتھکڑی جگمگاتی رہی تھی۔

عزت کیا شے ہے اس کی قدر اس نے آج جانی تھی ایک عرصے تک وہ اس عزت کو ہاتھ میں لیے گھومتی رہی تھی۔ انمول تھی اس کی عزت اس کا احساس تو اسے آج ہوا تھا کہ صرف اس پر ہاتھ ڈالنے کی غرض سے شائع کو اتنا بڑا گھناؤنا ٹھیکر کھیلنا پڑا اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور وہ حلق کے بل چلا رہی تھی۔۔۔۔۔ آج سے پہلے اس کے علم میں نہ تھا کہ اسے اسلٹ باؤس میں ایک شیطان کا بکساتا اور وہ نادان اس سے تانا جوڑے بیٹھی تھی۔

وہ اس وحشی سے یہ مشکل مقابلہ کر رہی تھی۔ اس کے کپڑے پھٹ چکے تھے حال سے بے حال ہو چکی تھی۔ اس کی جی ویکار پوری عمارت میں گونج رہی تھی مگر کوئی پُرسان حال نہ تھا۔ تب ہی اچانک مجرہ رونما ہوا۔۔۔۔۔ دروازے پر کسی نے دستک دی اور شائع چونک اٹھا۔ دوسرے ہی پل دروازہ زور سے دھڑ دھڑا گیا چندا کو ایک جانب دھکیل کر وہ اٹھ کھڑا ہوا دروازے کے باہر سے چھٹا کو اڑیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک سے زائد لوگ تھے جو آٹھ میں بات کر رہے تھے شائع کی سمجھ میں یہ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرنے چندا کو خوشخوار نگاہوں سے گھورتا وہ اسی کشمکش میں دوپار تھا کہ اس دوران دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ چندا کی نظریں بے ساختہ دروازے کی جانب اٹھیں اور اگلے ہی پل اس کا جی چاہا کہ زمین بھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔۔۔۔۔ سامنے احسن کھڑا تھا اور اس کے عصب میں سمیر۔۔۔۔۔ وہ دونوں بچٹی آنکھوں سے کبھی شائع کو دیکھتے تو کبھی زمین پر گری بے حال سی پڑی چندا کو۔

اگلے ہی پل احسن نے ایک زوردار مکاشفہ کے منہ پر جڑا اور وہ لڑکھڑایا سارا نشیل بھر میں ہرن ہو گیا۔ کمرے کا نقشہ احسن اور سمیر کو ساری کہانی سنا چکا تھا۔

”کینے انسان۔۔۔۔۔ ایک ہی خون ہونے کے باوجود تو انسانیت کے درجے سے گزر کر ذلالت کے پاتال میں گر رہا ہوا تھا اور ہم تجھے جان اور پہچان نہ سکے۔“ احسن اسے زد و کوب کرتا غصے میں بڑبڑاتے جا رہا تھا۔ سمیر نے نظریں چراتے ہوئے بستر پر پڑی چادر چندا کے حوالے کی شرمساری چندا نے فوراً وہ چادر اسے وجود کے گروپٹ لی۔

”بس کرو احسن۔۔۔۔۔ مجھے الزام نہ دو۔۔۔۔۔ یہ فتنہ ہے کوئی معصوم نہیں اس چال باز نے مجھے خود بلوایا ہے یہاں اور اپنی مرضی سے یہاں میرے ساتھ آئی ہے اسے میرے ساتھ وقت گزارنے میں کوئی عار نہ تھا اسے اعتراض صرف اپنے من چاہے معاوضے کے نہ ملنے پر ہے۔“ شائع احسن کے ہاتھ روکتے ہوئے ڈھٹائی سے بولا۔

”یہ جھوٹ کہہ رہا ہے احسن۔۔۔۔۔ اس نے ہوکا دیا ہے مجھے۔ میں اس کی اصلیت سے انجان تھی۔۔۔۔۔ میرا یقین کرو احسن۔“ چندا نے روتے ہوئے شائع کی دروغ گوئی پر احتجاج کیا۔

”اچھا تو میں جھوٹ بول رہا ہوں۔۔۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔۔۔ یہ دیکھو تصویریں جو اس نے یہاں آتے ہوئے میرے ساتھ میری گاڑی میں کھینچائیں اور یقین مزید چاہیے تو یہ دیکھو اس کے منہ پر۔۔۔۔۔ ساری رات یہ مجھ سے بات کرتی رہی ہے۔“ شائع بڑی جالاکا سی اپنے پیچے کھیل رہا تھا چندا بے چاری بہت بری طرح سے مات کھا رہی تھی۔ شائع نے اس کے لیے کوئی راہ نہ چھوڑی تھی۔۔۔۔۔ ایک ایک کر کے وہ اس کے سارے بیانات احسن اور سمیر کے منہ سے نکالتا گیا۔

”یہ بدقماش عورت سے کل تک تم پر یہ کچڑا چھپاتی رہی اور آج مجھے اپنے مکر و فریب کے جال میں پھنسا رہی تھی۔ انسان ہوں میں فرشتہ نہیں جو بہکوں گا نہیں مگر احسن سارا تصور اس قسادی کا بے دولت کی خاطر یہ ہم دونوں کے جذبات سے کلیاتی آ رہی ہے۔“ وہ مظلومیت طاری کرتا سارا الزام چندا پر ڈالتا چلا گیا۔

چند ا کو آج احساس ہوا تھا کہ ان سب کی نظروں میں اس کی اوقات کیا ہے۔ وہ بہت اونچی اڑان بھر رہی تھی۔ بہت زور سے زمین آ گری تھی۔۔۔۔۔ شرم سے اس کا سر جھٹکا چلا گیا۔ اپنے دفاع میں کہنے کے لیے کوئی لفظ اس کے پاس نہ تھا۔

”اور کتنا جھوٹ بولو گے شائع، تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری اس

جھوٹی کہانی کا پلاٹ اتنا مضبوط ہے کہ تم پر بھروسہ کر لیا جائے۔ ہرگز نہیں..... کل رات سیر نے تمہاری ساری گفتگو سن لی تھی، ہم بت ہی تمہاری اصلیت جان چکے تھے شاید تمہیں علم نہیں آج سارا دن تم ہم دونوں کی نگرانی میں رہے ہو۔ تم نے یہ سارا کھیل میرے نام سے کھلایا مجھے بدنام کیا، میرا گھر برباد کرنے کی کوشش کی اور پھر اس غریب کے گرد بچی جا لی بننے لگے تم۔“ احسن نے جھوٹی کہانی شائع کے منصوبے باری کی۔

”تم بتاؤ چندا..... کیا حقیقت ہے کیا سنا..... مگر یاد رکھنا، تمہارا سچ تمہیں بچا سکتا ہے اور جھوٹ تمہیں مزید نقصان پہنچائے گا۔“ احسن چندا سے مخاطب ہوا تو چندا کو اس حال میں دیکھ کر کہیں نہ کہیں احسن کو دکھ پہنچا تھا..... جو جی تھا جیسا ابھی تھا اس سے ایک تعلق اس کا ماضی میں رہا تھا۔

فلیت میں میرا احسن کے ساتھ نکاح ہو گیا یہ فلایت احسن دوست کا ہے میں نے شافعی کی ہر بات کا کچھ بند کر کے کر لیا..... شاید اسی وجہ سے میرے ساتھ اتنا برا ہوا ہے اب ذرا وقت کارروائی ملے گی۔

دروازہ بند کر دیا۔ کھلی میں جمع لگنا شروع ہو گیا تھا اور اس مجمعے کے پیچھے دیوانے کا پاتھ تھا۔ اس نے چندا اور شافع کی تصاویر چھپ چھپ کر بنائی تھیں۔ حتیٰ کہ اس سنان علاقے میں چار منزلہ عمارت میں شافع کے ساتھ اندر داخل ہوتی چندا کی تصویریں بھی پورا غلط دیکھ چکا تھا۔ ساجن بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھا چندا اس حد تک گر جائے گی اس نے بھی نہ سوچا تھا۔

دیوانے نے صرف محلے بھر کو ہی نہیں بھولے کبھی چندا کی حقیقت بتاؤں گی۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بھولے کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا..... ابھر شام ڈھلے چندا کی آمد وہ بھی اتنی خستہ حال..... بھولے کے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ احسن اور اس یہ نے سارا قصہ من و عن سنائو لا تھا۔

”کیا بات ہے چند تم خوش نہیں ہو؟“
 ”خمس ساجن..... آج چند نے جان لیا کہ حسن سے زیادہ قیمتی چیز کروڑ شرافت اور عزت ہے چند نے تیرے لیے اپنے تن سے زیادہ من کو بچایا ہے کیونکہ چند جانتی ہے من کا قدر دان ہو کوئی نہیں ہوتا اور چند خوش نصیب ہے کہ اسے من کا قدر دان ملا ہے اس کا ساجن ملا۔“ چند نے ایک جذب کے عالم میں ساجن کا ہاتھ تھامے ہوئے کہا۔

ہومیوکلر طلعت نظامی

دماغی پردوں کا درم سلی

Tuberculous Meningitis

اس مرض میں ٹی بی کے جراثیم کی وجہ سے دماغ کے پردوں میں ورم ہو جاتا ہے۔ اسباب مرض:-

اس مرض کا اصل سبب مادہ سل یعنی ٹی بی کا مادہ ہے خنازیری مزاج کے بچے جن کی عمر ایک سے پانچ سال کی ہوتی ہے اور بعض اوقات سلی مزاج کے نوجوان اشخاص بھی اس مرض میں مبتلا ہو جاتا کرتے ہیں صدمہ دماغ دفعتاً خوف کھا جانا، بچہ کا تکلیف سے دانت نکالنا بھی اس کے اسباب ہیں۔

ابتدائی علامات:- (Clinical Features) ابتدائی علامات کے سوا اس مرض کی علامت کو تین درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

Symptoms Before Clinical Disease

آغاز مرض میں پہلے بچہ کی طبیعت کمزور ہوتی ہے اور وہ لاغر ہوتا چلا جاتا ہے ذرا سی محنت سے تھک جاتا ہے سر چکراتا ہے دماغی اجتماع خون کے باعث بخار ہو جاتا ہے ہاتھ پاؤں میں درد ہوتا ہے چلتے وقت بچہ پاؤں گھسیٹ کر چلتا ہے اچانک چیخ مار کر جاگ اٹھتا ہے۔

علامات درجہ اول

Clinical Features Of Stag-I

بخار رہتا ہے جس کی حرارت 102 درجہ ہو کر تپتی ہے بچہ مغموم اور اس کا مزاج چڑچڑا ہوتا ہے کبھی کھلنا ہے کبھی ڈر کر ماماں کی گود میں جا چھپتا ہے ذرا بڑا ہو تو دوسری شکایت کرتا ہے سر کے چکرانے سے ایک آدھ منٹ ادھر ادھر دیکھ کر رونے لگتا ہے چلتے وقت پاؤں کو گھسیٹ کر چلتا ہے سبز رنگ کی تے آتی ہے قبض رہتی ہے اور ہاضمہ خراب ہوتا ہے بے چینی، بے خوابی اور غنودگی ہوتی ہے مگر ذرا سی آہٹ سے بچہ چونک کر جاگ اٹھتا ہے روکنی برداشت نہیں ہوتی۔ ایک ہفتہ تک یہ علامت رہ کر دوسرے درجے کی علامات شروع ہو جاتی ہے۔

علامات درجہ دوم

Clinical Feature of Stage-II

دماغ پریشان ہوتا ہے مریض چپ چاپ تیور چڑھائے پڑا رہتا ہے آواز کی برداشت نہیں ہوتی آنکھوں کے آگے شعلے سے اڑتے اور کانوں میں شور وغل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں تشنج ہوتا ہے اور مریض بار بار چیخ مارتا ہے جو ایک خاص علامت ہے اگر بچہ ذرا بڑا ہو تو سخت درد وغیرہ کی شکایت کرتا ہے نبض تیز چلتی ہے تشنج ہوتا ہے مقامی فاج اور ہڈیاں وغیرہ علامات پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کیفیت کے ہفتہ دو ہفتہ بعد تیسرا درجہ شروع ہو جاتا ہے علامات درجہ سوم Clinical Features Of Stage-III میں مریض بالکل بے ہوش پڑا رہتا ہے عضلات بدن ڈھیلے پڑ جاتے ہیں بچوں میں اس کی میعاد ایک ہفتہ سے تین ہفتہ تا تیس روز تک ہوتی ہے کبھی دفعتاً ہی ہو کر مریض مر جاتا ہے اور کبھی صحت کا ذب ہو کر مریض چند روز تک اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے بعد اچانک

حرکت تنفس بند ہو کر مر جاتا ہے۔ اس مرض کی تشخیص ہوتے ہی مکمل علاج شروع کر دینا چاہیے مرض کی شدت و خفت کو سامنے رکھ کر ادویہ کی مقدار و خوراک کا تعین کرنا ہوگا اس مرض کا علاج بالکل اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح کہ پھیپھڑوں کی ٹی بی کا کیا جاتا ہے۔ غذا (Diet) لطیف و زود ہضم غذا سود مند ہوتی ہے۔

ورم دماغ (Cerebritis)

اس مرض میں نفس دماغ اور اس کے تینوں پردوں میں ورم ہو جاتا کرتا ہے۔

اسباب مرض (Causes)

دماغ کی چوٹ، صدمہ دماغ، تمازت آفتاب، شدت کی گرمی دماغ کا غیر معمولی طور پر بڑھ جانا، ناک اور کان کی ہڈیوں کے امراض کا دماغ کی طرف منتقل ہو جانا کھوپڑی کی ہڈیوں کا مدار پر جانا سمیت خون، امراض کثرت شراب خوری اور دوسری نشہ آور چیزوں کا استعمال، پیشاب، پاخانے کا رک جانا عورتوں میں بندش حیض، کثرت تفکرات و مطالعہ وغیرہ عورتوں کی نسبت مردوں کو یہ مرض زیادہ ہوتا ہے۔

علامات مرض Clinical Features

اگر ورم دماغ کا سبب مادہ سل ہو تو سب سے پہلے علامات کو ملحوظ خاطر رکھ کر علاج شروع کیا جائے عام حالات میں اس مرض کی علامات درج ذیل ہوتی ہیں۔

درد سر رہتا ہے جس کو شور وغل سے زیادتی ہوتی ہے تے آتی ہے غنودگی طاری ہوتی ہے ہاتھ پاؤں سرد رہتے ہیں شروع میں آنکھوں کی پتلیاں سکڑی ہوئی پھر کبھی سی پھلتی ہیں اور آخر میں کشادہ ہوتی ہیں

بے خیال

میمونہ رومان

صغریٰ شہزادی کنول..... جزائوالہ
نہ کوئی عمل ہے سنانے کے قابل
نہ منہ ہے ہمارا دکھانے کے قابل
لگاتے ہیں اس کو بھی سینے سے آٹھ لگاتے
جو ہوتا نہیں منہ لگانے کے قابل
حفصہ نور..... سحرات

ہم تو یوں بھی تیرے ہیں
ہم پر چادو ٹوٹا کیا
دل کو دل سے مطلب ہے
پتیل چاندی سونا کیا
سعدیہ لیاقت..... جنوبی ۱۰۵
دل گیا رونق حیات سحر
غم گیا، ساری کائنات سحر
حتار شد..... لاہور

ان میں لہو جلا ہو ہمارا کہ جاں و دل
محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں
کرنا شہزادی..... ساسہرہ

دوسروں پر اگر تبصرہ کیجئے
سامنے آئینہ رکھ لیا کیجئے
آپ سکھ سے ہیں ترک تعلق کے بند
اتنی جلدی نہ یہ فیصلہ کیجئے
رحمائی..... کراچی

چو خبر پہنچی یہاں وہ اصل صورت میں نہ تھی
تھی خبر اچھی مگر لال خبر اتنے نہ تھے
لیلیٰ رب نواز..... بمبکر

تیرے آنے کا انتظار رہا
عمر بھر موسم بہار رہا
پاپہ زنجیر زلف یار رہی
دل اسیر خیال یار رہا

بھرنساء..... ڈھوک ملازم آباد
رفاتوں کے نئے خواب خوش نما ہیں مگر
گزر چکا ہے تیرے اعتبار کا موسم
نجم انجم عوان..... کراچی
بعض اوقات ہوا کے جھونکے
کو چراغوں کی بڑھا دیتے ہیں
دل میں جب بات رہ نہیں سکتی
کسی پتھر کو سنا دیتے ہیں
مہراں شاہ..... نوشہرہ
پھر کبھی ہو نہیں سکتی محبت سنا تم نے
وہ شخص بھی ایک تھا اور میرا دل بھی ایک
سیدہ سوانی..... بمبیرکنڈ

اے عدم احتیاط لوگوں سے
لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں
ارشد راج..... ٹمن تلہ گنگ
آگن میں گھنے بیڑے کیچے تیری یادیں
میلہ سال گا دیتی ہیں اچھا نہیں کرتیں
عاصمہ بی..... طور جہلم

عجیب شخص ہے خوش بھی نہیں خفا بھی نہیں
ہوا تھا دور مگر دور وہ رہا بھی نہیں
میں ساتھ چھوڑ دوں اس کا کہ اس کو اپناؤں
وہ میرا دوست ہے، نادان بھی ہے، برا بھی نہیں
ثانیہ الطاف اعوان..... راولپنڈی

سائے کا بھی ہم نے اگر احسان لیا ہے
گھر کس کا ہے دیوار سے پہچان لیا ہے
سحرتم بحری..... منگل پورہ

کیا کروں کہ آہ بھلایا نہیں جاتا مجھ سے
وہی بیان محبت جو تمہیں یاد نہیں
ہال سلیم..... کراچی

تیری یاد باقی، تیرا غم سلامت
بہلتا نہیں دل کسی انجمن میں
اتراہ ممتاز..... سرگودھا

میری تنہائی کی توہن نہ ہوتی یا رب
کوئی آنسو میری آنکھوں کا سہارا ہوتا
اسامہ صدیقہ..... خانیوال

خبر لے کون محبت کے درد مندوں کی
جہاں میں بھیج کے ہم کو خدا بھی بھول گیا
ایس این شہزادی..... جزائوالہ

یہ کس کو دیکھا ہے میں نے بزم ہستی کو
کہ جوشے ہے نگاہوں کو حسین معلوم ہوتی ہے
تسفیہ شریف..... کراچی

میں پتھر ہوں مگر چج بولتا ہوں
وہ آئینہ ہے اور سچا نہیں ہے
لکھی لکھی..... سیال کوٹ

جل جاؤ خوشی سے کڑی دھوپ میں لیکن
انہوں سے بھی سایہ دیوار نہ مانگو
سیدہ لوبا سجاد..... کھروڑپکا

تم محبت کی بات کرتے ہو
ہم محبت لٹاکے بیٹھے ہیں
ماریہ سلیم اختر..... کورنگی

چہرہ بدل بدل کر مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا برا سلوک میری سادگی کے ساتھ
ارم صابرہ..... تلہ گنگ

میری آنکھیں مجھے لٹا کہ تجھے دیکھ تو لوں
اے بصارت کے چراغوں کو بجھانے والے
ندار ضوان..... کراچی

یہ عجب مرحلہ عمر ہے یا رب کے مجھے
ہر بری بات بری بات نظر آتی ہے
گلشن چوہری..... سحرات

سن کر تمام رات میری داستان غم
وہ مسکرا کر بولے بہت بولتے ہو تم
فصیحہ صف خان..... ملتان

آیا ہی تھا خیال تمہارا
اک روشنی سی ساتھ چلنے لگی
عائشہ پرویز صدیقی..... کراچی

لحاظ عشق نہ ہوتا تو تجھ سے دشمنیں ہوتیں
شکایت صرف اتنی ہے کہ تو سمجھا نہیں مجھ کو
فریدہ فری یوسف زئی..... لاہور

جی رہی ہوں اس اعتماد کے ساتھ
کہ زندگی کو میری ضرورت ہے

مدیحہ کنول سرور..... چشتیاں
نہ سوال بن کر ملا کرو نہ جواب بن کر ملا کرو
میرے خواب میرے خواب ہیں مجھے خواب بن کر ملا کرو
نوشین اقبال ڈوٹی..... بدرمرجان

کسی بچے کے کھلونے جیسا
میرا ہونا بھی نہ ہونے جیسا
عائشہ سلیم..... کراچی

وہ روز مجھے فریب دیتا ہے
خیر اسے یہ زیب دیتا ہے
مدیحہ نورین..... برنالہ

اب کیا ڈھونڈتے ہو طے ہوئے کاغذ کی راکھ میں
وہ افسانہ ہی جل گیا جس کا عنوان تم تھے
چنداشخ..... ملتان

مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں مجھے کام ہے اپنے کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے
فوزیہ سلطانہ..... تونسہ شریف

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس ہونا بھی
بشر کو مار دیتا ہے بہت حساس ہونا بھی
ارم کمال..... فیصل آباد

جگ لڑنی پڑتی ہے اپنے زور بازو پر
زندگی کے میدان میں مجھڑے نہیں ہوتے
فریحہ شبیر..... شاہ کلڈر

تجھے بھول جانے کی کوشش بھی کامیاب نہ ہوگی
تیری یاد اک گلاب ہے جو ہوا چلی تو مہک اٹھی
مہوش کنول..... لاٹھی

سانسوں کے سلسلے کو نہ دو زندگی کا نام
جینے کے باوجود بھی کچھ لوگ مر گئے



اشیاء
قیمہ (بکرے کا)

باستی چاول

اچار

پیاز

لہسن اور ک پیسٹ

ہری مرچیں

ہری مرچیں

کڑھی پتے

گرم مسالا پاؤڈر

تیز پات

لیموں (باریک گول لیمے کاٹ لیں)

لوٹک

ثابت سیاہ مرچیں

پانی

نمک

دہی

یلو فوڈنگ

ہلدی پاؤڈر

ٹماٹر

تیل

ترکیب:-

ایک سوں پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر

چھچھو چلائیں۔ براؤن ہونے پر اس میں قیمہ ڈالیں اور قیمے کی

رنگت براؤن ہونے پر اس میں دہی، ٹماٹر، اچار، ہری مرچیں،

لہسن، اور ک پیسٹ، کڑھی پتے، نمک، گرم مسالا پاؤڈر ڈال

دیں اور بھونیں جب تیل الگ ہو جائے اور گوشت گل جائے تو

پانی ڈالیں اور ابال آجائے تو اس میں چاول اور یلو فوڈنگ ڈال

کر چھچھو چلائیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو ہلکی آگ پر رکھ

دیں مزے دار اچار، دہی، پلاؤ تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں

نکال کر میوں سے گارنش کریں اور اسید کے ساتھ گرم گرم سرو

کریں۔

ایک کلو

ایک کلو

ڈیڑھ کپ

دودھ

دو کھانے کے چمچے

تین سے پانچ عدد

تین سے پانچ عدد

تین سے چار عدد

ایک کھانے کا چمچ

ایک عدد

ایک عدد

پانچ عدد

پانچ عدد

چار کپ

حسب ذائقہ

ایک کپ

چند قطرے

ایک چائے کا چمچ

دودھ (باریک کاٹ لیں)

حسب ضرورت

ترکیب:-

ایک سوں پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر

چھچھو چلائیں۔ براؤن ہونے پر اس میں قیمہ ڈالیں اور قیمے کی

رنگت براؤن ہونے پر اس میں دہی، ٹماٹر، اچار، ہری مرچیں،

لہسن، اور ک پیسٹ، کڑھی پتے، نمک، گرم مسالا پاؤڈر ڈال

دیں اور بھونیں جب تیل الگ ہو جائے اور گوشت گل جائے تو

پانی ڈالیں اور ابال آجائے تو اس میں چاول اور یلو فوڈنگ ڈال

کر چھچھو چلائیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو ہلکی آگ پر رکھ

دیں مزے دار اچار، دہی، پلاؤ تیار ہے۔ سرونگ ڈش میں

نکال کر میوں سے گارنش کریں اور اسید کے ساتھ گرم گرم سرو

کریں۔

بکرے کی ران

اور ک

لہسن کے جوئے

ہر ادھنیا (چوب کیا ہوا)

پودینہ (چوب کیا ہوا)

ہری مرچیں

زیرہ پاؤڈر

دہی

کچا پتہ پیسٹ

نمک

تیل

ترکیب:-

ران کو اچھی طرح صاف کر کے گہرے کٹ لگالیں اب

اس پر نمک اور پتہ پیسٹ لگا کر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

گرا سنڈر میں اور ک، لہسن، ہر ادھنیا، پودینہ، ہری مرچیں، زیرہ اور

نمک ملا کر گرا سنڈر کر کے ہر اسالا تیار کریں۔ دہی میں پسا ہوا

ہر اسالا اور گرم مسالا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور یہ

آمیزہ ہاتھوں کی مدد سے پوری ران پر اچھی طرح لگائیں اور دو

گھنٹے تک میرینٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ پتلی میں چھ

کھانے کے چمچے تیل گرم کر کے مسالا لگی ران اس میں ڈال کر

بیس منٹ تک ڈھک کر لگائیں اس کے بعد پلٹ دیں اور

بیس منٹ تک ڈھک کر لگائیں سرخ ہونے پر اور گوشت گل

جانے کے بعد نکال لیں۔ گرین مسالا ران تیار ہے مسالا اور

ہری پٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

رمشاہ نور..... کراچی

رمشاہ نور..... کراچی

رمشاہ نور..... کراچی

رمشاہ نور..... کراچی

رمشاہ نور..... کراچی

رمشاہ نور..... کراچی

رمشاہ نور..... کراچی

نیوگ خیال

ایمان وقار

اچھی تیرے سب قدر میں کل ملک ہے
جرا نام باقی ہے فانی نہیں
جرا کوئی عالم میں مانی نہیں
ٹو ہی غم زدوں کا غمخوار ہے
ٹو ہی بے کسوں کا مددگار ہے
گناہوں سے ہو کر پریشان حال
جرے در پہ آئے ہیں یا ذوالجلال
ہمیشہ گناہوں کی عادت ہوئی
نہ ہم سے تیری کچھ عبادت ہوئی
سنا جب سے تجھ کو رحیم و غفور
یقین ہو گیا بخش دے گا ضرور
طفیلی جناب رسول کریم ﷺ
کرم کر کرم پا غفور الرحیم
تو کر رحم یا ارحم الراحمین
اندھیری میری قبر میں اے غنی
ٹو کر نور ایمان کی روشنی
یہ بندی جو ہے حد گناہ گار ہے
تیری مغفرت کی طلبگار ہے
(انوش فاطمہ..... ضلع بھکر)

کہتا تھا؟
محبت کے سمندر میں
اترنے سے ڈرا پہلے
بس اتنا سوچ لیتا نام
کہ یہ ایسا سمندر ہے
نہیں ہے انت کوئی اس کا
جو اس میں پاؤں رکھتا ہے

وہ اس میں ڈوب جاتا ہے
کہا تھا نا؟
محبت کے سمندر میں
اترنا کھیل مت سمجھو
کہا تھا نا؟؟؟

(سہاس گل..... رحیم یار خان)
بکرے کے دام
بکرے کے دام تو یہ کہاں مفلسی کہاں
گائے بھی مجھ کو دیکھ کے روکے ہنسی کہاں
بیگم یہ کہہ رہی ہیں کہ ڈھونڈو انہی کہاں
پائے کہاں چھپی کہاں ہے سری کہاں
دو چار اور ڈیپ فریزر ہوں تو خوب ہے
نانہ بھی ہو تو گوشت کی دروسری کہاں
اجرت جو کم کراؤ تو پیشانیوں پہ تل
پہلے قصائیوں میں تھی یہ بے رخی کہاں
رائیں تو ان کو گائے کی دے آئے ہیں مگر
ان کو ہوئی ہے ہم سے محبت ابھی کہاں
ہوتے ہیں ان کی دید سے روشن دل جگر
جو بجلی مفت میں دے ایسا سخی کہاں
اک عمر ہوئی ہے انہیں رازداں کیے
نیر قرار قلب کہاں ہے خوشی کہاں
(فر رضوی..... کراچی)

ویدنگ غزل
مجھے اکثر یہ لگتا تھا محبت کھو گئی شاید
قلب بے نوا کی جنش سے یاد آیا ہے
میری ذات کے تاریک آسمانوں پر
بعد مدت کے محبت کا چاند آیا ہے
سنو اس چاند میں بے وفا کی کوئی داغ نہیں
یہ تو وفا کی روشنی سے جھمکایا ہے
ہیں میرے سامنے محبت میں دو دھکتے دل
ان کی خوشی میں دل آج کل کے مسکرایا ہے
دو بے راجا بنے بیٹھے ہیں پیار کا پیکر
اور پیاری لہن کو دیکھ کر چاند بھی شرمایا ہے

میں نے دیکھا ہے ان کی چاہت کے سبھی رنگوں کو
بھی خوشیاں تو گونجتی اُنکوں کو
بڑی مشکل سے ایک دوسرے کو پایا ہے
انہیں قسمت نے ہر موڑ پہ آزمایا ہے
پر نہیں ٹوٹنے پائی کبھی ہمت ان کی
قدم قدم پہ رہی ساتھ محبت ان کی
ایک دوسرے پہ یقین ہی ان کو ساتھ لایا ہے
ان کی وفات نے آج خوشیوں کا دن دکھایا ہے
اس محبت پہ اعتبار کھو چکی تھی اُنم
انہیں دیکھا تو اس جذبے پہ یقین آیا ہے
(اُم زہرہ.....ملتان)

غزل

زبان خوشبو میں مجھ سے کہا ہے
مبا کی بات کو میں نے سنا ہے
مرے جذبوں کی سچائی کو دیکھو
یہ وہ جادو ہے جو تم پر چلا ہی
پیاسا جو رہا دریا کنارے
بہت اس میں کمال و حوصلہ ہے
جو پتہ شاخ سے ٹوٹا وہ مُردہ
اشارہ یہ خزاؤں نے دیا ہے
رہی خانم پہ اپنے رب کی رحمت
بھی احساس تو اس نے لیا ہے
(فریدہ خانم.....لاہور)

غزل

ذکر تیرا ہی یار ہو جائے
تو بھی خوشیوں سے ہم کنار ہو جائے
جیون میں بھی نہ آئے تیرے خزاں
بس یوں جشن بہار ہو جائے
کتنا روئی ہوں اے جان جاں تیرے بنا
آنکھ تیری بھی اشک بار ہو جائے
جب سے تو نے قرار لوٹا ہے
کاش تو بھی بے قرار ہو جائے
چاند تو چھپ گیا ہے بدلی میں

جھوٹوں کا انتظار ہو جائے
انتظار کی بھی ایک حد ہوتی ہے
اب تو تیرا دیدار ہو جائے
(فریدہ جاوید فری.....لاہور)

میں لوٹ آیا ہوں

دیکھ میں گرتا سنبھلا

اب لوٹ آیا ہوں

ہزاروں رستے بدلتا

میں لوٹ آیا ہوں

سنا ہے تیرا حسن جو بن پہ ہے مگر

دیکھتے انگاروں پر چلتا

میں واپس لوٹ آیا ہوں.....!

تیرے گھر کی چوکھٹ پر

آنسوؤں سے اک نام لکھ کر

میں اپنی سسکیاں دباتا

واپس لوٹ آیا ہوں

محض ایک گل کو چاہنے کی

بڑی سزا پائی ہے

کہ اپنا پھول گلشنِ انا کر

میں خالی ہاتھ لوٹ آیا ہوں

دیکھو تو زمانے والو!

شکست پا

روتا رہتا

آخر میں لوٹ آیا ہوں.....!!!

(جاوید عباسی.....مری)

غزل

عجب اذیت پسندی شامل ہے اس کی چاہت میں
درد دیتا ہے مگر رونے کی اجازت نہیں دیتا
ہر بات میں ڈھونڈ لیتا ہے کوئی رخ حقیقت
بہت چاہتا ہے مگر دل کو وسعت نہیں دیتا
اک لمحہ ہی لگتا ہے اسے سزا سنانے میں
معافی مانگنے کی ذرا سی مہلت نہیں دیتا
جلا دیتا ہے جذبوں کو اپنی گرم طبیعت سے

دل کو پیار کی آج سے حدت نہیں دیتا
ہر چیز دیتا ہے مگر وقت نہیں دیتا
مال و زر بھی دیتا ہے مگر محبت نہیں دیتا
(فائزہ بھٹی.....پٹوکی)

میرا پاگل پن

میں گر کبھی بدل جاؤں

تمہاری محبت بھول جاؤں

فرض کرو

گر میں ان چاہتوں سے مکر جاؤں

محبت پر ایمان سے پھر جاؤں

تو جاناں

مجھ پر اک احسان کرنا

مجھ کو بیتے لمحے یاد دلانا

اپنی محبت جتا دینا

کچھ میرا پاگل پن مجھ کو بتا دینا

اگر پھر بھی

فرض کرو پھر بھی میں مکر جاؤں

تو میرا اک آخری کام کرنا

مجھے تحفے میں تم کفن دے دینا

کہ مجھے تیرے بن نہیں ہے جینا

(عائشہ نور عاشا.....گجرات)

ساتھ

سنوا

کیا ایسا نہیں ہو سکتا

دو دن تم میرے ساتھ رہو

دو دن میں تمہارے ساتھ رہوں

چار دن کی زندگی ہے

نہم اداس رہو

نہ میں اداس رہوں!!

(عروسہ شہوار رفیع.....کالا گجراں، ضلع جہلم)

اک خواب سا ہے

تم سنگ چلو

اک رات کو

ملاقات تو ہو
تم ساتھ جو ہو
برسات بھی ہو
کچھ بل تو زکو
کچھ سنے ہوں
جواپے ہوں
کچھ رستوں پر
میرے سنگ چلو
اک خواب سا ہے
اک وادی ہو جہاں پھول کھلیں
خوشبو بھی ہواور ہوا چلے
کچھ ایسا کہوں تم سننے رہو
اک خواب سا ہے
تجھے گیت لکھوں
سنگیت لکھوں
من میت لکھوں
میری ہار جو ہو
تم جیت بنو
من میت میرے
میں جانتی ہوں
میرا خواب جو ہے
سراب ہے یہ
صحرا میں کھلا گلاب ہے یہ

(اُم کلثوم.....اندر آباد)

دل نے چوٹ کھائی ہے

ہر نی جیسی آنکھوں والی

خوشبو جیسی ہاتھوں والی

معصوم سی، دیوانی سی

وہ لڑکی

شام سہانی سی

بات کوئی من میں دبائے بیٹھی ہے

اپنے دل کی دھڑکی پہ

پیر درد کا آگائے بیٹھی ہے

20

فرق ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بھائی سونا اور دوست ہیرا ہے۔

”وہ کیسے ہیں؟“

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سونا ٹوٹ جائے تو جڑ جاتا ہے مگر ہیرا ٹوٹ جائے تو نہیں جڑتا۔

(گلشن چودھری..... گجرات)

فطرت

لوگ ویسے ہی ہوتے ہیں جیسی ان کی فطرت ہوتی ہے، بس ہم سے سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے اس میں قصور ان کا نہیں بلکہ ہماری سمجھ کا ہے؟

ظاہر

خود کو ایسا ہی ظاہر کرو جیسے تم ہو یا دے بن جاؤ جیسا خود کو ظاہر کرتے ہو!!

جواب

جب سائنس کیوں، کب اور کیسے پر آ کر رک جاتی ہے تب جواب آتا ہے۔

”ان اللہ علی کل شیء قدیر“

قرب

اللہ کا قرب پالینا ایسی منزل ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں۔

حلچسپی

لوگ بدلنے نہیں صرف اتنا ہوتا ہے کہ یا تو آپ میں ان کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے یا آپ سے زیادہ دلچسپ ان کو کوئی اور مل جاتا ہے!

(مدیر نیورین مہک..... گجرات)

بیاض

آنچل تیری یاد کا بھگو دیتی ہے بارش سوچو پہ جی گرد کو دھو دیتی ہے بارش ہنس ہنس کر سنا ہے جہاں بھر کا فسانہ

پوچھوں تیرے بارے میں تو رو رہی ہے بارش (محر تبسم سحری..... مغل پورہ)

محبت کی زبان

کہتے ہیں کہ محبت اور پیار سے دشمن کو بھی دوست بنایا جاسکتا ہے، بلکہ یہی مثال جانوروں پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ ذہنی مسائل کے شکار نوجوانوں کے والدین کو چاہیے کہ گھر میں کوئی جانور پرندہ پال لیں، اس سے نوجوانوں کی ذہنی صحت پر مثبت اثرات پڑتے ہیں۔ حالیہ طبی تحقیق سے پتا چلا ہے کہ جانور پالنے سے ذہنی تناؤ میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن بھر کے تھکے ہارے جب شام کو آپ واپس گھر پہنچتے ہیں تو گھر والوں سے زیادہ پر جوش استقبال پالتو جانور یا پرندے کرتے ہیں۔ جو یکدم ذہنی تناؤ کو کم تر سطح پر لاتے ہیں۔

ابھی ڈوبا تو نہیں ہوں

علامہ سید سلمان ندوی کی مشہور تصنیف ”حیات شبلی“ میں ایک واقعہ درج ہے کہ علامہ شبلی نعمانی پانی کے جہاز سے ترکی کا سفر کر رہے تھے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ پروفیسر آرنلڈ بھی تھے کہ راستے میں اچانک سمندری طوفان آ گیا۔ جہاز ہلچلنے لگے کھانے لگا اور قریب تھا کہ جہاز ڈوب جائے، پورے جہاز میں کہرام مچ گیا۔ بدحواسی کے عالم میں علامہ شبلی نعمانی پروفیسر آرنلڈ کے کیمین میں داخل ہوئے۔

وہاں پہنچ کے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مطالعے میں پوری طرح غرق ہیں۔ انہوں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”پروفیسر صاحب! یہاں جہاز ڈوب رہا ہے اور آپ ہیں کہ مطالعہ فرما رہے ہیں؟“
مولانا شبلی کی بات سن کر پروفیسر نے اطمینان سے

جواب دیا۔
”اگر جہاز کو ڈوبنا ہی ہے تو کیا ہمارے واویلا کرنے سے وہ بچ جائے گا؟“

الوداع ارحو سنوا

بڑے ہی فخر سے اک راز ہم بھی ”فاش“ کرتے ہیں کبھی ہم منہ بھی دھوتے تھے مگر اب ”واش“ کرتے ہیں تھا بچوں کے لیے ”بوسہ“ مگر اب ”کس“ ہی کرتے ہیں ستانی تھیں کبھی یادیں مگر اب ”مس“ ہی کرتے ہیں چہل قدمی کبھی کرتے تھے اور اب ”واک“ کرتے ہیں کبھی کرتے تھے ہم باتیں مگر اب ”ٹاک“ کرتے ہیں کبھی جو تھا غسل خانہ، بنا وہ ”ہاتھ روم“ آخر بڑھا جو ایک درجہ بنا وہ ”واش روم“ آخر کبھی جو درد ہوتا تھا مگر اب ”پین“ ہوتا ہے پڑھائی کی جگہ اب تو ”نانچ گین“ ہوتا ہے (انتخاب..... رحمہ ثانی، کراچی)

محبت کے فوائد

یوں تو محبت کرنے کے بہت سے فائدے ہیں، مگر ہم یہاں صرف چند کا ذکر کر رہے ہیں۔ محبت کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے بعد آپ کو جھوک نہیں لگتی، جس سے جسم میں فالٹو جڑی کم ہو جاتی ہے اور آپ چاق و چوبند رہتے ہیں۔ محبت کرنے کے بعد آپ کو نیند کم آنے لگتی ہے اس سے آپ کے کام کا حرج نہیں ہوتا۔ بے جا سونے کی عادت نہیں رہتی۔ آپ ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ محبت کا ایک بہت ہی زبردست فائدہ یہ ہے کہ گرم ترین موسم بھی آپ کو موسم عاشقانہ نظر آتا ہے اور آپ شدید گرمی میں بھی گرمی لگنے سے بچے رہتے ہیں۔ محبت ہو جانے کے بعد آپ تمام مسائل سے بے پرواہ خوش رہنے لگتے ہیں۔ ہر پل دل خود بخود مسکرانے کو چاہتا ہے۔ محبت کے بعد آپ میں جینے کی امنگ جاتی ہے۔

التجا

یارب!

میں ایک کھلونا مٹی کا

تیرے کن سے جو تخلیق ہوا

تیرے کرم نے ذی روح کیا مجھے

تیرے حکم سے سانس چلتی ہیں

تیرے فضل سے سستی قائم ہے

تو لول تو ہی آ خر ہے

تو ظاہر ہے تو باطن ہے

اک اور کرم فرما مجھ پر

میرے سارے سنگ اتار یا رب

اور اپنا رنگ چڑھا مجھ پر

(بیحدہ احمد..... تلہ نگ کوٹ سارنگ)



الکشف

شہزاد عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ رب العزت کے نام سے ابتدا ہے، جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ ہماری اکثر قاری بہنیں اپنی مصروفیات اور دیگر احوال لکھ جیتی ہیں۔ آپ کے خط کا ایک ایک لفظ بڑھتے ہیں مگر شائع کرنے سے قاصر ہیں۔ خطوط کا یہ سلسلہ آپ کی آراء، تجزیروں، تجزیوں کے لئے مخصوص ہے۔ دیگر احوال کے لئے دیگر سلسلے ہیں۔ امید ہے آئندہ خیال رکھیں گی۔

لوحہ کمال..... فیصل آباد: السلام علیکم۔ تبرکات شادہ بروقت موصول ہوئے۔ ناٹل گوشہ سرگوشیاں سے نایاب جیلانی کے خاوند کے انتقال کی خبر پر بھی دل رنج و درد سے بھر گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر دے۔ دُعا کدہ سے قربانی کی عظمت و فیوض کے بارے میں آگاہی ملی۔ ہمارا آچل میں تقریباً سب کے تعارف ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یونیک سے سوالات دینے جا میں تو دلچسپی بڑھ جائے گی۔ سلسلہ دار ناٹل "جنون سے عشق تک" میں پہلے شہرینہ پر غصہ آتا تھا، اب ترس اور کم آتا ہے۔ امیر مہم کی "انا" میں فانی نے جس محل اور بردباری کا مظاہرہ کیا، کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ نازیہ کنول نازی کا "عشق سفر کی دھول" حسن بانو کی اذیت ناک موت نے دل کو خون کے آسور لائے۔ اگلے حصے کا انتظار ہے۔ "اکائی" سہر ڈوپر جا رہا ہے۔ بہت امیر بیک با فاطمہ کا نکاح و تقاریر سے، لکھی اداں لی سے تو اللہ بچائے سب کو۔ وقار علی کا نکاح کے بعد کرنا بھیجے سے باہر ہے۔ صائمہ قریشی کی تحریر "انٹری پیا اور بکرا" پہلے بھی آچل کے صفحات میں چھپ چکی ہے۔ اب یہ نہیں پتہ پہلے بھی رائٹر بھی نہیں یادوری۔ "بداد" نے چھوڑ کر رکھ دیا۔ مہربانی انسانوں پر ہو یا جانوروں پر بات تو ایک ہی ہے۔ نہ زہت جیسے ضیاء کا "ہم ساتھ ساتھ ہیں" میں واقعی ہم انسان بڑے پر مطلب پرست واقع ہوئے ہیں اور امتحان دے کر سبق سیکھتے ہیں۔ "بستہ گل" کا "میں بے چاری" میں اپنی بھی کئی بے چاریاں یاد آتی ہیں۔ "خواہش" بھی خواب جھروکے میں بڑا لطف سبق تھا۔ ہمارے مذہب نے جو بدندیاں لگائی ہیں، ان میں ہی ہمارے رشتوں کا حسن اور عاقبت ہے۔ بیاض دل، یادگار کلمے، نیرنگ خیال، ہم سے پوچھنے، سب نے دل کا ماحول خوشگوار کر دیا۔

☆ پیاری ارم! "انٹری پیا" کے نام سے صائمہ قریشی سیر بڑھ رہی ہیں۔ ادارے نے نئے سلسلے شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے، ان شاء اللہ، بہت جلد آپ کو یہ نئے سلسلے پڑھنے کو ملیں گے۔ برے کی پسندیدگی کے لئے ممنون ہیں۔

جلزبہ عیسیٰ..... مری: سلطنت آئینہ کی ملکہ شہلا جی اور اس دیس میں بسنے والی تمام بیویوں کو ملکہ کو ہوسار کی رانی جازیبہ عباسی کا محبتوں بھرا پر خلوص آداب! ملکہ آئینہ کیسی ہیں آپ؟ ہم معذرت خواہ ہیں کہ کچھ طبیعی، کھیل اور ذہنی مسائل و مصروفیات کی بنا پر ایک طویل عرصے سے آپ کے دربار میں اور سلطنت آچل میں بھی ہماری حاضری بااثر دینے ہوئی کمزور رہی۔ غیر حاضری ہم قطعاً غافل یا لاعلم نہیں رہے۔ اپنے آچل اور اس میں شائع ہونے والے تمام شاہکاروں سے اپنی قلمی سہیلیوں اور پیاری بیویوں کے پیغامات سے۔ "جنون سے عشق تک" سیر اشرف طوری ایک ایک تحریر جو بڑھتے وقت حقیقت کا روپ دھارتی ہے اور اس کے تمام کردار انھوں کے سامنے جلتے پھرتے محسوس ہوتے ہیں۔ "اکائی" محضنا کو کٹر سردار کی تحریر یا نکل نئے اعزاز میں لکھی کہانی اپنے الفاظ کی بدولت نہایت پُر اثر لگتی ہے۔ نئی لکھاری بیویوں کے افسانے اور مستقل سلسلوں میں نگارشات ہمیشہ نہایت عمدہ معیار پر مبنی ہوتی ہیں۔ بس پر یو ایہ الفاظ کا ہیر پھیر، یہ تحریریں کلمات، ہم سب کی ذہانت اور پیار سے آچل کی تعریف کے لئے بہت کم محسوس ہوتے ہیں۔ اللہ سب کا حاکم و ناصر ہو۔ آمین۔

☆ پیاری ملکہ کو ہوسار کی رانی! کہانیاں کی ملکہ اور کہان کا دربار۔ براہ مہربانی کو ہوساروں سے اتر کر کبھی میدان میں آئیں تو پتہ چلے کہ تہذیب آچل کی ہے۔

ثناء رسول ہلشی..... صادق آباد: تمام قارئین کو سلام اور تین ماہ آچل پر تبصرہ نہیں کر پائی تو سب نے جیسے ٹھہرا ہی دیا۔ خیر، یہی رولہ دیت دیا ہے تو کیا ملگا؟ باوجود تبرکات سرگوشیاں حمد و نعت، دُعا کدہ کے بعد ہمارا آچل

میں سب کا تعارف پڑھا، جو کہ بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں اقراء جی کی "تیری زلف کے سر ہونے تک" سے آغاز کیا۔ کسی ٹوئٹ کے منتظر تھے اور اگلی قسط میں غالب کوئی ایسا ہی واقعہ دیکھنے میں آجائے گا۔ "انا" امیر مہم کی ایک اور بہترین تحریر تھی۔ بہت سبق آموز اعزاز تھا۔ "عشق سفر کی دھول" نازیہ کنول نازی کا انداز بیان دل کو چھو گیا لیکن آخر میں "ہائی آئندہ" دیکھ کر موزا خراب ہو گیا۔ حسن بانو جیسی ہزاروں کہانیاں ہمارے گرد بھری ہوئی ہیں۔ لکھی لڑکیوں کے انجام سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود بھی عبرت کیوں نہیں پکڑتی لڑکیاں! آخر ہر کوئی ٹھوکر کھا کر ہی کیوں سمجھتا تھا جی سے کرنے کا ہی انتظار رکھ رہا ہے؟ "اکائی" محضنا کو کٹر کے سابقہ اعزاز سے تھوڑا ہٹ کر ہے مگر بہت آؤٹ اسٹینڈنگ ہے۔ شبینہ گل کی "بے چاری" کی بے چاری پر ترس کھانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکے۔ زبردست شبینہ جی۔ سپر ب۔ "خواہش" بھی خواب جھروکے، فرخ بھٹو کی ہلکی پھلکی تحریر پر مبنی، ایسی بھی لگی۔ ہائی کہانیاں ابھی برقی نہیں۔ "میں بے چاری" بھی مصروف ہوئی ہوں ناں (ہلہلہ) بیاض دل میں تمام اشعار بہترین تھے۔ دوست کے پیغام میں مجھے کسی نے یاد دلائیں کیا۔ جاؤ میں نہیں بولتی آپ سے۔ فریدہ فری، خدا آپ کی تمام مشکلات اور پریشانیاں دور فرمائے۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا آچل سے وابستہ لوگوں کو سلامت دے اور آپ سب کی مسکرائشیں قائم رکھے گا۔ آچل آپ کے دم سے ہے۔

☆ پیاری شادا! کسی اور نے کیا ہو یا نہ کیا ہو، ہم نے آپ کو یاد کیا اور وہ تمام قارئین جو باقاعدگی سے ہمیں خط لکھتے ہیں، اگر رائج چھ ماہ غائب رہیں تو ہمیں تشویش ہونے لگتی ہے۔ چار ماہ کو تو ہم مصروفیت کا نام دے کر خاموش رہتے ہیں۔ رہی بات لڑکیوں کی تو لڑکیاں تو پھر لڑکیاں ہوتی ہیں ناں..... اب اور کیا کہیں۔ دعاؤں کے لئے ممنون ہیں۔

شروت عزیز نوشی لینڈ جیسن عزیز حلیم..... کوٹہا خانہ: السلام علیکم۔ تبرکات شادہ عید کے دوسرے دن ملا۔ ناٹل بہت چارنگ ایڈیٹ ہوئی لی تھا۔ سب سے پہلے فریدہ جی کی سرگوشیاں پڑھیں پھر مدح و نعت سے مستفید ہوئے پھر "دو جواب آں" بیٹھے چلیے سے جوابات بڑھے اور پھر الکوشہ کا مطالعہ کیا۔ ہمارا آچل میں عاصمہ بی، ابوہیہ شامین، ڈاکٹر زارا، نجمہ ساء کا تعارف پڑھا، اچھا لگا۔ سلسلہ دار ناٹل "تیری زلف کے سر ہونے تک" سسر اقرا قیظ مشقی نیز ثابت ہوئی۔ "اکائی" یہ ناول تو پڑھتے ہوئے ہمیں ایسا لگتا ہے جیسے ہم اس میں ٹھو گئے ہیں، خاص کر امالی جی کا کردار ان کی اثریٹ کرتا ہے۔ ان کی مثالیں..... اف۔ "عشق سفر کی دھول" نازیہ کنول نازی کا امالی کی بعد پھر سے حاضر ہیں۔ امید ہے بلکہ یقین سے یہ ناول بھی پہلے کی طرح کمال کر دے گا۔ یہ قسط بہت عمدہ رہی۔ گڈ۔ "جنون سے عشق تک" سیر آئی پی سر ہٹ ہے۔ "انٹری پیا اور بکرا" سو فی۔ افسانے بھی اچھے تھے۔ ہاجرہ ضیاء سسر ہلچل ہیں، خان نہیں۔ شازیہ ہام بیوانی سسر بتعارف پسند کرنے کے لئے شکر ہے۔ مہندی کے ڈیزائن اچھے تھے۔ "بیاض دل" میں بھی نے اچھا لکھا۔ "یادگار کلمے" میں بھی نے اچھا لکھا۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہیں گے کہ آچل ہمارا تراتی کرتا رہے۔

ملیہ سلیم اختر..... کورنگی، کراچی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارگت نام سے ابتدا ہے جو اس کائنات کا مالک ہے۔ اس باس خرافانہ نوع آچل عید کی وجہ سے خاصا ملت ملا کر مل گیا۔ شکر ہے مالک کا سرورق بہت خوب صورت تھا۔ اس کے بعد سرگوشیاں میں نایاب جیلانی کے خاوند کے بارے میں پڑھ کر بہت ڈکھ ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ اس کے بعد دو جواب آں میں اپنے خط کا جواب دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ ہمارا آچل میں عاصمہ بی اور ڈاکٹر زارا تبصرہ کا تعارف پڑھ کر اچھا لگا۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" بہت خوب صورت اعزاز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ پڑھ کر بہت بہت اچھا لگا۔ "اکائی" بھی بہترین تھی۔ "جنون سے عشق تک" ویل ڈن سیر آئی، بہت زبردست تھی اس بار، مجھے لگتا ہے اگلی قسط میں شہرینہ کی تحریر تو پکی ہے، ہائی دیکھیں گے کیا ہوگا اس بار نازیہ کنول نازی کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ "عشق سفر کی دھول" سسر اسٹوری ہے ابتدا میں بہت ہی بہترین ہے، اختتام بھی بہت اچھا ہوگا۔ "انٹری پیا اور بکرا" بہت عمدہ ہر پار کی طرح اس بار بھی انٹری پیا باڑی لے گئے، بہت مزہ آیا پڑھ کر۔ "انا" بہت ہی زبردست افسانہ تھا۔ "تھمارے لئے" میں رابعہ اختر نے بہت خوب صورت اعزاز میں قربانی جیسے فریضے کو بیان کیا۔ بے شک یہی قربانی اصل قربانی ہے کہ سب سے پیاری چیز اپنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربان کی جائے۔ "بیاض دل" میں تمام اشعار بہترین تھے۔ دُعا مقابلہ میں "دم کے کباب" اور "تو آئینی" کی رہی پسند آئی۔ نیرنگ خیال میں تمام غزلیں اور نظمیں عمدہ تھیں۔ "یادگار کلمے" میں پہلی بار اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ ہم سے پوچھنے میں تمام سوالات کے جوابات بہت مزے کے تھے۔ "آئینہ" میں اپنا تبصرہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تبصرے کے نیچے لکھا تھا ہم آپ کے اگلے تبصرے کے منتظر ہیں، لیکن میرا تبصرہ حاضر ہے۔ تبرکات

شمارہ بہت بہترین تھا۔ ہر تحریر بہت عمدہ تھی اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو مزید ترقی دے آمین۔

☆ پیاری ماں! بہت عمدہ، بہت جامع تبصرہ..... ویسے تو یہ خط سارے کا سارا آخریوں پر مبنی ہے لیکن اگر کچھ پسند نہ آئے تو بے حد محک اظہار کر دیا کریں۔ ہم بالکل برا نہیں مانیں گے۔

ملکشاہ بشیر حسین..... گنگہ اس واقعہ آج کل کا شمارہ شاندار رہا۔ ناسل خوب صورت تھا۔ ”سرگوشیاں“ بہت خوب صورت الفاظ، سہرا لکھنوی کی حمد بہت عمدہ رہی جبکہ آخر شیرانی کی نعت نے دل موہ لیا۔ ”در جواب“ میں لکھی گئی تحریر شکر ہے پر کس بات کا؟ ”الکوثر“ مشتاق انکل کا خوب صورت سلسلہ اس واقعہ بھی خوشبوؤں سے بھر اٹھا۔ ”ہمارا آج کل“ میں سب سے مل کر اچھا لگا۔ سلسلہ وار ناول اچھے جا رہے ہیں، پر اترانے کہانی عجیب سی کر دی ہے۔ ”عشق سفر کی دھول“ نازیبا نئی، دو ٹوک بیک۔ پہلی قسط اچھی رہی آگے دیکھتے ہیں۔ ناولٹ ”انٹاری پیا اور بکرا“ وہی پرانا موضوع، کئی بار کا پڑھا ہوا۔ مزہ نہیں آیا۔ ”انا“ ام مریم کہانی کا نہ سر سمجھا یا نہ پیر۔ یہ ہی کہانی اگر کسی قاری نے لکھی ہوئی تو فوراً جینک ہو جاتی، لگا ہی نہیں یہ کہانی ام مریم جیسی لکھاری نے لکھی ہے۔ ”تمہارے لئے“ راجہ افتخار کا افسانہ بھی وہی پرانا موضوع، پلیز کچھ نئے آئیڈیاز لائیں، یہ کہانیاں کئی دفعہ پڑھی ہیں۔ ”مداوا“ طلعت کا افسانہ قدرے بہترین تھا۔ ”ہم ساتھ ساتھ ہیں“ نہرت نے بھی پرانے موضوع کو نیا کرنے کی کوشش کی۔ یہ الگ ہونا پھر پریشانی آنا، سبق ملنا وغیرہ وغیرہ۔ ”میں بے جا رہی“ شبنم نے مختلف لکھا۔ بے جا رہی کا نام کیا تھا؟ ”خواہش، جلی، خواب جھروکے“ فرح جھونے بالکل نیا لکھا۔ ”شادی سے پہلے کا“ اور سا کو کچھ کراچیا کیا۔ ویری گڈا ”ہومیو کاگز“ ویری ویل۔ ”بیاض دل“ رشا، ایشا، تابا، شازیہ، رحیم، حنا، عابدہ، وقاص، عمر، مقدس، ارم کمال، فاطمہ کے اشعار لا جواب رہے۔ ”دش مقابلہ“ محترم، مہرین، گلشن نے لا جواب لکھا۔ ”بیوی کا گائیڈ“ میں ہالو عاتقہ نسیم نے میٹر کلر کے متعلق کافی لا جواب معلومات دیں۔ ”تیرنگ خیال“ میں سب نے اچھا لکھا۔ فرید پوری اور فیضہ صف کی شاعری ہمیشہ سب سے اچھی ہوتی ہے۔ ”دادگار لکھے“ پسند آیا۔ اوکے جی، اللہ حافظ اور پیکر کوشش کیا کریں آج کل کی کہانیاں سب سے مختلف ہوں۔ موضوع کا خیال خاص درمیں کیونکہ آج کل میں عزیز ہے اس لئے کہا ورنہ اگر بات بری لگی ہو تو آئندہ نہیں کہتے۔

☆ پیاری ماں! کہانیوں کا انتخاب کرتے ہوئے تو موزیا کہہ مشق لکھاری کا نام نہیں دیکھا جاتا بلکہ کہانی کا موضوع، معیار اور چٹکی کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ آپ کی رائے ان طور کے ذریعے ہمارے سامنے پرانے سب لکھنے والوں تک پہنچ گئی ہے۔ امید ہے وہ لوگ آئندہ نئے نئے موضوعات پر طبع آزمائی کریں گے۔ آپ کو پڑھنا پسند نہیں آیا یا آئندہ کوشش کریں گے کہ آپ کو بھی پڑھنا پسند آئے۔ تنقید کا ہم بالکل برا نہیں مانتے۔ آپ کی تنقید ہمیں مزید محنت پر اکساتی ہے۔ آپ پر بے رحمتی کرنا نہیں چاہتے۔

گلشن چوہدری گل، حنیصہ نور..... گجرات اسلام علیکم! امید ہے کہ سب ٹھیک ہوں گے، اپنے بھی حال چال ڈٹ فائٹ ہیں۔ جی عید کی وجہ سے آج کل لٹ ملا کیونکہ میرے بھائی جان تو دوستوں کے ساتھ پارٹیوں میں مصروف تھے تب ہم دونوں کو آج کل لا کر دیے ہم نے تو بڑی میٹیں نہیں کھرنی، ملائی نہیں، پھر ترس آ گیا اور لا کر دے دیا۔ باؤل تو اچھی لگی پہلے قیصر آئی کی سرگوشیاں پڑھیں پھر جدت پڑھی۔ پھر ہمارا آج کل اور الکوثر پڑھی، اس کے بعد گئے اسٹوریوں پر۔ ”اکائی“ بہت ست دہی سے گئے پڑھ رہی ہے۔ حصہ کو ”اکائی“ پسند نہیں ہے اور مجھے بہت پسند ہے۔ تھوڑا افسانہ لکھا کریں۔ پھر پڑھا ”جنون سے عشق تک“ کہانی تو اچھی جاری ہے۔ آپ کا ناول تو آج کل کی جان ہے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ اچھی پڑھی ہیں کیونکہ خط خط لکھا تھا تو لگا کہ کہیں ہم لٹ نہ ہو جائیں۔ مکمل ناول اور افسانے میٹ تھے نہرت میں کوئی کتاب شائع ہونے پر پڑھوں مارا کیا۔ کچن کارز میں پڑھیں اچھی تھی۔ بیاض دل کے شعر سارے اچھے تھے۔ تیرنگ خیال میں ساری غزلیں اچھی تھیں۔ دادگار لکھے میں سب اچھی باتیں تھیں۔ ہم سے پوچھنے میں شامل آئی کے کئے بیٹھے جواب مزہ دے گئے آئندہ میں سب نے شرکت کی ہے۔ میری کزن حصہ نور پہلی بار شرکت کر دی ہے تو۔ ”دش مقابلہ“ کبھی اچھا آپ لوگوں کے لئے شعر۔

ارے واہ ہم حال نہ پوچھیں تو معذور
تم حال نہ پوچھو تو معصوف
☆ پیاری گلشن! ہم خواہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہو، اپنے اپنے غلغلے اور محبت کرنے والے قارئین کے لئے وقت نکال ہی لیتے ہیں۔ آپ نے یاد کیا شکر یہ اور حصہ نور کو مکمل میں خوش آمدید! آئندہ وہ بھی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔
نقیصہ احمد..... تھ گنگہ کوٹ سرنگد آج کل کی مکتبی کلبوں کی طرف سے پیار ہر اسلام۔ کیا حال

ہے شہلا آئی، سب سے پہلو آپ یہ بتائیے کہ آپ کو میرا تبصرہ ملا نہیں یا کوئی اور وجہ تھی؟ اس ماہ کا ناسل بہت خوب صورت لگا۔ سرگوشیاں میں حمد و نعت کو پڑھا۔ در جواب آپ پر سرسری نظر ڈالی۔ دلش کدے سے فیض یاب ہوئی۔ اس عید پر نازیہ کی نول نازی کے مکمل ناول کا جو سر پرانہ آپ نے دیا، اس نے عید کی خوشی کو دوبالا کر دیا۔ کہانی بہت ذہن پرست ہے اس کے بارے میں یہی کہوں گی۔

اس دل پر بھی کڑی عشق میں گزری ہوگی
نام جس نے محبت کا سزا رکھا ہے
میرا شریف طور کے ناول ”جنون سے عشق تک“ نے تو آج کل کو روشن کیا ہوا ہے۔ آپ کی جو محبت لکھتی ہیں، مکمل لکھتی ہیں۔ شہرہ بہ کی ماں مریم، دو کھواہیں خوش بھی ہوئی کہ ہمیں برائی شہرہ بہ نئی مسکرائی مل گئی۔ سب پلیز شہرہ بہ کو مزید پیش لڑانا۔ عشنا کوثر سردار کا ناول ”اکائی“ کچھ بورنگ لگتا ہے۔ جلدی سے یہ ختم ہو جائے۔ ”تیرے زلف کے سر ہونے تک“ میں زید اور سودہ کو ایک کردار اور اشراق کا نول کو کھوکھلا دینا بہت برا لگتا ہے۔ یہ بھی بیٹ جا رہا ہے۔ صائمہ فریدی نے جو ناولٹ لکھا ہے، اس کے لئے وہ تحریروں کا حق رکھتی ہے۔ بہت مزہ آتا ہے۔ انٹاری پیا کے کارنامے پڑھ کر اسی طرح لکھتی رہی، ویل ڈن۔ افسانوں میں ویسے تو سب ہی اچھے تھے پر ”انا“ اور ”مداوا“ ٹاپ پر رہے۔ ”بیاض دل“ میں عاتقہ پرویز، مدیحہ نورین اور کوثر خالد کا انتخاب اچھا لگا۔ ”دش مقابلہ“ میں ابھی صرف ریلیکھی پڑھی، کوئی ٹرائل نہیں کی۔ بیوی کا گائیڈ پر سرسری نظر ڈالی۔ میرے مطلب کی اس میں کوئی بات نہیں تھی (ہاہا)۔ ”تیرنگ خیال“ میں غزلیں پڑھیں تو اپنی بھی سمجھنے کو دل کیا۔ سب اس گل اور حمیرا قریشی کی غزل اچھی لگی۔ دوست کے پیغام میں دوستوں کے پیغام پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ یادگار لکھے میں سب بہترین تھا۔ ”آئینہ“ میں اپنی کی شدت سے محسوس ہوئی۔

تا بزم اپنی، تا سانی اپنا
تا شیشہ اپنا، تا جام اپنا
اگر یہی ہے نظام ہستی تو غالب
زندگی کو سلام اپنا
تبصرہ بہانہ ہو جائے، اجازت جانتی ہوں زندگی رہی تو ”آج کل“ سے رشتہ اور مضبوط ہوگا ان شاء اللہ۔ اللہ آج کل کو دن و رات چوٹی تر تری دے، دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

سحر تیسیم سحری..... میفل پورہ اس واقعہ آج کل نے 23 کو بدلا کر دیا۔ ناسل کیوت تھا، خاص کر باگ ٹیک۔ آج کل میں جناب کی جھلک دیکھی اور دل کو لٹی رہی۔ سرگوشیاں سے حمد و نعت کا سفر طے کر کے ہم نے آئی کی محفل کو خوشی بخشی، جہاں آئی اپنے ساتھ کاتین اپنے شیریں لہجے میں بیان کرتی تھیں۔ ”الکوثر“ میں مشتاق انکل نے قربانی کے صحیفہ بوم سے واقف کروایا کہ کیا ہے مسلمان کی اصل قربانی۔ تعارف میں ڈاکٹر زارا کا تعارف سب سے اچھا لگا۔ سلسلہ وار ناول میں افراسیہ کے ناول نے ہمیں ابھی تک جکڑا ہوا ہے۔ زید، سودہ، اشراق، فوکل تو ہمارے نور ہیں، پر لا رہے ہیں؟..... زہر ہے۔ ”اکائی“ کی یہ قسط بھی ذہن پرست رہی لیکن عشنا آئی آپ دو ماں زیادہ اچھا لکھ لیتی ہیں۔ نازیہ کی نول نازی کی آمد سے آج کل کو بارہ جا ننگ گئے۔ شکر یہ نازیہ نئی واپس آئے کا۔ ”عشق سفر کی دھول“ ذرا آئیں، چاراقسطا ہو جائے پھر ساتھ پڑھوں گی ان شاء اللہ اور تبصرہ بھی کروں گی۔ ”جنون سے عشق تک“ کہانی میں کئی نئے باب کھلے ہیں۔ لگتا ہے میرا ناول طویل ہے کیا ہے۔ ناولٹ ”انٹاری پیا اور بکرا“ سو ری صائمہ آپ کی یہ تحریر کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ افسانے میں ”انا“، ”مداوا“، ”میں بے جا رہی“، ”بس سو سو رہے تمہارے اے دن“، ”ہم ساتھ ساتھ“ چھوٹی تحریر بڑی بات سمجھا گئی۔ ”خواب جھروکے“ ویری ویل۔ ”یردات وفا“ راشدہ رفعت، صدف، صف، نازیہ بیچال، مناجتین، حیا بخاری کہاں کہیں؟ جہاں بھی گئی ہیں، جلدی جلدی واپس آ جائیں پلیز۔ ”ہومیو کاگز“ طلعت کو میں رائٹر طلعت لکھتی ہوں، وہی ہیں کیا؟ ”بیاض دل“ میں سب کا انتخاب اے دن رہا۔ ”دش مقابلہ“ میں اس نازیہ کو جگہ دینے کا شکر یہ۔ ”بیوی کا گائیڈ“ میٹر کلر کے متعلق معلومات کے لئے شکر یہ بہت بہت۔ ”تیرنگ خیال“ میں سب کی شاعری اچھی تھی۔ ”دوست کا پیغام آئے“ اترا یاد کرنے کا شکر یہ ہم بھی مجھے ہمیشہ یاد رہی ہو۔ ”دادگار لکھے“ میں اس دفعہ سب کا انتخاب کافی معیار تھا۔ ”آئینہ“ ہم نے جس تبصرہ پر فاتحہ پڑھ لی تھی، وہ آپ نے ہمارے سامان لا کر گھڑا کر دیا۔ خوش کرو یا شہلا آئی، اس خوشی میں دعا ہے ساختہ لکھی کہ ہزاروں سال جیواں! ”ہم سے پوچھنے میں شامل آئی کے کئے بیٹھے پچھلے ماری جا رہی ہیں۔ ”آپ کی محبت“ اور ”کام کی باتیں“ بھی عمدہ تھی۔ مہندی کے ڈیزائن بھی اچھے لگے۔

☆ پیاری سحر اہزاروں سال؟؟؟ بدو عا کس خوشی میں دی ہے؟

نندا افتخار..... جنتیال: محترمہ شہلا صاحبہ! السلام علیکم سرورق! اچھا لگا۔ ماڈل عالیہ کا میک اپ بہترین تھا۔ سرگوشیاں میں قیصر آراہانی نے وطن کیلئے بہترین الفاظ لکھے۔ حمد و ثناء بھی عمدہ تھیں۔ تعارف سب کے اچھے تھے۔ سلسلہ وار ناول بہترین جارہے ہیں۔ نازیہ کنول نازی کے ناول ”عشق سفر کی دھول“ کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نازیہ کنول بہت اچھا لکھتی ہیں۔ سیرا شریف طور کا ناول بھی زبردست جارہا ہے۔ صائمہ قریشی کا ناول ”انٹری پیا اور بکرا“ پڑھ کر مزہ آیا۔ افسانے سارے اچھے تھے۔ بیوٹی گائیڈ میں ہالوں کا ٹاپک پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ بیاض دل، تیرنگ خیال، یادگار تھے اور دوست کا پیغام آئے، سب سلسلے میرے پسندیدہ ہیں۔ مہندی کے ڈیزائن پیارے تھے۔ بیاض دل میں پروین افضل شایین، وقاص عمر، فائزہ بھٹی، کوثر خالد، مدیحہ نورین، مہک آپ سب کا انتخاب بہت پسند آیا۔ تیرنگ خیال میں شاعری سب نے بہترین لکھی۔ سب کے پیغام بھی اچھے تھے۔ مدیحہ کنول سرور کا پیغام سب سے پہلے پڑھتی ہوں کیونکہ وہ میرے شہری ہیں۔ مدیحہ کنول سرور آپ کا کیا حال ہے؟ بہیم بشر حسین، بحریم سحری اور افراتج آپ نے حجاب میں میری نگارشات کو پسند کیا تو آپ کا بے حد شکریہ! میں نے پہلی بار تبصرہ کیا ہے، امید ہے آپ کو ٹھیک لگے گا۔

☆ پیاری نندا! جب آپ کا چل کی ہر چیز پسند آتی تو بھلا، میں آپ کا تبصرہ کیسے نہ پسند آتا؟ لیکن اگر کوئی خاصی یا کی نظر آئے یا کوئی تجویز دینا چاہیں تو بلا تکلف لکھ دیجئے گا۔

تبسم بشیر حسین..... فننگ: ٹائل پر حسین نے دل موہ لیا۔ واہ کیا پرہیز گری! وائٹ ڈریس میں چہلری اے دن میک اپ ففٹا سنک پوز، واک پر مہندی کہاں گئی؟ خیر..... سرگوشیاں، ٹایپ جیٹائی کے شوہر کا پڑھ کر ڈھو۔ کالی ریتیک کچھ نہ پڑھ سکی۔ پھر ٹھوڑی دیر بعد دعا کر کے شمارہ دوبارہ اٹھایا۔ ”آئینہ“ میں سب کے تبصرے لا جواب رہے۔ افراتج، شازیہ ہاشم، کوثر خالد، ہاجرہ ضیاء، اصدا بقیہ، ون ڈرٹل وقاص عمر اس ماہ نہ تھے۔ پلیز ہر ماہ ٹھوڑی سی فرصت نکال کر تبصرہ ارسال کر دیا کریں۔ ”یادگار“ لےئے ”سب پسند آئے“ ”دوست کا پیغام آئے“ ”ڈیزائن افراتج، یاد کرنے کا شکریہ۔ کوثر جی، کیا میں بھی آپ سے بات کر سکتی ہوں فون پر آپ سے ایک انیسٹ سی ہوئی ہے۔ جب آپ سب سے آج کل اشاف سے قارئین سے گفتگو کرتی ہوں تو بہت سکون ملتا ہے، ہائی اللہ ہے جس سے ہر بات کرتی ہوں۔ مقدس زہرہ، واہ کیا پیغام، بیٹی! بجائے کادل کیا۔ باقی سب نے بھی دل سے پیغام دیا ہے دل میں بسنے والوں کے نام، ہاؤ کیوٹ اینڈ سوٹ۔ ”بیوٹی گائیڈ“ اچھا رہا۔ ”بیاض دل“ واؤ! اسم دل جیت لیا ہوا۔ ”ہوسو کار“ ڈیزائن طلعت، کافی معلومات دینی ہو تبصرہ شکر ہے۔ ”تیرنگ خیال“ ”نغمہ غوری، جڑواوی، نعیم انصاری، نعیم رضوی، ہساس گل، حمیرا قریشی، فریدہ فیصلہ صفا، فریدہ فری، لا جواب شاعری کی، پر جس کی نظم سب پر بازی لے گئی! ”عید کا چاند“ وقاص عمر، واؤ! امیزنگ آپ کی شاعری زبردست ہوئی ہے۔

ام فروا..... کوئٹہ: ایک مہینے کی بات، بس سال سے خاموش رہی، پر اب خاموش نہیں رہنا۔ ہمیں احساس کرانا چاہئے کہ ہم بھی آج کل کی فین ہیں۔ ہم بھی اس کے لئے راتوں کو جاگتے ہیں اور بہت محنتیں تاریخ کے لئے دن گنتے رہتے ہیں۔ 5th کلاس سے لے کر میٹرک تک آج کل چمپا کر پڑھتے رہیں۔ کئی دفعہ تو بارہمی کھائی بڑی آخر کسٹیس سے ہٹ کر کتابیں پڑھتے تھے۔ کئی دفعہ ہماری کتابوں کو اٹھا کر کے ہمارے سامنے گنگا لگا دی جاتی اور ہم بیٹھی کلاؤں کے ساتھ راکھ تک اکٹھی کر لیتے۔ ”مجھے ہے حکم ڈال“ ”ام میرم نے اس خوب صورت انداز سے اختتام کیا کہ ہم نے کاغذ اور قلم لیا اور کئی خط لکھ ڈالے لیکن انہوں نے کہ ہمیں ڈر بہت لگتا ہے۔ ہمیں ناکامی سے ڈر لگتا ہے۔ ہمیں یہ بھی پتہ ہے ہر ناکامی میں کامیابی چھپی ہوئی ہے مگر ہم تبصرے لا ڈالے۔ ہاں! لئے ڈر تھا کہ اگر شائع نہ ہوا تو ہم بہت ہرٹ ہوں گے کیونکہ آج کل لانے کے لئے ہمیں گاؤں سے شہر تک دو گھنٹے لگتے ہیں۔ آج کل ہمیں گھر تک لانے کے لئے تین سو روپے درکار ہوتے ہیں اور آپ خود سوچئے! ہمیں ہر ماہ آج کل 300 کا پڑتا ہے۔ ہم پھر بھی اس کے دیوانے ہیں اور جب اتنا خرچہ کر کے آئینہ میں ہم شامل نہ ہوں تو پھر روٹا تو تباہ ہاں! ہم میں کیسے کی صلاحیت بھی بہت ہے۔ کوئی غلطی کرو تو معاف کیجئے گا ورنہ ہم جس سالوں میں نہیں بولے تو آئندہ بھی نہیں بولیں گے اللہ حافظ!

☆ پیاری! اُم فروا! اے اردو کی طالبہ اور لکلا کی اتنی غلطیاں؟؟؟ بزم میں خوش آمدید! آج کل سب سے قلم اور اصلاحی تحریروں سے آراستہ جرید ہے۔ لوگ نہ جانے کیوں پڑھنے پھیرنے سے قانع کر لیتے ہیں۔ فی الحال تو آپ کوئی خوشگوار سے انجام کا مختصر افسانہ بھیجیں تاکہ اندازہ ہو کہ لکھ سکتی ہیں کہ نہیں۔ دعاؤں کا شکریہ۔ اب خاموشی توڑی دی ہے تو آتی جانی رہے گا اور یاد رکھئے جو لوگ

ناکامی سے ڈرتے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمارے والد کہتے تھے ناکام ہونا، ہارنا نہیں ہے، حوصلہ ہار جانا، ہارنا ہے اور اگر آپ سالانہ خریدارین جاں کو آپ کو پورا ملنے کی پریشانی سے نجات مل جائے گی۔

اسماء صدیقہ، ثمینہ مصری..... عید الحکیم: اس دفعہ حد ہو گئی، بھئی! آج کل 19 کول گیا۔

”سرگوشیاں“ میں آئی جان نے ہماری سوچ کی ترجمانی کی۔ ”ہمارا آج کل“ میں چار بہنوں کا تعارف اچھا لگا مگر عاصمہ بی کا تعارف اپنا تعارف محسوس ہوا، اسوائے میوزک کے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ میرے سمیت تقریباً تمام قاریات نے بھی یہی سمجھا تھا کہ سوہد، زیدی، بجائے پیارے میاں کی ہو گئی، بہر حال یہ عقدہ تو اب کھلا ہے۔ اف آفر آئی، نکال کر ملی ہیں، ایسا خوشنماک سینا دکھایا۔ ویسے دل نہیں مانتا تاہم زید غضب کی شخصیت کا مالک اور پھوٹ پھوٹ کر روئے اور برملا اظہار محبت کرے، بہر کیف اچھی کہانی چل رہی ہے۔ ام میرم صاحبہ کی تحریر ”اننا“ بہت اچھی لگی۔ ”عشق سفر کی دھول“ ہائے..... نازیہ آئی ہیں۔ مرحبا۔ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ اعلیٰ قسط کا انتظار ہے۔ ”کافی“ عشنا کوثر آئی ہے چھوٹا نواب، فاطمہ کے ساتھ کیوں ایسا ہی ہو کر رہا ہے۔ ”تمہارے لئے“ راجہ انوار پیاری تحریر ہے۔ سیکڑی تارا سے وابستگی اچھی لگی۔ کرداروں کے مکالمے دلچسپ تھے۔ ہشتے بھی رہے اور خیریں لوکھا سبق اذکر لکھا۔ ”انٹری پیا اور بکرا“ خوب صورت، صائب آئی نے عید میں رنگ بھر دیئے۔ ”جنون سے عشق تک“ سچ چل رہی ہے۔ ”ہم ساتھ ساتھ ہیں“ نزہت جہیں ضیاء سبق سکھاتی تحریر ہے، دیری ناس۔ ”میں بے جاری“ شبنم گل، تعریف کیلئے الفاظ کا فقدان ہے، بس جی جا رہا تھر کے گھر کا کام میں کردوں تاکہ وہ ناول مکمل کر سکے۔ ”خواہش، نکلی، خواب جھروکے“ فرح بھٹنا آپ کو پہلی بار پڑھا، شرفی تربیت کو آج کر گرتی زبردست کاوش۔ ”بیاض دل“ کوثر خالد، سعید رب نواز، انیلا طالب، مقدس زہرہ، حرا قریشی کی شاعری بہت پسند آئی۔ ”تیرنگ خیال“ ”فریدہ خانم، ہساس گل، عظمیٰ جہیں کی شاعری دل کو چھو گئی۔ ”یادگار“ ”لےئے“ شازیہ ہاشم، عاصمہ بی، مقدس زہرہ، مدیحہ نورین، نورین انجم ناپ رہیں۔ ماشاء اللہ۔ ”آئینہ“ میں اس دفعہ تو شہلا آئی بڑے خاص موڈ میں تھیں۔ عید کے موقع پر پیارے اور میٹھے جوابات دیئے، شکریہ۔ ”ہم سے پوچھئے“ نکال صرف ارم کا ہے، ملک صاحب کو بچھا دیا، ان دو جملوں نے ہنسنا کچھ پھر ہنسا ڈالا۔ غرض کہ مکمل شمارہ خوب صورت تھا۔ بڑی محنتوں سے تیار کیا گیا تھا۔ بس آج کل کے صفحات بڑھا دیں۔ ایک سٹکسٹ ہے آئی کے عیسیر یا نمرہ احمد میں سے کسی ایک س ناول لکھوائیں آج کل کے لئے۔ دلکش مریم، بہنا پلیز لکھو ناں! آج کل کے لئے تبصرہ ضرور بھیجیں اور ہاں، حبا اور منوں، جواب دینے کا شکریہ۔ ہمارے ہاں تو مرد حضرات بھی میلوں اور گلی میں شامل نہیں ہوتے اور عورتوں کا تو سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ان شاء اللہ ضرور ملیں گے۔ ہمارا بھی تو میرا پیغام بھی شامل کر لیں دوستوں کی لسٹ میں، پیاری شمیم عید مبارک! اچھا جی، اجازت، تبصرہ لبا ہو گیا ہے اب بس کرتے ہیں کیونکہ دیکھتے چیلے ہمارے منتظر ہیں کہ ہم کب ان کو مانجھتے ہیں۔

☆ اسماء صدیقہ اور شمیم مصری! پیاری دوستو! شبنم گل کے بارے میں آپ کے خیالات جان کر خیال آیا کہ کبھی ایڈیٹر کی مصروفیات بھی آپ کی نذر نہ کریں گے۔ سچ ہمارے گھر میں بھی بہت کام ہوتا ہے مگر پہلے اپنے خلیے مانجھ لو، پھر مل کر سوچیں گے۔

صغریٰ شہزادی..... جڑواں لکھ: اس دفعہ ڈائجسٹ بھلا کب ملا ہے؟ ہمیں اکثر 27, 28 کو ملتا ہے لیکن اس دفعہ تو حیرت یہ ہے کہ 20 اگست کو تبصرہ 2018ء کا شمارہ ہمارے ہاتھ میں تھا۔ ہے ناں حیرت والی بات.....! اکثر 27, 28 سے بھی زیادہ لیٹ ہو جاتا ہے، زیادہ تر 30 کو ہی ملتا ہے۔ خراب کچھ اس کے بارے میں بات ہو جائے۔ ماڈل گرل، بہت پیاری لک رہی ہیں لیکن اس کی انٹرفیو پسند نہیں آئی۔ نری پوری (۱۱۱۱۱۱) جس افسانے نے لیر لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ ہے ام میرم کا افسانہ ”اننا“۔ وجہ پسند تو بہت آیا، دوسرا شکر تھی عمر سے بعد کی ہے۔ حسب معمول سب سے بیلے لسٹ دے دھی۔ حدیث بڑھی۔ سرگوشیاں تیں۔ حمد و ثناء سے مستفید ہوتے ہوئے در جواب آئی میں دیکھا۔ مدیرہ جی نے ہمیں شامل نہیں کیا تھا۔ چلئے خیر ہم یہی نہیں گئے۔

وہ منزل ہی بدقیصہ تھی جو ہمیں پانہ سکی اس سے آگے دانش کردہ سے معلومات لی۔ اللہ ہمیں سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ چاروں بہنوں کے تعارف پسند آئے۔ ڈاکٹر زارا، اللہ آپ کی خواہش پوری کرے (آمین)۔ سعید جی جھلا لگا لگائی سوٹ فیورٹ ناول ”جنون سے عشق تک“ دل ڈال آئی میرا، مدیرہ صاحبہ سے گزارش ہے قسط نمبر اور لازمی لکھو یا کریں ہمیں! اکثر یہ دیکھنے کے لئے کوئی قسط ہے، پچھلے ڈائجسٹ دیکھتے پڑتے ہیں۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ آئی! افراتج اس دفعہ تو آپ نے حیران ہی کر دیا۔ ویسے اشراف کون سا ٹھیکل کھینے والی ہے۔ جلدی پتہ چل جائے گا۔ اس کے بعد ”کافی“ عشنا کوثر سرداران کا ناول مجھے پسند

نہیں آیا۔ شروع کی ایک دو قسطیں پڑھی تھیں، سرسے گزر گئی۔ سمجھ ہی نہیں آئی۔ اب تو ویسے ہی پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ سمجھ ہی نہیں آتی۔ افسانے سارے ہی لا جواب تھے۔ نازی جی کے ناول کے ہر اکبار کیا، ایڈ پر جا کر باقی آئندہ ماہ منہ چڑھا رہا تھا اور سارا سانس کس ایٹ کر دیا۔ صائمہ فریٹی "اناڑی پیا" کے ہمراہ بہت دیر بعد آئی ہیں اور چھانکیں۔ افسانوں میں ام مریم بہت عرصے بعد نظر آئی ہیں، ان کا افسانہ بہت پسند آیا۔ "مدلاؤ" طلعت نظامی، ہم سب کو اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے۔ کسی چیز کو کاروبار نہیں جانتا چاہئے۔ اللہ ہم کو ہدایت و توفیق دے (آمین)۔ "ہم ساتھ ساتھ" آئی نہ بہت جب بھی آئی ہیں کسی اچھوتے احساس کے ساتھ آئی ہیں۔ ان کا افسانہ بہت پسند آیا ہے۔ بے شک ساتھ رہنے میں ہی برکت ہے۔ مجھے آئی نہ بہت کا افسانہ بھی بہت پسند آیا ہے۔ آئی چھانکھا افسانہ لکھنے پر سلام ہو۔ امی رسالوں کے خلاف ہیں لیکن اب تو بہت اچھے ہیں ورنہ امی کو یہ افسانہ لازمی پڑھو لی۔ "بیاض دل" میں چھانکھا تو وہاں اپنی ہی محسوس کی۔ "بیاض دل" کی محفل میں آئی پروین افضل شاہین، کوثر خالدہ، مدیحہ نورین، مہک کے انتخاب پسند آئے۔ دُش مقابلہ میں تحریر ام مریم نول کے دُشز پسند آئے۔ ان شاء اللہ موقع ملا تو لازمی فرمائی کروں گی آئی طلعت آغاز، میری راسخنی شامل کرنے کا بے حد شکریہ۔ "بھولی کا گائیڈ" آئی روہین احمد، میں نے بھی کچھ نہیں سمجھی تھی، شامل کر لیئے۔ کتنا انتظار کروا رہے ہیں۔ نیرنگ خیال، آئی ایمان وقار، اگر کہیں تو آپ کے آکر پیر پڑا لیتے ہیں لیکن خدارا اپنی محفل میں جگہ دے دیں پلیز۔ "دوست کا پیغام آئے" میں جن فریڈز نے یاد رکھا ہے ان کا بے حد شکریہ۔ ہمیشہ کی طرح آئی نے شامل کیلئے مدد دی کہ مظارا کرتے ہوئے حملہ کرنے والوں کا یعنی کہ اینٹ کا جواب پتھر سے بہت جاندار طریقے سے دیتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ ویسے بے چاری قارئین کئی محنت سے پیارے پیارے سوالات لکھ کر بھیجتے ہیں۔ آئی اس دفعہ تو لا جواب ہوں گی لیکن آئی نے لا جواب ہونا سیکھا ہی نہیں۔ بٹ جہاں لا جواب ہوئی ہیں، وہاں سے کوئی غائب کر دیتی ہیں (ہلہلا ہلہلا ہی ہی ہی) میں بچ کبھی ہوں شامل نہ آئی، اب اتنا برا منہ نہ بنائے اور مہربانی فرما کر اپنی محفل میں مجھے بھی جگہ دے دیں۔ آخر میں یہ دعا ہے کہ کبھی لا جواب ہے اور آخر امتیاز جی، آپ کہاں چلی گئی ہیں اور آئی جی آپ (مدیرہ) سے درخواست ہے سید غزل زیدی کو کہیں سے دھونڈ کر لائیں اور اس سے "کروں تجوہ ایک خدا کو" جیسا ناول لکھو دے جو مدعوں یاد رہے۔ اور میرے بڑی سندرستی کے لئے لازمی دعا کریں، شاید کسی ایک کے دل سے نکلے ہوئی دعا قبول ہوئی جائے۔

☆ پیاری شیرازی! ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کے والد کو صحت دے اور آپ سب مل کر محبت سے رہیں، آمین۔ شامل آئی کبھی ہیں کہ اللہ نے مجھے ایسا چاند سا کھڑا دیا ہے میں اسے برا کیوں نہ بناؤں اور میں سوال غائب نہیں کرتی، بس دوسروں کی چیزیں غائب کر دیتی ہوں۔

تبسم..... نامعلوم۔ "کام کی باتیں" واؤ اس دفعہ کافی کام کی گئی۔ شکریہ جتنا ہے۔ "در جواب اس" میں آئی اپنے شیریں لہجے میں محفل چائے پی۔ عبادہ کتاب پر مبارک باد۔ یائین کنول، اللہ آپ کی تمام پریشانیوں جلد دور کریں آمین۔ مدیحہ آپ کی خوشیوں کے لئے میں بھی دعا گو ہوں۔ شگفتہ خان عمر مبارک ہو۔ ڈاکٹر زارا، ان شاء اللہ ضرور ڈاکٹر کوٹری اور دوسرے مبارک ہو۔ مجرہ ساقم سے مل کر اچھا لگا۔ "الکثر" ہمیشہ کی طرح لا جواب رہا۔ مشتاق انکل کا شکریہ اس سلسلے کے لئے۔ افسانے میں ام مریم کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ان کا آچل میں "مجھے ہے حکم اذان" کا جواب تحریر بھی لیکن اب آچل کو پر اپنا نام کیوں نہیں دیتیں؟ "انا" ایک بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز تحریر رہی۔ ویل ڈن مریم آئی۔ "ہم ساتھ ساتھ" میں از نہ بہت جہیں ضامنا خوجید کو بتلایا گیا۔ "مدلاؤ" طلعت نے بھی کافی خوب صورت لکھا۔ "تمہارے لئے" رابعہ اختر کا افسانہ بھی لا جواب رہا۔ سیکہ کی بتا رہا ہے محبت بہت پیاری لگی لیکن اصل قربانی تو یہی ہے تاکہ اپنی سب سے پیاری چیز قربان کر دی جائے۔ "میں بے چاری" شہینہ کا نئی وقت بعد آئی اور چھانکھا۔ "خواب، تلی، خواب جھروٹے" وہ کیا خوب صورت نام رکھا ہے کہانی کا۔ فرح جی نام کی طرح کہانی بھی دلچسپ رہی۔ "کوٹری" اس دفعہ کے سارے افسانے ہی زبردست رہے۔ ویل ڈن۔ "اناڑی پیا اور بکرا" صائمہ فریٹی نے بھی زبردست لکھا۔ ویری گڈ وائیٹر۔ یہ حیران فریٹی کہاں گئی؟ واہ! ہمیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں رہا نازی بکول نازی "عشق سفر کی جہول" کے ہمراہ ہمارے دلوں کو ایک بار پھر جکڑنے کے لئے تیار ہیں۔ پلیز یہ ناول طویل کر کے ہم لے آئیں۔ آپ کا بہت انتظار کیا۔ پہلی قطعہ لا جواب ہے مثال سب کچھ رہی اور اگلی قطعہ کا شدت سے انتظار ہے۔ فائزہ گل لکھا ہے کہ ہمیں بھول گئی ہیں۔ گمشدہ لکھنے کے بعد خود بھی کم ہوئی۔

☆ پیاری تبسم! ٹائل گرل کا میک اپ پر بہت خرچا ہو گیا تھا، ہنگی لگوانے کے لیے ہی نہیں بچے تھے۔ آئندہ دیکھو خیال رکھنا..... رازی باتیں مت پوچھنا اور یہی بجانے کا جب دل کرے بھلا کر کرو کر احتیاطا اظہار کردیکھ لینا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کے بابا

جان کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں اور بچی کو سدھارنے کے مشن پر لگ جائیں۔ باقی پر چاہئے یا شکر یہ اور پیارے بھائی وقاص کے لئے جو دعا لکھی تھی، وہ بہت طویل تھی معذرت چاہتے ہیں کہ شائع نہیں کی اور آئندہ سے اپنے شہر کا نام ضرور لکھا کریں۔

میزاب..... قصور۔ آچل 25 اگست کو مل گیا تھا۔ ٹائل بہت پیارا تھا۔ ٹائل ڈیکھنے کے بعد سارا آچل جلدی جلدی چپک کرنا شروع کیا اور یہ کیا، ہمارا آچل دیکھ کر تو میری پوری آنکھیں اور پورا منہ کھل گیا۔ زارا جیبر، اسے کہتے ہیں میری بیٹی اور مجھے ہی میاؤں۔ اس نے مجھے بالکل نہیں بتایا اور میں 9 سال سے آچل پڑھ رہی ہوں لیکن اپنا تعارف لکھنے کی ابھی تک ہمت نہیں ہوئی اور یہ میڈم مجھ سے پہلے آچل پر چڑھ چکی تھیں۔ خیر سبھی کڑیوں سے مل کر اچھا لگا۔ اب آتے ہیں مائی ٹیوٹ "تیری زلف کے سر ہونے تک" کی طرف، پہلی قطعہ پڑھ کر تبادلہ اساد ہو گیا تھا کہ سودہ کا نکاح اور کتنی ہوئی لیکن یہ زید کا خواب تھا۔ شکر ہے۔ اقرا آپی پلیز سودہ اور زیدی جوڑی بنادیں، پلیز پلیز۔ اور "جنون سے عشق تک" بہت اچھی جارہی ہے۔ اس میں شہینہ کی آنکھوں کی کم ہوئی چاہئے، باقی بیٹ ہے۔ "کانی" اس کے پیارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اتنے سالوں میں یہ آچل میں شائع ہونے والا پہلا ناول ہے جو میں نہیں پڑھ رہی، موسوی۔ باقی سارا آچل بہترین تھا اور "دوست کا پیغام آئے" بھی کے پیغام بڑھ کر اچھا لگا۔ ڈاکٹر زارا جیبر، آپ کا تعارف بہت اچھا لگا اور ہاں ہاں ٹائم ٹیمٹ یو۔ اب اجازت ہیں، اللہ میرے پیارے ملک پاکستان کی اور پیارے شہر کی حفاظت کریں آمین۔ جاتے جاتے یا آقا مقدس زہرہ، آپ نے بہت ہی اچھا پیغام لکھا ہے ہمیں واقعی میں اپنی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تو خدا نے فرمایا ہے کہ ہمیں اُمت ہوئی، ان کے اعمال کے حساب سے انہیں حکمران ملے گا۔ اللہ ہمیں ہدایت دے گا آمین۔

☆ پیاری میزاب! یہ تعارف بھیجئے میں بھی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے زارا کے تعارف نے کچھ زیادہ ہی حیران و پریشان کر دیا ہے تب ہی اتنا مختصر تبصرہ بھیجا ہے۔

ڈاکٹر زارا تبصیر..... قصور۔ ٹائل گرل "عالیہ خان" پیاری لگ رہی تھی۔ حمد و نعت کے بعد دوڑ لگائی "جنون سے عشق تک" بہت ہی اچھی جارہی ہے۔ آئی سیراجی شہری کو سب کڑیوں اور جلدی سے شہری اور لگن کی شادی کریں۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" زید آپ اچھا نہیں کر رہے ہو۔ "عشق سفر کی جہول" آئی نازی صاحبہ نند ناول کے ساتھ براہ جان ہوئی ہیں۔ "میں بے چاری" آئی شہینہ گل بہت ہی اچھا افسانہ تھا۔ "خواب، تلی، خواب جھروٹے" اساد کی خواہش تو پوری ہوئی "کوٹری" کی "مدلاؤ" "اناڑی پیا اور بکرا" "تمہارے لئے" "انا" سب سے معذرت کیونکہ اسکول کا کام زیادہ ہونے کی وجہ سے پڑھ نہیں پائی۔ لیکن مجھے پتہ ہے کہ آپ سب نے اچھا لکھا ہے کیونکہ ان کی محبت سے جو لکھا ہے۔ "آئینہ" میں بھی کا تبصرہ پسند آیا، خاص کر حارہ فریڈ کا۔ "دوست کا پیغام آئے" آئی مقدس زہرہ آپ کا لیٹر بہت اچھا تھا۔ آپ نے تمیر کو بلا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو عقل دے اور ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح نبھائیں۔ "نیرنگ خیال" میں آئی فریڈ فری اور آئی حواداری کی غزلیں بہت اچھی تھیں۔ "بیاض دل" میں آئی فائزہ جی کا شعر بہت ہی پسند آیا۔ بھائی وقاص عمر اور آئی راسخنی میر کے شعر بھی لا جواب تھے۔ "یادگار لئے" بھی اپنے نام کی طرح یادگار تھے۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آچل کو ترقی دے، ہمارے ملک پاکستان کی حفاظت فرمائے اور تمہاریوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین، ہم آمین۔

☆ میرے بچے کی پسندیدگی کا شکریہ ڈاکٹر صاحبہ! اور ہاں ویلکم..... موسٹ ویلکم۔

انجیلا طالب..... گوجر نوالہ۔ خوب صورت پھولوں سے سجائے شروق و لا آچل طویل تر انتظار کو ختم کیے اس بار چوبیس اگست کو ملی گیا۔ مدد شکر..... جیسے جناب تبصرہ حاضر ہے۔ عالیہ خان کو میرا سلام دیتے ہیں۔ گائے بہت ہی اچھی بس مجھے بہت پیاری لگئیں اور سب سے پہلے تو ہماری نایاب جیلانی کو پر سہ بے حد افسوس ہوا ان کے شوہر کی رحلت پر اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ حمد و نعت پڑھی، دل کو حد درجہ سکون ملا۔ دانش کدہ میں سے بہت ہی دلکش سیٹی اور ہمارا آچل آئے۔ چاروں جہیں اپنی جگہ آفتاب تھیں۔ لیکن اصمہ کی کا تعارف زیادہ پسند آیا، کیونکہ انہیں نام سے جانتی جو ہوں، پھر جناب "تیری زلف کے سر ہونے تک" ناول پڑھا، بہت دلچسپ مکالمے انتہائی عمدہ ملاٹ ام مریم کا انا انتہائی سبق آموز رہا، "عشق سفر کی جہول" بھی مجھے تو کچھ نہیں آئی لوگ اتنا عشق کو پسند کیوں کرتے ہیں۔ نازی بکول نازی کا ناول اچھی پڑھا نہیں۔ عشنا کوٹری سر داکا "کانی" ٹھیک تھا رابعہ اختر نے اچھا لکھا، "تمہارے لئے" کا آغاز بہترین تھا اور صائمہ فریٹی..... آئی دیر بعد کیا دھما کے دارنظری دی۔ ہم تو ترس گئے تھے۔ فاطمہ اور حسنین کی لوگ جو تک سننے کو، "اناڑی پیا اور بکرا" خاصی دلچسپ تھی۔ مؤذ فریش ہو گیا، طلعت نظامی نے مدلاؤ بھی

خوب لکھا۔ ”میں بے چاری“ میرے خیال سے اسی نام سے کسی پینٹل پر ڈرامہ بھی آن ایئر ہوا تھا۔ مگر جھلکی تحریر چھی لگی، خواہش نقلی خواب جھروکے کہانی سے زیادہ عنوان پسند آیا کہانی بھی اچھی لگی، باسل نام بارالگا۔ اور اساد منفر د..... بانی بیاض دل میں فائزہ جھٹی، شازبہ ہاشم بھائی بانی پروین افضل شاپین، یرشب اعوان، مدیحہ نورین، عہک کے اشعار دل میں کھب گئے۔ دُش مقابلہ زبردست رہا، نیرنگ خیال میں سیدہ لوبا سجان، سلی رب نواز، فہیدہ آصف خان، نجم انجم صاحب، فہیدہ غوری نے میدان فتح کر لیا۔ دوست کا پیغام آئے میں بلیو مون آپ کی سالگرہ کا پتہ چلا، مٹی مٹی پٹی، برتھ ڈے ڈیزائننگ یوس، مدیحہ نورین سمیت انہوں کی شرکت نے بہت اچھا تاثر ڈالا۔ ہون فریٹی، اقراء جٹ مجھے یاد کرنے کا شکر یہ۔ یرشب اعوان، ارقا اعوان آپ کی دوستی قبول ہے۔ آپ دونوں کے نام بہت پیارے لگے۔ بانی آچل کے تمام سلسلے خوب رہے۔

سمیعہ سجاوہ..... ہری پور۔ شہلا آئی جب میں دوسری جماعت میں تھی تب سے بڑھنا شروع کیا اور اب الحمد للہ سینکڑیہ میں ہوں۔ شہلا آئی آچل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں۔ امید ہے کہ خوش آمدید کہیں گی۔ آچل کی خاموشی قاصی ہوں۔ آچل 30 اگست کو ملا اور بڑھ کر آج یعنی یکم ستمبر کو شرکت کرنے کی جہاز تکرلی۔ ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک دن میں ہی سارا ڈائجسٹ ہضم کر لیتے ہیں۔ آسپتے ہیں آچل کی طرف تو ناگل بہت اچھا تھا۔ ”حدیث مبارکہ“ اور ”سرگوشیاں“ بڑھنے کے بعد جب نایاب جیلانی کے خاوند کی رحلت کے بارے میں بڑھاتوں کے لیے دعائے مغفرت کی اور آگے بڑھے۔ ”حمد و دعت“ سے مستفید ہوئے۔ ”در جواب آں“ اور دُش کدہ“ بڑھا۔ بڑھ کر بہت اچھا لگا۔ پھر سب سے پہلے ”جنون سے عشق تک“ پڑھی۔ ویلڈن ”سمیرا آئی“ ویلڈن۔ بہت خوب صورتی سے کہانی آگے بڑھ رہی ہے۔ لیکن تھوڑا انسوں لکھی ہوا کہ شہرینہ کو اس کی ماں کے ساتھ اتنا کم کیوں رکھا۔ کم از کم اسے سیر تو ہونے دیتیں، پھر پڑھی ”تیری زلف کی سر ہونے تک۔“ اقرآ آئی کی کہانی بھی بہت زبردست جا رہی ہے۔ آئی ریکوسٹ ہے کہ سودہ کو زید کی بی رہنے دیجئے گا۔ اور باقی کرداروں کے ساتھ بھی پھر پورا انصاف کیا جا رہا ہے۔ ویری ویری ویری ویلڈن۔ ”نازیبا آئی“ کا ”عشق سفر کی چوٹی“ بھی اچھی اسٹوری ہے۔ ”صائمہ آئی“ کا ”انارڈی پیا اور کمر“ بڑی مزیداری اسٹوری ہے۔ اچھی لگتی ہیں آج کے اس ٹینشن زدہ دور میں پر مزاح تحریریں۔ اور ارفانے سارے ہی پیارے تھے ”انا، ام سریم“، ”تمہارے لیے، راجہ افتخار، ”مداو“ طلعت نظامی، ”ہم ساتھ ساتھ ہیں، نزہت جبین منیاء، ”فرح بھٹو“ آپ سب نے بہت اچھا لکھا۔ دل خوش کر دیا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپ سب یونہی ترقی کی راہ پر گامزن رہیں۔ آمین۔ ثم آمین۔ بانی سارے سلسلے بھی بڑھے۔ سب سے مستفید ہوئے۔ سب بہت اچھے تھے۔ نیرنگ خیال میں سب کی شاعری پسند آئی۔ دُش مقابلہ، بونی گائیڈ، کام کی باتیں، حنا کے رنگ، آچل کے رنگ، آپ کی صحت، یادگار لکھے، ہو میو کارز سب بہت پر فیکٹ اور سیٹ لگا۔ بیاض دل میں سب کے اشعار بہت پسند آئے۔ اور ہم سے پوچھیے، واہ شامکلا آئی واہ۔ دل خوش کر رہی ہیں۔ ساری بونگیوں کو جواب دے کے۔ سوری سسز پیا سے کہا ہے۔ (کانڈی مائنڈ مت کرنا) ہمارا آچل اور دوست کا پیغام میں بھی سب کی باتیں اچھی لگیں۔

☆ سیدہ پہلی بار شرکت کرنے پر خوش آمدید کہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔
اس دعا کے ساتھ اجازت، پاکستان ہمیشہ باد رہا اور اس کے چاہنے والے شاد رہیں آمین۔



ہم سے پوچھتے

شما مکہ کاشف

عائشہ پروین..... کراچی

س: آداب عرض ہے آئی سب سیٹ ہے زندگانی میں؟
ج: تسلیات تمہاری کئی کئی ورثہ سے پہلے سب سیٹ ہی چل رہا تھا۔

س: زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور لوگوں کے درمیان یاسیت اور حسرت بھرے دل کے ساتھ کھڑا ہونا بہت مشکل لگتا ہے، اس کا حل بتائیں؟
ج: کسی کی سیٹ بھیج کر اس پر بیٹھ جاؤ۔ آج کل یہ کھینچا تانی بہت عام ہو گئی ہے۔

س: جو لوگ چاہ کر بھی کسی کے دل میں اپنے لیے جگہ نہ بنا سکے جو کسی کو اپنی طرف اٹریکٹ نہ کر سکے، آپ ان لوگوں کو کیا سمجھیں گی؟

ج: بنائے جا رہے ہیں۔ اچھا بھلا کتنے لوگ۔
س: آئی کیا پیچ ہے کہ مٹی اور دوسری شے نہیں ہو سکتے؟
ج: دونوں شے ہوتے ہیں، جب ہی تو بہا رہی ہے۔ پھر ان کے جدا ہوتے ہی برسات پھر خزاں اور یوں ان کا ملنا، پھٹنا سارا سال رہتا ہے۔

س: میں کہتی ہوں جو بات دل میں ہو اگر وہ زبان پر آجائے تو اچھا، فوراً کہہ دیں۔ پیچھے نہ دھکیلیں، آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: تم اگر پیچھے دھکیلو گی تو تمہاری ساس مندریں تمہیں ہی گھر سے باہر نکال دیں گی۔ اس لیے شوہر سے ہی بول دیا کرو بس۔

س: اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ آپ کو ترقی دے اور دنیا جہاں کی خوشیاں دے آمین۔

ج: تم آمین تم بھی خوش رہو اپنے شوہر کے خرچے پر۔

سمیرا سواتی..... بھیڑ کنڈ
س: ایسا جی! خون کے رشتے اہم ہوتے ہیں یا احساس

کے؟

ج: کون سے زمانے کی باتیں لے بیٹھی ہو رہی امیں۔
س: ڈیزر ایسا جتنا سب قریبی کا گوشت کھا کر آواز آتی سر ملی ہوئی ہے یا لوجھڑی فائدہ مند ثابت ہوئی ہے؟
ج: لگتا ہے اس بار پھر تم اونٹ کا مغز کھا کر آئی ہو تب ہی بات بات پر نفس رہی ہو۔

س: ایسا یہ محبت بھلا ہے کیا چیز.....؟
ج: اگر بتاؤ گی تو پھر تم اسی کے واسطے کہ کرادھا مانگتی پھرو گی۔

س: آج میری جھولی میں بھی ڈال دینا کچھ الفاظ اپنی دعاؤں کے کیا پتا تیرے لب نہیں اور میری تقدیر سنو رہے جاتے.....

ج: ابھی ہم نے آستانہ نہیں کھولا انتظار کرو۔
تمنا شاہ..... ذبیہ غازی خان
س: عزت ملنے پر حیرانی سے منہ کیوں کھول لیا۔
ج: تم جو مست باہمی کی طرح داخل ہوئی ہو، منہ کیا میری تو حیرت سے نکلیں گی کھلی رہے گی۔

س: کیا حال چال ہیں؟
ج: میری پچھوڑاوائی بد حالی کی وجہ بتاؤ۔

س: آئی جی اگر کوئی بہت بہت پیار سے دیکھتے تو؟
ج: یقین کر لو کہ بے چارے کی آنکھیں خراب ہیں، ورنہ تو تمہیں کوئی غصہ نہ دیکھے، پتا تو پھر دور کی بات ہے۔

س: کنوڑی لڑکیوں کو سرائے سے کیوں ڈراتی ہیں۔
ج: تاکہ وہ گھر کے کچھ کام کا ہی کر لیں ڈھنگ سے۔

س: مفت میں آچل پڑھنے کو کیوں جی چاہتا ہے؟
ج: کیونکہ تمہیں مفت خوری کی عادت جو ہوئی ہے۔

س: لوگ کہتے ہیں اگر وہ چپ ہو جائیں تو میں سر چڑھ جاتی ہوں، ایسا ہے کیا؟
ج: اس میں تو کوئی شک کرنے والی بات ہی نہیں ہے۔

س: دل ہی دل میں میری تعریف مت کریں، آئی جی۔
مجھے شرم آ رہی ہے۔

ج: دل کی بات دل میں رہنے دو۔ سب کے سامنے کر دی تو شرمندہ ہو جاؤ گی۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات
س: اگر شہد میں جو میں پڑیں تو کسی کی جی میں چلتی پھرتی؟
ج: تمہیں ہی پتا ہوگا تمہارے تو ابھی جیسے دوڑ رہی ہیں۔

انکی صحت

صدف شاہین ساہیول سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں۔

APHRODITE HAIR

INNIBETOR OIL آپ کے گھر پہنچ جائے

BERBERIS کو گا اور خالہ کو

AQUIFALUM Q کے 10 قطرے آدھا

کپ پانی میں دن میں 3 ٹائم پلائیں ان شاء اللہ

شفایابی ہوگی۔

حوریہ گل فتح پور سے لکھتی ہے کہ میری عمر 20 سال

ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری کمر اور کندھوں پر بازو پر

دانے نکلتے ہیں چھالے نما جب یہ ختم ہوتے ہیں تو

گہرے کالے نشان چھوڑے جاتے ہیں ناخن پر

وائٹ نشان بنتے ہیں اور میری والدہ والا مسئلہ بغیر

شائع کیے جواب دیں آپ کی مہربانی ہوگی۔

محترمہ آپ SULPHUR 30 کے 5

قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار پئیں اور

صفائی کا بہت خیال رکھیں مرغن اشیا سے پرہیز کریں

اور والدہ کو SEPIA 30 کے 5 قطرے آدھا کپ

پانی میں دن میں 3 ٹائم پلائیں اور گرم اشیا سے احتیاط

کرائیں جلد بہتری آئے گی۔

فرحت ناز فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ اپنی

الٹراساؤنڈ رپورٹ بھیج رہی ہوں مہربانی فرما کر میری

رپورٹ دیکھ کر مجھے دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ کی رپورٹ دیکھ لی ہے آپ کو کوئی

مصلحہ سے احتیاط رکھیں۔

فاطمہ ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ سب سے پہلے میں

ڈاکٹر ہاشم مرزا کی شکر گزار ہوں جنہوں نے آنکھ میں

آپ کی صحت کا کالم شروع کیا اس سے ہم مستفید ہو

رہے ہیں اللہ ان کے درجات بلند کرے ان کو جنت

الفر دوس میں جگہ دے آمین۔ میرا مسئلہ یہ کہ میرے

پاؤں کے ناخن پہلے ٹھیک حالت میں تھے گلابی رنگ

کے تھے اب ان کی حالت کھر دردی اور ناخن کے اوپر

کلیئریں بن گئی ہیں ہاتھوں کے ناخن بھی ٹوٹ جاتے

ہیں پھر کئی ماہ اسی حالت میں رہتے ہیں بڑھتے نہیں

ان کا مناسب حل بتائیں میں نے آپ کی برتھ کنٹرول

دوا استعمال کی ماشاء اللہ بہت فائدہ ہوا اس کے لیے

جزاک اللہ دوسرا مسئلہ میری امی کا ہے ان کے پیٹ

میں بائیں طرف مٹھی برابر جگہ میں درد ہوتا رہتا ہے

الٹراساؤنڈ بھی کرایا مگر کوئی مسئلہ نہیں آیا بس درد رہتا

ہے بادی چیز سے اضافہ ہوتا ہے۔

محترمہ آپ SILICEA 6 کے 5 قطرے

آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار استعمال کریں ان

شاء اللہ ناخن ٹھیک ہو جائیں گے دوا 6 ماہ تک جاری

رکھیں اور اپنی والدہ کو CHELIDONIUM

کے 5 قطرے دن میں 3 بار پلائیں چکنائی مرچ

مصلحہ سے احتیاط رکھیں۔

ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا



ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ ”ماہنامہ آنکھ“ کے ”معروف سلسلے“ ”آپ کی صحت“ کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔

قدرتی بال، سر کی رونق بحال



ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت 700/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر 500/=

ایفروڈائٹ بریسٹ ہیوٹی



ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت 600/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر 500/=

ایفروڈائٹ پین کلر



ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر

قیمت 700/= روپے

براہ راست کلینک سے لینے پر 500/=

ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک

ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلیش فیز،

شادمان ٹاؤن نمبر 2، بیکٹر B-14، نارتھ کراچی 75850

فون نمبر: 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے

منی آرڈر کی سہولت سمرنہ ہوسنے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں

زیر نگرانی:

محمد عاصم مرزا

محمد آصف مرزا

محمد عامر مرزا

منی آرڈر بذریعہ پاکستان پوسٹ بھیجے کا پتا: منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر نام ایڈریس مطلوبہ دوا بھیجی گئی رقم SMS پر 0320-1299119 کریں

خاص مسئلہ نہیں بس تھوڑی سی سوچن ہے آپ
SEPIA 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن
میں 3 بار پیئیں ان شاء اللہ جلدی آرام آجائے گا۔
حمیرا ارشد ملتان سے لکھتی ہیں کہ میری 2 بیٹیاں
ہیں ایک 22 سال کی ایک 25 سال کی دونوں جسمانی
طور پر بالکل ٹھیک ہیں مگر نسوانی حسن نہ ہونے کے
برابر جس کی وجہ سے دونوں بہت شرمندہ رہتی ہیں
مہربانی فرما کر کوئی مناسب حل بتائیں آپ کی بہت
لوازش ہوگی۔

محترمہ آپ مبلغ 1200 روپے کا مٹی آرڈر
ہمارے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں
APHRODITE BREAST
BEAUTY OIL آپ کے گھر پہنچ جائے گا
اس کے ساتھ ہی انٹیں S A B A L
SERRULATA Q کے 10 قطرے آدھا
کپ پانی میں دن میں 3 بار پیائیں اگر دوا آپ کے
علائے میں میسر نہ ہو تو ہمارے فون نمبر پر رابطہ کریں۔

ہانیہ یوسف پنجاب سے لکھتی ہیں کہ میں فرسٹ
ایئر کی طالبہ ہوں جب کالج سے گھر آتی ہوں تو
میرے سر میں درد ہو جاتا ہے دھوپ سے کوئی دوا کھا
لوں تو وقتی آرام آ جاتا ہے مگر دوسری دن گھر آنے کے
بعد پھر وہی تکلیف شروع ہو جاتی ہے کوئی مناسب حل
بتائیں کہ میری یہ پریشانی ختم ہو۔

محترمہ آپ NATRUM MURE 30
کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 بار
استعمال کریں ان شاء اللہ جلد بہتری آئے گی۔

مہوش حنیف اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے
بھائی کی عمر 25 سال اسے بچپن سے ہی ناک کے غدود
کا مسئلہ ہے آپریشن بھی کرایا مگر پھر وہی حالت ہو گئی
ہے سو گھسنے کی حس ختم ہو گئی ہے سانس میں بد بو آتی ہے
ہر وقت نزلہ بہتا رہتا ہے نھتوں میں ریگنے کا احساس
رہتا ہے چھینکیں آتی ہے آنکھوں سے بھی پانی آنے لگتا
ہے اور اس کے کان میں بھی سرسراہٹ ہوتی ہے درد
رہتا ہے مہربانی فرما کر دوا تجویز کریں کہ ہمارے بھائی
کو اس تکلیف سے نجات مل جائے۔

محترمہ آپ اپنے بھائی کو TEUCRIUM
MARUM 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی
میں دن میں 3 بار پیائیں دوا جرمنی کی
WILLMAR SEHWABE کی لیں اور
6 ماہ تک جاری رکھیں ٹھنڈی اشیا اور وہ اشیا جن سے
بلغم بنے یعنی دودھ، چاول، کیلا، ان اشیا سے پرہیز
کرائیں ان شاء اللہ جلد ہی بھائی کو مکمل شفا ہوگی۔

ملاقات اور مٹی آرڈر کرنے کا پتا۔
صبح 10 تا ایک شام 6 تا 9 ہو میڈیا کٹر محمد ہاشم مرزا
کلینک دکان نمبر 5-C کے ڈی اے فلیٹ فیر 4
شادمان ٹاؤن نمبر 2 سیکٹر 14B تاحہ کراچی 75850
خط لکھنے کا پتا آپ کی صحت ماہنامہ آن لائن پوسٹ باکس
75 کراچی ایزی پیسا کاؤنٹ 0349-490000



حکام کی باتیں

حناء احمد

محرم الحرام کی عظمت

اسلامی سال نو کا آغاز ماہ محرم الحرام سے ہوتا
ہے۔ ”محرم“ کا لفظ تحریم سے بنا ہے اور تحریم کا لفظ
حرمت سے نکلا ہے۔ حرمت کے لفظی معنی عظمت،
احترام وغیرہ ہیں۔ اس بناء پر محرم کا مطلب احترام اور
عظمت والا ہے۔ چونکہ یہ مہینہ بڑی عظمت اور فضیلت
رکھتا ہے۔ اور بڑا مبارک اور لائق احترام ہے، اس
لیے اسے محرم الحرام کہا جاتا ہے۔

ماہ محرم نہایت ہی فضائل و برکات کا حامل مہینہ ہے
مگر جس طرح رمضان کا آخری عشرہ پہلے دو عشروں
سے افضل ہے اور آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی رات
سب سے افضل ہے، اسی طرح اس مہینہ میں عاشورہ کا
دن تمام ایام سے افضل ہے۔ عاشورہ کا مطلب
دسواں ہے۔

عاشورہ کی فضیلت

یوم عاشور کی فضیلت میں بالعموم تاریخ کے عظیم
واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) یوم عاشورہ میں ہی آسمان و زمین، قلم اور
حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

(۲) اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول
ہوئی۔

(۳) اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان
پر اٹھایا گیا۔

(۴) اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی
ہولناک سیلاب سے محفوظ ہو کر کوہ جودی پر لنگر انداز
ہوئی۔

(۵) اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ”خلیل
اللہ“ بنایا گیا اور ان پر آگ مغل و گلزار ہوئی۔
(۶) اسی دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی
پیدائش ہوئی۔

(۷) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کو قید
خانے سے رہائی نصیب ہوئی اور مصر کی حکومت ملی۔

(۸) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کی
حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک طویل عرصے کے
بعد ملاقات ہوئی۔

(۹) اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی
قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات
حاصل ہوئی۔

(۱۰) اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات
نازل ہوئی۔

(۱۱) اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو
بادشاہت واپس ملی۔

(۱۲) اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو سخت
بیماری سے شفا نصیب ہوئی۔

(۱۳) اسی دن حضرت یونس علیہ السلام چالیس
روز مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد نکالے گئے۔

(۱۴) اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی
توبہ قبول ہوئی اور ان کے اوپر سے عذاب ٹلا۔

(۱۵) اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش
ہوئی۔

(۱۶) اور اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
یہودیوں کے شر سے نجات دلا کر آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۱۷) اسی دن دنیا میں پہلی بار ان رحمت نازل
ہوئی۔

(۱۸) اسی دن قریش خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے
تھے۔

(۱۹) اسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔



تبت

وٹیکر کیئر ویج

سرد اور خشک موسم میں

اپنی جلد کو دیکھ

بھریور تحفظ



TIBET



Honey Lotion



TIBET



Honey Lotion



تبت کوئلہ کریم

تبت سفید لوشن

تبت نائیل لوشن

تبت کوئلہ کریم - تبت سفید لوشن - تبت نائیل لوشن

(۲۰) اسی دن کوئی فریب کاروں نے نواسر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جگر گوشہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میدان کر بلا میں شہید کیا۔
(۲۱) اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔
☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی فضیلت والے دن کے روزہ کا اہتمام بہت زیادہ کرتے نہیں دیکھا، سوائے اس دن یعنی یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ یعنی ماہ رمضان المبارک کے۔“
☆ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”مجھے امید ہے کہ عاشورہ کے دن کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔“
یوم عاشورہ میں کرنے کے کام احادیث طیبہ سے یوم عاشورہ میں صرف دو چیزیں ثابت ہیں۔



(۱) روزہ: اس سلسلے میں روایات باقی گزر چکی ہیں، متن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ”حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کی مشابہت اور یہود و نصاریٰ کی بود و باش اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حکم کے تحت چونکہ تھا یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا یہودیوں کے ساتھ اشتراک اور تشابہ تھا، دوسری طرف اس کو چھوڑ دینا اس کی برکت سے محرومی کا سبب تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ یوم عاشورہ کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور ملا لو۔ بہتر تو یہ ہے کہ نوں اور دسویں کا روزہ رکھو، اور اگر کسی وجہ سے نوں کا روزہ نہ رکھ سکو تو پھر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لو تا کہ یہودی مخالفت ہو جائے اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا تشابہ نہ رہے۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم

مصنفین سے گزارش
☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ ہے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے پہلے صفحہ پر کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا اور رابطہ نمبر خوش خط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے ہمارے جسر ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7، فرید جیمبر ز عبد اللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔